کیا امریکہ جیت گیا؟
قانونِ توہینِ رسالت ﷺ پر عملدرآمد کا خاتمہ
پاکستانی مسلمانوں کی شکست کی المناک کہانی
ترتیب و تحقیق
محمد متین خالد

کیا امریکہ جیت گیا؟

نام کتاب	....	کیا امریکہ جیت گیا؟
ترتیب و تحقیق	....	محمد متین خالد
ناشر	....	علم و عرفان پبلشرز' لاہور
اہتمام	....	راجہ نعمان
مطبع	....	گنج شکر پرنٹرز' لاہور
کمپوزنگ	....	المدد کمپوزنگ سنٹر' لاہور
سنِ اشاعت	....	1999ء
قیمت	....	200/- روپے

ملنے کا پتہ

علم و عرفان پبلشرز

9- لوئر مال' عقب میاں مارکیٹ' اردو بازار لاہور فون 7352332

فہرست

بسم الله الرحمن الرحیم

أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله
١٤٠٤

انتساب!

نابغۂ عصر' عزیزِ جہاں' معروف صحافی

محترم محمد ممتاز اقبال ملک

کے نام

جن کے دل و دماغ میں اسلام' پاکستان
اور جہاد کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے

قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دفعہ۔ ۲۹۵ سی

نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کی شان میں اہانت آمیز کلمات کا استعمال

"جو شخص بذریعہ الفاظ زبانی، تحریری یا اعلانیہ، اشارتاً" یا کنایتاً"، بہتان تراشی کرے یا رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک نام کی بے حرمتی کرے، اسے سزائے موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی۔ اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔"

"دفعہ ۲۹۵ سی میں "یا عمر قید" کا لفظ مکمل اسلامی سزا کے خلاف تھا، اس لئے وفاقی شرعی عدالت نے اکتوبر ۱۹۹۰ء میں اپنے فیصلے میں صدر پاکستان کو ہدایت کی کہ وہ ۳۰ اپریل ۱۹۹۱ء تک اس قانون کی اصلاح کریں اور "یا عمر قید" کے الفاظ ختم کریں، اور یہ کہ اگر تاریخ مقررہ تک ایسا نہ کیا گیا تو پھر اس کے بعد یہ الفاظ خود بخود کالعدم متصور کئے جائیں گے اور صرف سزائے موت، ملک کا قانون بن جائے گا، چنانچہ مقررہ تاریخ تک یہ کام نہ ہوسکا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق یہ الفاظ خود بخود کالعدم ہوگئے۔"

قانون توہین رسالت ﷺ

امریکی خواہش پر حکومتی ترمیم کا مسودہ

دفعہ۔ ۲۹۵ سی

نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اہانت آمیز کلمات کا استعمال

"جو شخص بذریعہ الفاظ زبانی' تحریری یا اعلانیہ' اشارتاً" یا کنایتاً" بہتان تراشی کرے یا رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک نام کی بے حرمتی کرے' اسے زیادہ سے زیادہ دس سال سزائے قید دی جائے گی' اس الزام کے تحت ملزم کے خلاف مقدمہ درج نہ ہوگا اور نہ ہی پولیس ملزم کو گرفتار کرے گی۔ اور جو شخص اس جرم (توہین رسالت) کا الزام کسی پر لگائے' وہ ڈپٹی کمشنر یا مجسٹریٹ کے روبرو درخواست دے کہ "فلاں شخص" نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہے۔ متعلقہ ڈپٹی کمشنر یا مجسٹریٹ اپنے طور پر اس امر کی تحقیقات کرے گا کہ یہ الزام کہاں تک صحیح ہے' اگر وہ تفتیش کے بعد اس الزام کی تصدیق نہ کرے تو مدعی (مقدمہ درج کرانے والا) کے خلاف مقدمہ درج ہوگا جس کی سزا زیادہ سے زیادہ دس سال سزائے قید ہوگی۔"

سازشی چہرے بے نقاب

خالق و مالک کائنات نے بنی نوع بشر پر عنایات و احسانات کی انتہا فرماتے ہوئے اپنی محبوب ترین ہستی کو منبع ہدایت بنا کر مبعوث فرمایا۔ اس عظیم ہستی نے روشنی' ہدایت اور رحمت و برکت کی بارشیں برسائیں اور دین حق کو سینوں میں منور کیا۔ اس مبارک ہستی سے عشق اور اس کے احترام کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے کلام کے ذریعے اور پھر زبان رسالت ﷺ کے ذریعے یہ بات اہل ایمان پر واضح کر دی کہ جب تک تم نبی اکرم' رسول محترم' ہادی مکرم' آقائے معظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت اور عشق کو دوسری ہر شے پر بھرپور فوقیت نہیں دو گے' اس وقت تک تمہارا دین و ایمان مکمل نہیں ہو گا۔

اہل ایمان پر کفر اور طاغوت کی یلغاریں تو بعثت نبوی کے فوراً بعد ہی شروع ہو گئی تھیں مگر توہین رسالت ﷺ کے ذریعے مسلمانان عالم کا ایمان کمزور کرنے کی انتہائی مکروہ سازش اس وقت کی گئی' جب مہدی سوڈانی' بہاء اللہ ایرانی اور مرزا غلام قادیانی کے ذریعے بیک وقت نبوت کے دعوے کرائے گئے اور بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو ان تزویری اور کاذبانہ دعووں کے قبول کے ذریعے آتش جہنم کے حوالے کر دیا گیا۔ برصغیر میں کیونکہ عشق رسول ﷺ کا چرچا دیگر مسلمان ملکوں سے زیادہ تھا' اس لیے یہاں قادیانی فتنے کو آگے بڑھانے کے لیے عیارانہ چالیں چلنا زیادہ ضروری قرار دیا گیا۔ لندن میں بننے اور اب وہاں ہی پنپنے والی ذلت بھری سازش کے تحت ایک ایسے شخص کو توہین رسالت کے لیے منتخب کیا گیا' جس کی ذاتی زندگی خرافات اور فسق و فجور کا ایک گھناؤنے مرکب تھی۔

یہ مردود ایک خود فروختہ پٹواری کے روپ میں انگریزی اقتدار کی غلام گردشوں میں نمودار ہوا۔ اس سازشی اور مکروہ شخص کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر اس نے براہ راست نبوت کا دعویٰ کر دیا تو ہر طرف سے جوتوں اور لعنتوں کی برسات برس جائے گی۔ اس لیے اس نے "اطاعت انگلشیہ" کا لبادہ اوڑھا' اپنی تمام وفاداریاں اور دینی و ملی غیرت لندن والوں کے پاس گروی رکھی اور ایک طویل المدت منصوبے کے تحت سب سے پہلے ایک عالم دین کے جعلی روپ میں آگے آیا۔ پھر اس نے مصلح ہونے کا دعویٰ کیا' تیسری قسط کے طور پر وہ مجدد بن گیا۔ چوتھا گھٹیا بہروپ مسیح موعود کا اختیار کیا۔ پھر پانچویں سوانگ میں مہدی موعود کا لبادہ اوڑھا۔ جب دھوکے' فراڈ اور فریب کی یہ قسطیں مکمل ہو گئیں تو اس بے غیرت بہروپئے نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور پھر اپنی تحریروں میں کھل کر یہ تاثر دیا کہ نعوذ باللہ وہ خود محمد ہے اور اس کو رسول اکرم ﷺ کا ثانی بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔

توہین رسالت کے اس سفلی منصوبے پر ایک ایسے ذلیل شخص سے عمل کرایا گیا:

-----جو پرائمری پاس تھا۔

-----جس پر ٹیچی ٹیچی نامی "فرشتہ" آتا تھا۔

-----جس کے اپنے قول کے مطابق ٹیچی ٹیچی جھوٹ بھی بولتا تھا

-----جو گڑ کی جگہ استنجے کے ڈلے اور استنجے کے ڈلوں کی جگہ گڑ استعمال کر لیتا تھا اور اس حرکت کو "استغراق" کا نام دیتا تھا

-----جو "منی آرڈر" کو تائید الٰہی قرار دیتا تھا

-----جو شکل سے سور' آواز سے کتا اور چال سے گدھ لگتا تھا

-----جو اپنے مخالفین کو غلیظ گالیاں دیتا تھا

-----جس کے نزدیک انگریز حکومت اللہ کا انعام تھی

-----جس نے اپنی اولادوں کا معاشی مستقبل محفوظ کرنے کی غرض سے زکوٰۃ کو منسوخ کر کے اپنے ہر چیلے چانٹے پر چھ فیصد قادیانی ٹیکس لگا دیا۔

-----جس نے واضح طور سے یہ کہا کہ جب کوئی کافر و مشرک قادیانی "محمد" کا لفظ کہتا ہے تو اس سے اس کی مراد قادیان والا مرزا ہوتی ہے' محمد عربی ﷺ نہیں۔

-----جس پر غلط انگریزی میں نام نہاد الہام اترے اور جو وزن' قافیہ' ردیف سے عاری شاعری کرتا تھا

-----جو ایک عورت کے عشق میں گرفتار ہو کر پورے قادیان میں ذلیل و رسوا ہوا

-----جس نے اپنے فاسق' فاجر' کافر اور گمراہ ٹولے کے لیے "احمدی" کا لفظ استعمال کیا مگر اب اس ٹولے کو اصرار ہے کہ وہ احمدی نہیں' مسلمان ہے۔

-----جس کی ہدایت پر کلمہ طیبہ اور اذان میں "محمد ﷺ" سے مرزا قادیان والا سمجھنے والا یہ جہنمی ٹولہ قرآن و سنت کی تمام اصطلاحیں' تحریف و تبدیلی کے مرحلے سے گزار چکا ہے اور کلمے سے لے کر پورے قرآن کو ذاتی اور جعلی مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔

-----جس نے انگریز کو خوش کرنے کے لیے جہاد کو حرام (نعوذباللہ) اور زکوٰۃ کو قادیانی ٹیکس سے تبدیل کیا۔

-----جس نے شراب خوری کی اور پھر برملا اس کا اعتراف بھی کیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

یہ اس گھٹیا اور خود فروختہ جعلی مجدد' نقلی مسیح' فرضی مہدی' بہروپی نبی اور گستاخ سرور کائنات کی ظاہرہ خوش قسمتی تھی کہ اس کی پے در پے قلابازیوں کو گورداسپور کے انگریز ڈی سی اور سکھ ڈی ایس پی کی مکمل حمایت حاصل تھی ورنہ کئی علم الدین اس کی گھات میں تھے اور اسے وقت سے پہلے "درك الاسفل من النار" کے حوالے کرنے کو بے چین تھے۔

قیام پاکستان کے بعد جعلی نبوت کے پاسداروں نے جھنگ کے ضلع میں ایک بستی میں اپنا مرکز قائم کر کے اسے "ربوہ" کا نام دیا۔ خیال تھا کہ ملک بھر کا گند اور کوڑا اس فلتھ ڈپو Filth Depot میں جمع ہوتا رہے گا اور باقی ملک قادیانی فتنے سے محفوظ رہے گا مگر جب گندگی کے اس ڈھیر کی بدبو سے باقی ملک متعفن ہونے لگا تو علماء حق نے خطرے کی گھنٹیاں بجائیں اور خود ساختہ نبوت کا نام نہاد خلیفہ پاکستان سے فرار کر کے اس دیش میں پہنچ گیا' جہاں اس کے دین انگلشیہ کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ وہاں توہین رسالت کے نئے تانے بانے بنے جانے لگے۔ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ:

.....سلمان رشدی کی کتاب کو مرزائیت کی آشیر باد حاصل تھی۔
.....کسی مرزائی لیڈر نے آج تک سلمان رشدی کی مذمت نہیں کی۔
.....سلمان رشدی نے اپنی پوشیدگی کا بیشتر عرصہ لندن کے قادیانیوں کے گھروں میں گزارا۔
.....قادیانی آج بھی ملعون سلمان رشدی کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔

توہین رسالت ﷺ کیا ہے؟ عشق رسالت ﷺ کسے کہتے ہیں؟ ان دو مختلف سوالوں پر کسی بدبخت اور زندیق کی رائیں تو مختلف ہو سکتی ہیں مگر نص قرآنی کے مطابق عشق رسول ﷺ کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ عزیزم محمد متین خالد کا دل عشق مصطفوی ﷺ سے منور اور ان کی روح حب محمدی ﷺ سے سرشار ہے۔ وہ گورداسپوری فتنے اور انگریزی سازش کے تار و پود سے بخوبی آشنا ہیں۔ انہوں نے اس اہم اسلامی موضوع پر قلمی جہاد کا آغاز کر رکھا ہے اور ہر روز ان کے توشہ آخرت میں خوبصورت اضافے ہو رہے ہیں۔ انہوں نے توہین رسالت کی تازہ ترین سازشوں کا چہرہ بے نقاب کیا ہے اور خالصتاً علمی و تحقیقی انداز سے فتنہ توہین رسالتؐ کا احاطہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی یہ کوشش قبول فرما کر انہیں نفس مطمئنہ کے خطاب سے نوازیں اور اپنے محبوب بندوں کی صف جلیلہ میں داخل فرمائیں۔ (آمین)

ڈاکٹر یٰسین رضوی
پوسٹ بکس 1312- اسلام آباد

دل کی بات

تحفظ ناموس رسالت ﷺ ہر مسلمان کا اولین فریضہ ہے۔ اس مقدس فرض کی ادائیگی میں ذرا سی بھی کوتاہی' بے حسی یا بے توجہی سلب ایمان' دنیا میں ذلت و خواری اور آخرت میں شفاعت محمدی ﷺ سے محرومی کا سبب بن سکتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا نازک ترین اور حساس ترین مسئلہ ہے جس کے بارے میں خود اللہ رب العزت اہل ایمان کو آداب النبی ﷺ سکھاتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

ترجمہ: "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو' اور نہ نبی ﷺ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو' جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو' کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو" (۴۹:۲)

ابن تیمیہؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس آیت میں مومنین کو اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے ان کی بلند آوازی ان کے اچھے اعمال کو غارت نہ کر دے اور وہ اس سے بے خبر ہوں"۔

جناب رسالت مآب ﷺ کے خلاف الزام تراشی کو روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ذو معنی الفاظ کے استعمال سے بھی منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ یہودی رسول اکرم ﷺ کی اہانت کے لیے کرتے تھے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"اے ایمان لانے والو' راعنا نہ کہا کرو بلکہ "انظرنا" کہو اور توجہ سے بات کو سنو' یہ کافر تو عذاب الیم کے مستحق ہیں" (۲:۱۰۴)

مولانا محمد علی صدیقی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"یہود یہ لفظ رسول اکرم ﷺ کی اہانت کے لیے استعمال کرتے تھے۔ لفظ راعنا کے دو معنی ہیں۔ اچھے اور برے۔ اس کے اچھے معنی ہیں "ہم پر مہربانی اور توجہ فرمائیے"۔

برے معنی ہیں جو یہود راعینا کہتے تھے یعنی "اے ہمارے گڈریے" اور وہ یہ لفظ رسول اللہ ﷺ کی شان گھٹانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ پس یہ ایک طنزیہ اشارہ ہے جو توہین رسالت کے برابر ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو (ہمیشہ کے لیے) اس لفظ کے استعمال سے منع کر دیا گیا ہے تاکہ وہ تمام راستے بند ہو جائیں جو رسول اللہ ﷺ کی اہانت کا باعث ہوں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں "'سلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے منع کیا گیا' تاکہ رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کے راستے مسدود ہو جائیں۔ نبی کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم ہی مذہب کی بنیاد ہے اور یوں اس سے محرومی مذہب سے انحراف ہے" (معالم القرآن' از محمد علی صدیقی' جلد اول' صفحات ۴۶۳ تا ۴۶۸)

اسی لیے تو غالب نے کہا تھا۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ داں محمد است

مغربی سامراج نے مسلمانوں کے دین پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے قادیانی نبوت کا پودا کاشت کیا جسے مسلمانوں نے شروع ہی میں مسترد کر دیا تھا مگر آئینی طور پر انہیں ان کے انجام تک پہنچانے میں نوے سال تک جدوجہد کرنا پڑی۔ مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر نے تو اپنا فیصلہ بروقت دے دیا تھا لیکن یہود و ہنود کے لے پالک دانش وروں' سرکاری اور ریاستی کارندوں نے نام نہاد روشن خیالی کے نام پر مسلسل رکاوٹ کھڑی کی۔ خیر وہ مسئلہ ایک پہلو سے حل ہوا مگر اس زخمی سانپ نے ملت اسلامیہ کو ڈسنے کے لیے نئے نئے روپ ڈھالنے شروع کیے اور اب وہ "انسانی حقوق" کے نام پر اپنی مرضی کے ظالم اور اپنی مرضی کے مظلوم تلاش کرتے ہیں۔ ایسے جرم کے لیے سامراجیوں نے سلمان رشدی' تسلیمہ نسرین کے ہاتھوں ہفوات اور دشنام طرازیوں کے بعد پاکستان میں بھی ہم قبیلہ لوگوں کو تلاش کر کے یہ کام سونپا کہ وہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں یاوہ گوئی کرنے والوں کو تحفظ دیں۔

لا الہ الا اللہ کے نعرہ پر حاصل کیے جانے والے ملک میں بدقسمتی سے شروع کے ۴۰ سالوں تک توہین رسالت ﷺ کے مرتکب کے لیے کوئی سزا مقرر نہ تھی۔ ۱۹۸۶ء میں عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ نے شان رسالت ﷺ میں توہین کا ارتکاب کیا تو پورے ملک میں ہیجان اور غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ملزمہ پورے پروٹوکول کے ساتھ بیرون ملک فرار ہو گئی۔ مجاہد تحفظ ناموس رسالت ﷺ جناب محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ اور آپا نثار فاطمہ ؒ نے مسلمانوں کے جذبات کی نمائندگی کی۔ یہ دونوں شخصیات ملت اسلامیہ کے محسن ہیں۔ ان کی شب و روز کی کوششوں سے گستاخ رسول ﷺ کی سزا کا بل پارلیمنٹ سے منظور ہو کر اعلیٰ عدالتوں سے سند پا گیا۔

قانون توہین رسالت ﷺ اسلام دشمن طاقتوں کی آنکھ میں کانٹا بن کر کھٹکنے لگا۔ کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ایک گنہگار سے گنہگار مسلمان کا رشتہ بھی نبی کریم ﷺ سے مضبوط ترین ہے۔ وہ آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتا ہے اور اسے اپنے ایمان کی بنیاد سمجھتا ہے۔ پیارے نبی ﷺ کی شان اقدس میں ذرا سی بھی توہین اس کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ وہ اپنی اور اپنے خاندان کی توہین تو برداشت کر سکتا ہے مگر اپنے پیارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کا ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرتا----- چونکہ مغرب کو یہ "بنیاد پرستی" گوارا نہیں' اس لیے وہ اس فاقہ کش کے بدن سے جو موت سے ذرا نہیں ڈرتا' روح محمد ﷺ نکال دینا چاہتا ہے۔ اس مقصد خبیثہ کے لیے وہ قانون توہین رسالت ﷺ کو غیر موثر بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور (خاکم بدہن) بظاہر کامیاب ہوتے بھی نظر آ رہے ہیں جس کا بین ثبوت آئندہ صفحات پر رقم تحریروں میں ملے گا۔ شان رسالت ﷺ میں توہین کے بے شمار واقعات پر مسلمانوں کی کوتاہی' بے حسی اور بے توجہی ناقابل یقین اور ناقابل فہم ہے۔ اس تناظر میں یہ کتاب ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہر مسلمان اپنی تصویر دیکھ کر اپنے مقام کا خود تعین کر سکتا ہے۔

اسلام کے مایہ ناز فرزند' محقق اور استاد جسٹس ڈاکٹر محمود احمد غازی کا مضبوط دلائل اور پختہ ایمان کے ساتھ لکھا جانے والا مقالہ بعنوان "قانون توہین رسالت ﷺ --- سماجی' سیاسی اور تاریخی مطالعہ" خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ یہ مقالہ جہاں اہل ایمان کو یقین و پختگی بخشے گا' وہاں گروہ الحاد و تشکیک کو بھی بہت کچھ سمجھنے پر مجبور کرے گا۔ یہ مقالہ

انگریزی میں تھا جسے پاکستان کے بزرگ صحافی جناب نذیر حق نے اردو میں ڈھالا۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کا خصوصی شکرگزار ہوں کہ جنھوں نے اس مقالہ کو اردو میں شائع کرنے کی اجازت دی۔ اس کے علاوہ دیگر مضامین بھی بڑے علمی، تحقیقی اور فکری انداز میں لکھے گئے ہیں۔ ان سب کے مجموعہ سے زیر نظر کتاب اپنے موضوع پر ایک مکمل کتاب بن گئی ہے۔ امید ہے اہل فکر و نظر اسے تحسین کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

نامور سکالر، صحافی اور دانشور جناب ڈاکٹر لیسین رضوی صاحب نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود جس محبت اور شفقت سے اس کتاب پر اپنے گرانقدر خیالات کا اظہار فرمایا، میں ان کا دلی طور پر شکرگزار ہوں۔

کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں جناب سلیم منصور خالد، جناب جمیل احمد عدیل، جناب اشفاق احمد ورک، جناب حافظ شفیق الرحمٰن، جناب محمد طاہر رزاق، جناب ڈاکٹر محمد صدیق شاہ بخاری، جناب عمران حسین چودھری، جناب محمد ارشد اویسی، جناب محمد عبداللہ عابد، جناب نعیم اختر عدنان، جناب ظہیر احمد بابر اور جناب تسلیم علی قریشی نے میری بھرپور معاونت اور قیمتی مشوروں سے نوازا جس کے لیے میں ان تمام احباب کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

ادارہ علم و عرفان کے مہتمم گل فراز صاحب نے کتابوں کی دنیا میں ایک نیا انقلاب برپا کیا ہے۔ علمی و تحقیقی کتابوں کو جدید انداز میں شائع کرنا اور کم قیمت پر فروخت کرنا ان کا مشن ہے۔ زیر نظر کتاب بھی اس ادارہ سے شائع ہو رہی ہے۔ اس کتاب کی تمام ظاہری خوبصوری اور آرائش انہی کی محنت کا نتیجہ ہے جس پر وہ ستائش کے مستحق ہیں۔

محمد متین خالد

لاہور

کیا امریکہ جیت گیا؟

علامہ ابو ٹیپو خالد الازہری

افغانستان میں روس کی عبرتناک شکست کے بعد امریکہ ایک سپرپاور کے طور پر دنیا کے نقشہ پر ابھرا۔ اس کے مدمقابل بظاہر کوئی ایسی قوت نہیں جو اس کی طاقت کے نشے میں بے لگام سرگرمیوں کے سامنے مزاحمت کر سکے۔ اس لیے اس کی طرف سے پوری دنیا میں اپنی حاکمیت قائم کرنے کے لیے "نیو ورلڈ آرڈر" کا اعلان کیا گیا۔ اس نئے حکم کے بین السطور امریکہ نے پوری دنیا کو بالعموم اور عالم اسلام کو بالخصوص دھمکی دی کہ وہ اس کے ہر حکم کے آگے اپنا سر تسلیم خم کرلیں' ورنہ وہ مقابلہ کے لیے تیار ہو جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب آج بھی اسلام کو اپنا حریف اور دشمن سمجھتا ہے۔ سابق امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے کہا تھا کہ اگلی صدی عیسائیت اور اسلام کی باہمی چپقلش کی صدی ہے۔ ۱۹۸۷ء میں سابق امریکی صدر مسٹر نکسن نے اس وقت کے امریکی صدر ریگن اور روس قیادت کو ایک مشترکہ کھلا خط لکھا تھا کہ امریکہ اور روس آپس میں لڑنا چھوڑ دیں۔ ان کا اصل دشمن اسلام ہے۔ ان کی لڑائی سے فائدہ اسلام کو پہنچے گا۔ امریکی مفکر سیموئل ہنگٹن نے بھی اپنے مشہور مقالے "تہذیبوں کا تصادم" (The Clash Of Civilizations) میں اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ مستقبل میں مغربی تہذیب کا تصادم اسلام سے ہوگا کیونکہ یہ امریکہ کے لیے خطرناک اور ناقابل برداشت ہے۔

سپین میں مسلمانوں کے زوال کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہاں پے در پے توہین رسالت ﷺ کے واقعات پر مسلمانوں نے اپنا رد عمل ظاہر کرنا چھوڑ دیا تھا جن کی سزا انہیں یہ ملی کہ وہ اس خطہ سرزمین پر حکمرانی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہوگئے۔ ۱۹۳۳ء

میں کانگریس کے ایک لیڈر پانیکر نے ایک کمیشن قائم کر کے سپین بھیجا تھا کہ وہ ان حالات اور واقعات کا مطالعہ کر سکے جن کی وجہ سے سات سو سال تک اندلس پر شان و شوکت سے حکومت کرنے کے باوجود سپین سے مسلمانوں کا بیج تک ختم ہوگیا۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں توہین رسالت ﷺ کے واقعات پر ماضی کے برعکس مسلمانوں کی بے حسی' بے حمیتی اور غیرت و حمیت کے فقدان کو ان کے زوال کا خصوصی سبب قرار دیا تھا۔ اس رپورٹ کی روشنی میں اب مغرب پوری دنیا میں ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت توہین رسالت کے واقعات دہرا رہا ہے۔ کبھی ملعون رشدی سے "شیطانی آیات" نامی بے ہودہ اور شرمناک کتاب لکھوائی جا رہی ہے' کبھی تسلیمہ نسرین ایسی دریدہ دہن دشمن اسلام سے کام لیا جا رہا ہے۔ کہیں مصر کے ناصر حامد ابوزائد' فواد فواد' نجیب محفوظ' افغانستان کی مریم ابنی' ترکی کے عزیز نشین' برطانیہ کے انور شیخ اور مراکش کے عسان وغیرہ کو اپنی ناپاک اور مذموم مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اور طرفہ تماشہ یہ کہ پوری دنیا میں توہین رسالت ﷺ کے واقعات کی سرپرستی کرنے اور مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کر کے مجرمان توہین رسالت کو "وی وی آئی پی" کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ تمام اسلام دشمن ممالک ایسے ملعونوں کے لیے چشم براہ رہتے ہیں۔ انہیں شاہی پروٹوکول دیا جاتا ہے۔ مغربی سربراہان ممالک جنہیں ملنے کے لیے ترقی پذیر پسماندہ ممالک کے سربراہان سالوں انتظار میں رہتے ہیں مگر انہیں اذن باریابی نصیب نہیں ہوتا لیکن توہین رسالت کے مجرمان جب چاہیں' ان سے ملاقات کر سکتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق مراعات حاصل کر سکتے ہیں۔

جولائی ۱۹۹۷ء کے پہلے ہفتے فلسطین میں غزہ کی پٹی کے نزدیک' جہاں مقام الخلیل پر یہودیوں نے مسلمانوں کے شدید احتجاج کے باوجود نئی بستیاں بسانی شروع کر دی ہیں' ایک یہودی عورت نے دانستہ دیواروں پر ایسے پوسٹر چسپاں کیے جس میں نبی کریم ﷺ اور قرآن حکیم کی بے حرمتی کی گئی تھی۔ یہ پوسٹر انتہائی دل آزارہ تھا' جس کے چسپاں ہوتے ہی فلسطینی مسلمانوں میں شدید اضطراب پھیل گیا۔ چنانچہ انہوں نے ہر جگہ مظاہرے کیے اور اسرائیلی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ اس عورت کے پیچھے اس گروہ کو سخت سزا دے جس نے دراصل یہ کام کروایا ہے۔ اس پوسٹر کی وجہ سے پیدا ہونے والے ہنگاموں میں اسرائیلی فوجیوں نے پانچ فلسطینی مسلمان شہید کر دیے۔ امریکہ میں مقیم یہودیوں نے یک آواز

اعلان کیا کہ الخلیل میں جس یہودی عورت نے حضور نبی پاک ﷺ کے بارے میں دل آزار پوسٹر چسپاں کیے' وہ درست اور حقیقت پر مبنی تھے۔ نیویارک سے شائع ہونے والے معروف یہودی ہفت روزہ "جیوش ویک" نے ۴ جولائی ۱۹۹۷ء کے شمارے میں اس ملعون عورت کے حق میں ایک طویل اداریہ تحریر کرتے ہوئے اسے اسرائیلی اور عالمی یہودیوں کی "مجاہدہ" کے لقب سے یاد کیا۔

خواتین کے ملبوسات پر مقدس قرآنی آیات چھاپنا' کوکاکولا کے کین' فٹ بال اور جوتوں پر کلمہ طیبہ' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نام لکھنا' اسلام کی مقدس شخصیات کے کرداروں پر فلمیں بنانا' مسجد اقصیٰ میں سور کا سر رکھنے کے شرانگیز واقعات' پرنٹ میڈیا میں اسلامی مقدس شخصیات کی خیالی تصاویر شائع کرنا اور ان کے خیالی مجسمے بنانا' فحاشی کے مراکز کلبوں کا نام مکہ اور مدینہ رکھنا' اسم محمد کو انگریزی میں بگاڑ کر لکھنا' رسائل و جرائد اور کتابوں میں توہین کرنا' انٹرنیٹ پر قرآنی آیات میں تحریف' فرشتوں' پیغمبروں' رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی فرضی تصاویر اور غلط فرضی معلومات فراہم کرنا تو مغرب کا روزمرہ کا معمول ہے۔

لیکن اب ان کا ہدف دنیا کی واحد نظریاتی اسلامی ریاست پاکستان ہے جہاں اسلام کے نام پر لوگ اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کرنا اپنی سعادت اور عبادت سمجھتے ہیں۔ یہاں کے مسلمان عملی طور پر خواہ کتنے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں' مگر حضور نبی کریم ﷺ سے ان کی محبت "لامحدود اور غیر مشروط" ہے۔ اس پر کبھی کوئی مصلحت' دباؤ یا لالچ غالب نہیں آیا۔ لیکن افسوس! اب یہ جذبہ رفتہ رفتہ ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ امریکہ جو عالم اسلام کے دشمن ممالک کا متفقہ راہنما ہے' پاکستان میں قانون توہین رسالت کے مسئلہ پہ بڑا سیخ پا اور ناراض ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ یہ قانون جلد از جلد ختم ہو جائے۔

حالانکہ خود امریکہ' برطانیہ اور دوسرے ممالک میں ایسے قوانین اور ضابطے موجود ہیں جن کی رو سے مذہب اور انبیاء کی توہین قابل سزا قرار دی جا چکی ہے۔ پاکستان میں اس وقت جو تعزیرات نافذ ہیں' انہیں خود انگریزوں نے ۱۸۶۰ء میں نافذ کیا تھا۔ ان کے تحت مذہبی جذبات کو مشتعل کرنا جرم قرار دیا گیا ہے اور اس کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ انگلستان میں اس وقت واضح قانون موجود ہے جس کی رو سے حضرت عیسیٰؑ' مسیح اور انجیل کی

تعلیمات کی توہین پر سخت سزا مقرر ہے۔ تقریباً دو سو سال قبل تک اس جرم پر موت کی سزا دی جاتی تھی مگر ۱۸ ویں صدی میں جسمانی موت کی جگہ سول ڈیتھ کی اصطلاح شامل کر دی گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے جرم کے مرتکب شخص کو ہر قسم کے شہری حقوق اور مراعات سے محروم کر دیا جائے۔ اس طرح اسے جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا جائے۔ امریکہ میں بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے بہت سے قوانین اور آئینی تحفظات موجود ہیں۔ مگر مذہب اور مذہبی شعائر و اکابرین کی توہین کی سزا کے راستہ میں بنیادی حقوق بھی حائل نہیں ہو سکتے۔ امریکہ کی سپریم کورٹ ایک کیس میں فیصلہ دے چکی ہے کہ کسی بھی تہذیب و تمدن میں' دین و مذہب کا احترام نہایت لازمی ہے۔ سیاسی حلقوں کے مطابق امریکہ کے آئین کو سیکولر قرار دیا گیا ہے مگر وہاں کا صدر اور ارکان کانگرس اپنے عہدوں کا حلف اٹھاتے وقت پہلے انجیل کی آیات پڑھتے ہیں۔ اسی طرح عدالتوں کی کارروائی کے آغاز سے پہلے بھی انجیل کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔

دریں اثناء قانونی حلقوں نے اس بات کو بھی محل نظر قرار دیا ہے کہ امریکہ خود کو آزاد اور مکمل طور پر سیکولر ملک قرار دیتا ہے مگر اس کے ہاں صرف مسیحی افراد کو اپنے دین پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہے' دوسرے مذاہب کو ایسی آزادی حاصل نہیں۔ اسلامی شعائر کے تحت وہاں زندگی نہیں گزاری جا سکتی جبکہ وہاں پر مذہب کو مکمل آزادی دینے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

مغرب قانون توہین رسالت ﷺ کو "حقوق انسانی اور آزادی تحریر و تقریر" کے منافی سمجھتا ہے۔ یہ کیسی آزادی اور حقوق ہیں کہ جس کی آڑ میں اسلام کی مقدس شخصیات کی توہین کی جائے اور دنیا بھر کے اربوں مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا جائے۔ قانون توہین رسالت ﷺ ختم کرنے کا مطالبہ دراصل حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں توہین کرنے کا لائسنس طلب کرنا ہے جس کی کوئی مسلمان ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔

یہ ایک المیہ ہے کہ پاکستان میں ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۸۶ء تک حضور نبی کریم ﷺ کی توہین پر صرف ۶ ماہ سزائے قید تھی۔ گویا اسلام کے نام پر حاصل کیے جانے والے اس ملک میں کائنات کی انتہائی محترم اور اعلیٰ ترین شخصیت کی توہین کوئی جرم نہ تھا۔

۱۷ مئی ۱۹۸۶ء کی شام اسلام آباد ہوٹل میں ایک سیمینار کے دوران ویمن ایکشن

فورم کی چیئرمین عاصمہ جہانگیر قادیانی ایڈووکیٹ نے (موجودہ چیئرپرسن انسانی حقوق کمیشن) نے شریعت بل کے خلاف تقریر کرتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں انتہائی غیر محتاط زبان استعمال کی۔ عاصمہ جہانگیر نے اپنی تقریر میں حضور نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) "جاہل" کہا۔ روزنامہ "مسلم" اسلام آباد کے سٹاف رپورٹر نے ۱۸ مئی ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں عاصمہ جہانگیر کی تقریر اس طرح رپورٹ کی:

"The beautiful thing about Islam is That it was for the layman"

انگریزی زبان کا لفظ Layman رپورٹر نے عاصمہ جہانگیر کی تقریر کے لفظ "جاہل" کے ترجمہ کے طور پر استعمال کیا۔ عاصمہ جہانگیر نے اپنی تقریر میں حضور نبی کریم ﷺ کو نہ صرف "جاہل" کہا بلکہ تعلیم سے "نابلد" "ان پڑھ" اور نہایت ست کے الفاظ استعمال کیے۔ عاصمہ جہانگیر کے حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کے دوران ایک وکیل نے احتجاج کیا کہ رسول کریم ﷺ کے بارے میں گفتگو کرتے وقت محتاط رہنا چاہیے۔ جس پر دونوں کے درمیان تلخی ہو گئی اور جلسے کی فضا کشیدہ ہو گئی۔ بعد کے بیان میں عاصمہ جہانگیر نے کہا کہ اس نے یہ الفاظ "امی" کی تشریح کے طور پر کہے تھے۔

عاصمہ جہانگیر کی شان رسالت ؐ میں توہین کے اس واقعہ سے پورے ملک میں تحریک کی صورت پیدا ہو گئی۔ مسلمانان پاکستان میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ حکومت نے عاصمہ کے خلاف مقدمہ درج کرنے سے انکار کر دیا۔ آپا نثار فاطمہ ایم۔ این۔ اے (آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے) نے پارلیمنٹ میں آواز اٹھائی اور مجاہد تحفظ ناموس رسالت جناب محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ نے وفاقی شرعی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ان دونوں شخصیات کی شب و روز کی کوششوں سے پاکستان میں قانون توہین رسالت ﷺ نافذ ہوا جسے تعزیرات پاکستان میں 295c کا نام دیا گیا۔

قانون توہین رسالت ﷺ

دفعہ 295C

نبی کریم حضرت محمد ﷺ

کی شان میں اہانت آمیز کلمات کا استعمال

"جو شخص بذریعہ الفاظ زبانی' تحریری یا اعلانیہ' اشارتاً یا کنایتاً بہتان تراشی کرے یا رسول کریم حضرت محمد ﷺ کے پاک نام کی بے حرمتی کرے' اسے سزائے موت یا سزائے عمر قید دی جائے گی۔ اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہو گا۔

دفعہ ۲۹۵ سی میں "یا عمر قید" کا لفظ مکمل اسلامی سزا کے خلاف تھا' اس لیے وفاقی شرعی عدالت نے اکتوبر ۱۹۹۰ء میں اپنے فیصلے میں صدر پاکستان کو ہدایت کی کہ وہ ۳۰ اپریل ۱۹۹۱ء تک اس قانون کی اصلاح کریں اور "یا عمر قید" کے الفاظ ختم کریں اور یہ کہ اگر تاریخ مقررہ تک ایسا نہ کیا گیا تو پھر اس کے بعد یہ الفاظ خود بخود کالعدم متصور کیے جائیں گے اور صرف سزائے موت' ملک کا قانون بن جائے گا۔ چنانچہ مقررہ تاریخ تک یہ کام نہ ہو سکا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق یہ الفاظ خود بخود کالعدم ہو گئے"۔

امریکہ اور اس کے حواری ممالک کی شدید ترین خواہش ہے کہ پاکستان سے قانون توہین رسالت ﷺ ختم ہو جائے تاکہ گستاخان رسول' مکمل آزادی کے ساتھ شان رسالت ﷺ میں گستاخی کر سکیں۔ اس سلسلہ میں امریکہ کئی ایک مواقع پر ہمارے حکمرانوں کو ایسی ہدایات جاری کر چکا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

- امریکہ نے حکومت پاکستان پر زور دیا ہے کہ وہ توہین رسالت ؐ کے قوانین منسوخ کر دے کیونکہ امریکہ کے مطابق ان قوانین سے مذہبی عدم رواداری بڑھ رہی ہے۔ امریکی نائب وزیر خارجہ رابن رافیل نے سینٹ کی سب کمیٹی کو بتایا کہ توہین رسالت ؐ کے قانون

سے مذہبی عدم برداشت کی فضا پیدا ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ نے بار بار کھلے عام ان قوانین کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس اجلاس کی صدارت سینیٹر نیک براؤن نے کی۔ واضح رہے کہ سینیٹر براؤن کو پریسلر قانون میں ترمیم کے سلسلہ میں ان کی جدوجہد کی وجہ سے پاکستان کا بڑا دوست سمجھا جاتا ہے۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۸ مارچ ۱۹۹۶ء)

❑ امریکہ نے پاکستان پر زور دیا ہے کہ وہ توہین رسالت ﷺ قانون کو ختم کردے۔ امریکی محکمہ خارجہ کے نائب ترجمان جیمز فولی نے کہا کہ ایک شخص کو اپنے عقیدہ (شان رسالتؐ میں توہین) کے اظہار کے بعد سزائے موت کا حکم سنانے کی مذمت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کئی بار حکومت پاکستان پر زور دیتا رہتا ہے کہ وہ توہین رسالت قانون کو ختم کردے کیونکہ اس قانون سے مذہبی تعصب کی فضا پیدا ہوتی ہے اور گھٹن اور عدم رواداری کی فضا بڑھتی جا رہی ہے۔ اسلام آباد سے بار بار کہہ چکے ہیں کہ 295c کا قانون منسوخ کرے۔ (روزنامہ "جنگ" لاہور' ۹ مئی ۱۹۹۸ء)

❑ امریکہ نے موقف اختیار کیا کہ قانون توہین رسالت انسانی حقوق کے منافی ہے۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ۱۰ مئی ۱۹۹۸ء)

❑ امریکہ نے پاکستان پر زور دیا ہے کہ توہین رسالت ﷺ کا قانون ختم کردیا جائے۔ وزارت خارجہ کی ایک رپورٹ میں دنیا کے مختلف علاقوں میں جہاں عیسائی اقلیت میں ہیں' کی حالت بیان کی گئی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں غیر مسلموں کو اپنا مذہب تبدیل کرنے کی اجازت ہے لیکن مسلمانوں کی لیے کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنا غیر قانونی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ امریکہ نے بار بار حکومت پاکستان سے توہین رسالت ﷺ قانون منسوخ کرنے کے لیے کہا ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں پاکستانی حکام کے ساتھ یہ معاملہ کئی بار اٹھایا جاچکا ہے۔ (روزنامہ "جنگ" لاہور' ۲۴ جولائی ۱۹۹۸ء)

❑ جرمنی کے صدر ڈاکٹر رومن ہرزوگ نے کہا کہ ہم قانون توہین رسالت ﷺ کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قانون توہین رسالت کے حوالے سے نہ صرف صدر فاروق لغاری' وزیراعظم بے نظیر بھٹو سے بلکہ قائد حزب اختلاف میاں محمد نواز شریف سے بھی گفتگو کی اور اس قانون کے تحت سزا کو سخت قرار دیتے ہوئے اسے نرم

کرنے کی تجویز پیش کی۔ (روزنامہ "جنگ" لاہور' ۱۶ اپریل ۹۵ء)

❑ آسٹریلوی وزیر خارجہ سینیٹر ہارن گارتھ ایونز' نائب امریکہ وزیر خارجہ رابن رافیل' نائب وزیر خارجہ جرمنی ڈاکٹر ورین ہوٹر' وزیر خارجہ ڈنمارک سمیت کلنٹن انتظامیہ نے کئی ایک مواقع پر حکومت پاکستان کو مجبور کیا کہ وہ قانون توہین رسالت کو ختم کرے۔

❑ آرچ بشپ آف کینٹو بری ڈاکٹر جارج ایل کیری نے پاکستانی حکام پر زور دیا کہ ناموس رسالت ؐ کے قانون میں ترمیم کی جائے۔ (روزنامہ "جنگ" لاہور' ۵ دسمبر ۱۹۹۷ء)

امریکہ اور دوسرے اسلام دشمن ممالک کی ان دھمکیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے تمام حکمرانوں نے اپنے اقتدار کی خاطر امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے قانون توہین رسالت ﷺ میں ترمیم کرنے پر غور شروع کر دیا۔ حکمران جانتے تھے کہ اگر اس قانون کو یکسر ختم کیا گیا تو مسلمانوں کے غیظ و غضب سے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ لہٰذا انہوں نے اس قانون کو ختم کرنے کی بجائے اس میں ایسی تبدیلی کرنے کا پروگرام بنایا جس سے اس کی افادیت ختم ہو کر رہ گئی۔ پہلے تو خود حکمرانوں نے اس قانون پر تنقید شروع کر دی اور پھر مقدمہ درج کروانے کا طریق کار اتنا خطرناک تھا کہ ہر شخص اس سے خوف کھاتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے قانون توہین رسالت کے بارے میں ہمارے حکمرانوں کا خبث باطن۔

❑ "محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ ملک کے ۱۲ کروڑ عوام ناموس رسالت کی حفاظت خود کر سکتے ہیں۔ حکومت ناموس رسالت کے سلسلہ میں سزائے موت کا قانون پارلیمنٹ میں پیش کر کے ملک کو بنیاد پرستوں کی ریاست بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ جو کہ بنیادی طور پر قائداعظم کے نظریات کے خلاف ہے اور عوام کے بنیادی حقوق سلب کرنے کے مترادف ہے۔ اور اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش ہے۔ انہوں نے کہا کہ گواہوں اور شہادتوں کی بناء پر شان رسالت ؐ میں گستاخی کرنے والے کو سزا دینا اس لیے معنی نہیں رکھتا کہ ہمارے ملک میں تو ارکان پارلیمنٹ کو خرید لیا جاتا ہے۔ اس صورت میں کرایہ کے گواہوں کی موجودگی میں انصاف کی توقع نہیں کی جا سکتی"۔ (روزنامہ "جنگ" کراچی' ۱۰ اگست ۱۹۹۲ء)

❑ پیپلز پارٹی کی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کر دی جائے۔ جس کے تحت توہین رسالت کے مرتکب کی سزا' سزائے موت اور عمر قید سے کم کر

کے دس سال قید کر دی جائے۔ اس بات کا فیصلہ منگل کے روز وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کی زیر صدارت ہونے والے وفاقی کابینہ کے اجلاس میں کیا گیا۔ وفاقی فیصلہ کے بارے میں اخبار نویسوں کو بریفنگ دیتے ہوئے اطلاعات و نشریات کے وفاقی وزیر خالد احمد کھرل نے بتایا کہ کابینہ نے وزارت قانون کو ہدایت کی ہے کہ وہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ سی میں ترمیم کر کے بل کا مسودہ تیار کرلے۔ جس میں توہین رسالت کے مرتکب کی سزا میں کمی کر کے زیادہ سے زیادہ دس سال سزائے قید رکھی جائے"۔ (روزنامہ "جسارت" کراچی' ۱۶ اپریل ۱۹۹۴ء)

تین مہینے کی خاموشی کے بعد ۳ جولائی ۱۹۹۴ء کے تمام قومی اخبارات میں وزیر قانون اقبال حیدر کا درج ذیل بیان آئرلینڈ کے اخبار "آئرش ٹائمز" کے حوالے سے شائع ہوا:

❑ "ڈبلن (پی پی اے) پاکستان کے وزیر قانون سید اقبال حیدر نے کہا ہے کہ وفاقی کابینہ نے توہین رسالت قانون میں ترمیم کی منظوری دے دی ہے اور اس ترمیم سے اب پولیس کو اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو گرفتار کرنے اور جیل بھجوانے کا اختیار حاصل نہیں رہا۔ اقبال حیدر نے کہا کہ پاکستان ایک جدید اسلامی ریاست ہے اور موجودہ حکومت ملک میں "مذہبی انتہاپسندی" کو بالکل نہیں چاہتی۔ آئرش ٹائمز کے مطابق انہوں نے یہ یقین دہانی ایمنسٹی انٹرنیشنل کی میری لالور کو ایک ملاقات میں کرائی"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' روزنامہ "نوائے وقت" کراچی' روزنامہ "جسارت" کراچی' ۳ جولائی ۱۹۹۴ء)

❑ "لندن (نمائندہ جنگ) وزیر قانون و پارلیمانی امور اقبال حیدر نے کہا ہے کہ حکومت' پاکستان میں عیسائی برادری اور دوسری اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا تہیہ کیے ہوئے ہے اور اس مقصد کے لیے تمام ذرائع بروئے کار لائے گی۔ انہوں نے کہا کہ توہین مذہب کے قانون میں مناسب تبدیلیاں کرنا حکومت کے انتخابی منشور کا ایک حصہ ہے"۔ (روزنامہ "جنگ" راچی' ۷ جولائی ۱۹۹۴ء)

اسی تاریخ کے اخبار میں وفاقی وزیر خصوصی برائے تعلیم و سماجی بہبود

ڈاکٹر شیر افگن کا بیان شائع ہوا کہ:

❑ "سرگودھا' ٦ جولائی (این این آئی) وفاقی وزیر خصوصی تعلیم و سماجی بہبود ڈاکٹر شیر افگن نے کہا ہے کہ توہین رسالت ﷺ کے قانون میں ترمیم کی گنجائش موجود ہے' کیونکہ اس قانون سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے مواقع موجود ہیں۔ سرگودھا میں پریس کلب میں صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ حکومت اس قانون میں ترمیم کر رہی ہے جس کے ذریعہ مقدمہ درج کرنے سے پہلے سیشن جج اس معاملہ کی تحقیق کریں اور اس کے بعد مقدمہ درج کرنے کی سفارش کریں"۔ (روزنامہ "امن" کراچی' ٧ جولائی ١٩٩٤ء)

❑ اسلام آباد (ہمارے نامہ نگار کے قلم سے) وفاقی وزیر داخلہ نصیراللہ بابر نے توہین رسالت ﷺ کے مقدمات کو رجسٹرڈ کرنے کے لیے متفقہ طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ پولیس کو آئندہ کوئی اختیار نہیں ہوگا کہ وہ معمولی کسی شکایت پر کسی بھی فرد کے خلاف مقدمہ رجسٹرڈ کرے بلکہ پولیس فوراً اس معاملہ کی علاقہ مجسٹریٹ کو رپورٹ کرے گی جو کہ متعلقہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ساتھ اس جگہ کا معائنہ کرے گی جہاں متذکرہ جرم ہوا ہے۔ مجسٹریٹ تحقیقات کر کے یہ طے کرے گا کہ شکایت صحیح ہے یا جھوٹ پر مبنی ہے۔

نصیراللہ بابر نے کہا کہ ملزم کے خلاف شہادت یا ثبوت مل جانے کی صورت میں مجسٹریٹ پولیس کو یہ حکم دے گا کہ متذکرہ ملزم کے خلاف ایف آئی آر درج کی جائے۔

وزیر موصوف نے کہا کہ مجوزہ طریقہ کار کے تحت ایسا شکایت کنندہ جو جھوٹی رپورٹ پولیس میں دائر کرے گا' اس کو دس سال تک کی قید بھی ہو سکتی ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ جس ملزم کے خلاف پولیس مقدمہ رجسٹرڈ کرے گی' اس کو فوراً حفاظتی تحویل میں لے لیا جائے گا۔ ایسا کرنا بہت ہی ضروری ہوگا تاکہ مشتبہ شخص کی عوام کے ممکنہ غیظ و غضب سے حفاظت کی جا سکے۔ (دی ڈیلی "نیوز انٹرنیشنل" ١٤ جولائی ١٩٩٤ء)

❑ "اپوزیشن لیڈر سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے کہا کہ حکومت حقوق انسانی کی تنظیموں کے ساتھ مشورہ کر کے توہین رسالت ﷺ قانون میں ترمیم کرے۔ (روزنامہ "نوائے وقت" ۲۳ مئی ۱۹۹۸ء)

❑ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ پیپلزپارٹی اقلیتوں کے مساوی آئینی حقوق کی بحالی کے لیے اسمبلی میں جلد بل پیش کرے گی اور امتیازی قوانین یعنی (C295) کے خاتمے کے لیے حکومت سے ہر سطح پر تعاون کرنے کے لیے تیار ہے۔ انہوں نے کرسچین لبریشن فرنٹ کے صدر شہباز بھٹی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے اپنے دور حکومت میں اقلیتوں کو مساوی حقوق دلانے کے لیے انقلابی اقدامات کیے تھے۔ اسمبلی میں دو تہائی اکثریت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ان میں سے چند اقدامات کو آئینی اور قانونی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔ (روزنامہ "پاکستان" لاہور' ۳۱ مئی ۱۹۹۸ء)

❑ مذہبی و اقلیتی امور کے وزیر راجہ ظفرالحق نے کہا کہ مسلم لیگ کی حکومت قانون توہین رسالت ﷺ میں ترمیم کی بجائے اس کے طریق کار میں تبدیلی پر غور کر رہی ہے۔ اس مقصد کے لیے حکومت نے یہ طریقہ وضع کیا ہے کہ اس قسم کے کیس کی سماعت عام عدالت کی بجائے سپیشل کورٹ میں کی جائے۔ اس کے علاوہ ایسے کیس پہلے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس جائے اور وہ اس بات کا فیصلہ کرے کہ آیا کیس عدالت میں چلنا بھی چاہیے یا نہیں۔ (روزنامہ "خبریں" لاہور' ۹ مئی ۱۹۹۸ء)

❑ وفاقی وزیر قانون خالد انور نے کہا کہ حکومت توہین رسالت ﷺ ایکٹ میں ترمیم کرے گی۔ (روزنامہ "خبریں" لاہور' ۲۴ مئی ۱۹۹۸ء)

حکمرانوں کے ان مذکورہ بالا بیانات سے اس بات کی بو آتی ہے کہ وہ امریکہ کی خواہش پر قانون توہین رسالت ﷺ میں تبدیلی کے لیے ذہنی طور پر مکمل تیار ہو چکے ہیں لیکن وہ اس تبدیلی سے درپیش آنے والے خطرات سے بھی گھبراتے ہیں کہ کہیں عوام انہیں اقتدار سے باہر نہ پھینک دیں۔ لہٰذا انہوں نے یہ چال چلی کہ ملک کے تمام ڈپٹی کمشنر حضرات کو زبانی طور پر ہدایات جاری کیں کہ آئندہ شان رسالتؐ میں گستاخی کا واقعہ پیش آنے کے باوجود کسی ملزم کے خلاف بھی مقدمہ درج نہ کیا جائے اور اگر مسلمانوں کے پرزور احتجاج و ہڑتال کے پیش نظر اور حالات کو کنٹرول کرنے کی خاطر' بادل ناخواستہ مقدمہ

درج کر بھی لیا جائے تو اس بات کی پوری کوشش کی جائے کہ ملزم جلد از جلد ضمانت پر رہا ہو جائے۔ اس دوران اگر ملزم بیرون ملک جانا چاہے تو اسے تمام تر سہولتیں مہیا کی جائیں اور اسے باعزت طور پر رہا کروانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ قصہ مختصر یہ کہ اب امریکہ کے دباؤ پر ہر حکومت یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ آئندہ قانون توہین رسالت کے تحت کسی بھی ملزم کو سزا نہیں ملے گی۔ رہا مسلمانوں کا ردعمل تو اس حقیقت سے انکار نہیں کرنا چاہیے کہ مسلمان ایمانی طور پر بے حد کمزور ہوچکا ہے۔ اس کا رشتہ نبی کریمؐ سے تقریباً ٹوٹ چکا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد' اس کی والدہ' تمام انسانوں' حتیٰ کہ اس کی جان سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں"۔

اس فرمان کی روشنی میں کون مسلمان ہے جو اب دعویٰ کر سکتا ہے کہ حضور نبی کریمؐ اسے اپنے ماں باپ' بہن بھائیوں' دولت وغیرہ سے زیادہ عزیز ہیں۔ آج کسی کے سامنے اس کی ماں یا بہن کی توہین کی جائے تو وہ شخص آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ غیرت و حمیت کی خاطر قتل تک نوبت آ جاتی ہے۔ دولت کی خاطر انسان ہر چیز داؤ پر لگا دیتا ہے---- مگر نبی کریمؐ کی شان اقدس میں گستاخی کا کوئی واقعہ بھی ہو تو اسے احساس تک نہیں ہوتا۔ وہ اس مسئلہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اس کی رگ حمیت نہیں پھڑکتی' اسے غصہ نہیں آتا---- اس کا خون جوش نہیں مارتا---- صرف اس لیے کہ اس کا زاویہ نگاہ---- زاویہ محبت---- بدل گیا ہے۔

اب اسے غصہ آتا ہے تو صرف اپنے ماں باپ کی توہین کرنے والے پر۔ اس کی رگ حمیت پھڑکتی ہے تو صرف اپنی بہن کی عزت پامال کرنے والے پر۔ وہ آپے سے باہر ہوتا ہے تو صرف اپنے کاروبار میں نقصان کی خاطر۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں صرف جذباتی گفتگو کر رہا ہوں تو وہ شان رسالت میں توہین کے درج ذیل واقعات کو پڑھے---- اور بتائے کہ اس نے ان واقعات پر بحیثیت مسلمان کیا کردار ادا کیا؟ کیا ذمہ داری پوری کی----؟ اور کس حد تک نبی کریم ﷺ سے اپنی محبت کا ثبوت فراہم کر کے خود کو مسلمان ثابت کیا؟

❑ "بونٹرا گارمنٹ" نامی کمپنی کی طرف سے ۸ مارچ ۱۹۹۰ کو کراچی کے معروف انگریزی اخبار "ڈان" میں اور ۱۰ مارچ ۱۹۹۰ء کو روزنامہ "جنگ" میں "بونٹرا ٹراوزرز" کا ایک اشتہار شائع کیا گیا۔ جس میں پتلون کی شکل بنائی گئی اور اس کے عین پیشاب کی جگہ پر (نعوذ باللہ استغفراللہ) آنحضرت ﷺ کا مقدس نام "محمد" لکھا گیا۔

❑ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے شعبہ اسلامیات کے استاد ڈاکٹر سلیمان اطہر نے ایڈنبرا یونیورسٹی برطانیہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہاں کے یہودی اساتذہ نے ان سے جو مقالہ لکھوایا' اس کا عنوان ہے:

"مدینہ میں حضور اکرم ﷺ کی پیشہ ورانہ زندگی میں فوجی جاسوسی کا ارتقاء"

اس مقالے میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں خود تراشیدہ مفروضے پیش کیے گئے اور خالص افتراء اور بہتان تراشی کا ایسا ریکارڈ قائم کیا گیا جس کی توقع کسی سڑے ہوئے یہودی سے بھی نہیں کی جاسکتی۔

❑ قومی اسمبلی کے بجٹ سیشن میں اسمبلی کے ایک معزز رکن نے خواتین اسلام کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ سنائی۔ جس پر خاتون ارکان نے "شیم شیم" کے نعرے بلند کیے اور اس رکن اسمبلی سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے الفاظ واپس لے مگر جب موصوف نے یہ کہا کہ یہ الفاظ میرے نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ہیں' میں ان کو واپس کیسے لے سکتا ہوں تو یہ خواتین بطور احتجاج اسمبلی سے واک آؤٹ کر گئیں اور دوسرے ارکان ان محترم خواتین کو بصد منت سماجت و لجاجت منا کر لائے۔

(حسن یوسف' مقالات یوسفی' جلد اول' ص ۲۰۰' از مولانا محمد یوسف لدھیانوی)

❑ لاہور سے پیپلز پارٹی کے رکن پنجاب اسمبلی عبدالرشید بھٹی نے اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "اہل پنجاب سے ان کی "ماں بولی" تک چھین لی گئی ہے۔ جتنی بھی آسمانی کتابیں اتریں' وہ سب ان قوموں کی اپنی زبانوں میں تھیں۔ لیکن ہم پر اردو کے علاوہ عربی بھی مسلط کر دی گئی۔ جس کے نتیجے میں ہم مذہب سے دور ہوتے گئے۔ اگر ہم پانچ وقت کی اذان عربی کی بجائے اپنی زبان میں سنیں' نماز پنجابی میں ادا کریں تو ہمارے قول و فعل میں تضاد نہ ہو"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۲۳ جون ۱۹۹۵ء)

☐ ۲۱ دسمبر ۱۹۹۷ء کو لاہور کے ایک مقامی ہوٹل میں کرسچین لبریشن فرنٹ کے زیر اہتمام منعقدہ "قومی یکجہتی اور استحکام کانفرنس" سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے اسلام اور نظریہ پاکستان کے خلاف بے حد ہرزہ سرائی کی اور جسے اگلے روز تمام اخبارات نے بھی شائع کیا مگر حکومت نے اس پر کوئی نوٹس نہیں لیا۔ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے پروفیسر مہدی حسن نے کہا کہ پاکستان معرض وجود میں آنا اسلام کے لیے نہیں تھا۔ قومی اسمبلی کی عمارت پر کلمہ طیبہ لکھ کر اقلیتی حقوق پامال کیے گئے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان اس لیے نہیں بنایا گیا تھا کہ اس میں چودہ سو سالہ پرانا خلافت کا نظام رائج کیا جائے۔ پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ رسول بخش پلیجو نے کہا کہ مذہب پر اعتبار رکھنا ضروری نہیں ہے۔ کسی کو اقلیت کہنا توہین ہے۔ دو کوڑی کے انسان کو حق نہیں ہے کہ (نعوذ باللہ) توہین رسالت ﷺ کے ملزم کے لیے سزا تجویز کرے۔ پیپلز پارٹی کے پروفیسر اعجاز الحسن، سابق نگران وزیراعظم معراج خالد اور اے این پی کے مرکزی راہنما اجمل خٹک نے ان خیالات سے اتفاق کیا اور کہا کہ پریس چاہے لاکھ کچھ لکھے، ہم آپ کے ساتھ کھڑے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ کچھ نہیں ہو گا۔

☐ جھنگ کے بازاروں میں بیرون ممالک سے درآمد کیے گئے پرانے کپڑوں، سویٹروں اور پرانے بوٹوں کی بھرمار ہے۔ ان پرانے بوٹوں میں کوریا کی میکسا نامی بوٹ ساز کمپنی کے بوٹ کے تلوے پر واضح طور پر لفظ "اللہ" درج ہے۔ (روزنامہ "دن" لاہور، ۱۶ فروری ۱۹۹۹ء)

☐ مارچ ۱۹۹۶ء میں کریسنٹ گروپ کے "جوبلی اسپننگ اینڈ ویونگ ملز کراچی" نے اپنے کپڑے کو "کاٹن کوئین اینڈ سپر فائن لان" کے نام سے تیار کر کے مارکیٹ میں سپلائی کیا۔ ان کپڑوں میں قرآنی آیات کو بنیادی طور پر ڈیزائن کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اس نئے ڈیزائن کا اشتہار دو ماڈل خواتین کے ذریعے پاکستانی اشتہاری میڈیا نے پیش کیا۔ (ہفت روزہ "اخبار جہاں" ۱۱ تا ۱۷ مارچ ۱۹۹۶ء) جس میں دو ماڈل عورتوں پر آیات والی ساڑھی اور شلوار قمیض کی تشہیر کی گئی۔ یہ کپڑا "آج کل کی خواتین کے لیے عالمی معیار کا لباس" کے نعرے کے ساتھ پیش کیا گیا۔ ایک ماڈل کی ساڑھی پر سورۃ واقعہ کی آیت نمبر ۷۹ اور دوسری ماڈل کی شلوار قمیض پر سورۃ فتح کی تین آیات ۲۵، ۲۶ اور ۲۷ پرنٹ ہوئیں۔ پورے صفحہ کا کلر

اشتہار واضح طور پر عربی خطاطی کے کوفی رسم الخط کو ظاہر کرتا ہے۔ اشتہار میں دعویٰ کیا گیا کہ یہ رضوان بیگ کا تیار کردہ ایک ڈیزائن ہے جو پاکستان کے چوٹی کے ڈریس ڈیزائنر ہیں۔ وہ لیڈی ڈیانا اور سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو کے ڈریس تیار کر چکے ہیں۔

❑ جون ۱۹۹۵ء میں کپڑے کی صنعت سے تعلق رکھنے والے صنعت کاروں نے ملک بھر میں خواتین کے شلوار اور قمیض کے سوٹ کے لیے مختلف رنگوں میں ایسی سوتی لان پرنٹ کر کے پھیلائی جس میں اللہ تعالیٰ کا نام، آنحضور ﷺ کا اسم گرامی "محمد" اور صحابہ کرام کے نام جلی طور پر چھپے ہوئے تھے۔ یہ کپڑا لاہور، فیصل آباد، شیخوپورہ، کراچی اور گوجرانوالہ کی مغل، فردوس یونائیٹڈ، ایس اے مجید اور مائیکرو ٹیکسٹائل میں تیار کیا گیا۔

❑ محکمہ بہبود آبادی پنجاب نے اپنے خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کی تشہیر کے لیے ۱۹۹۵ء کا ایک ٹیبل کیلنڈر شائع کیا۔ ماہ جولائی کے صفحہ پر قرآن مجید کے ستائیسویں سپارے کی سورۂ الحدید کی آیت نمبر ۲۰ کو مع ترجمہ شائع کیا لیکن اس آیت اور ترجمہ میں تبدیلی کر کے اس کے مفہوم کو اپنے محکمہ کے مقاصد کے مطابق ڈھال کر اپنے مطلب کا مفہوم نکالا۔ آیت مقدسہ کو شائع کرتے وقت آیت مبارکہ کے پہلے دس گیارہ الفاظ لینے کے بعد درمیان میں سے الفاظ کو چھوڑ کر آخری الفاظ شامل کر لیے۔ اس طرح اس تحریف شدہ عبارت کو سورۂ الحدید کی آیت نمبر ۲۰ قرار دے دیا جس سے نئی آیت بنا دی گئی اور آیت کا مفہوم بھی بدل گیا۔

❑ نیشنل بک فاؤنڈیشن کے سربراہ اور معروف شاعر احمد فراز نے کہا کہ اب اجتہاد کا وقت آگیا ہے تمام باتوں کو آج کے وقت کی روشنی میں دیکھنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ تمام روشن خیال لوگ مل کر اسلام پر غور کریں۔ اسے "ریویو" کریں۔ اگر کسی چیز کو بڑھانا ضروری ہے تو بڑھائیں اور کسی کو کم کر سکتے ہیں تو کم کریں۔ (روزنامہ "خبریں" لاہور، ۱۲ جون ۹۶ء)

❑ معروف صحافی احمد بشیر نے کتھک ڈانس کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے مولوی خواہ مخواہ مخالفت کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ (نعوذ باللہ) حضور اکرم ﷺ بھی رقص دیکھا کرتے تھے۔ آدم اور حوا بھی (نعوذ باللہ) ناچتے ہوئے جنت سے نکلے تھے۔

(روزنامہ "خبریں" لاہور' ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۶ء)

❑ رکن پنجاب اسمبلی پیر احمد شاہ کھگہ نے اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیمی قابلیت کے حوالہ سے نازیبا گفتگو کی جس پر ایوان میں زبردست شور شرابہ ہوا۔ اس پر پیر احمد شاہ کھگہ نے دوبارہ کہا کہ میں نے جو کچھ بھی کہا تھا' سچ تھا۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ۱۳ دسمبر ۹۲ء)

❑ سپیکر پنجاب اسمبلی حنیف رامے نے کہا کہ بعض علماء اور دائیں بازو کے لوگوں نے فنون اور ثقافت کو محض عریانی سے تعبیر کیا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ لوگ موسیقی اور مصوری کو حرام قرار دیتے ہیں جبکہ المصور اللہ کا اپنا نام ہے اور موسیقی نبیوں کا شیوہ رہی ہے۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ۱۷ مئی ۱۹۹۶ء)

❑ عیسائی مصنف اور صحافی عمانوئیل لوتھر راتق جو لاہور میں عیسائی مشنری کا سیکرٹری جنرل بھی رہا' نے حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ پر ایک کتاب لکھی جس کا نام

"A Lamp Spreading Light"

رکھا۔ اس کتاب میں لوتھر نے اپنے رواتی خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات پر بے جا الزامات لگائے اور گند اچھالا۔ حکومت پاکستان نے اس کتاب کو سیرت کی بہترین کتاب قرار دے کر ایوارڈ سے نوازا۔

❑ انجمن سرفروشان اسلام کے بانی سربراہ گوہر شاہی کی تحریروں اور تقریروں سے اللہ تعالیٰ' حضور نبی کریم ﷺ اور انبیاء علیہم السلام کی شان میں حد درجہ گستاخیاں پائی جاتی ہیں۔ وہ قرآن مجید کے مکمل ہونے کا انکار اور خود امام مہدی ہونے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ظاہری ملاقات کا بھی دعویٰ کرتا ہے۔ وہ نماز' روزہ' حج' زکوۃ اور قرآن مجید کا تمسخر اڑاتا ہے اور دیگر شعائر اسلام کی بھی توہین کرتا ہے۔

❑ ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء کو صوبہ سرحد کی سیاسی جماعت اے این پی نے اپنے بزرگ راہنما باجا خان کی برسی منائی۔ اس موقع پر مقررین نے جن میں خان ولی خان بھی شامل تھے' خطاب کرتے ہوئے اس برسی کو حج اور عمرے کے برابر قرار دیا۔

(روزنامہ "دن" ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء)

☐ پاکستان ویمن کرکٹ ایسوسی ایشن کی طرف سے کرکٹ پر ایک معلوماتی کتابچہ شائع کیا گیا۔ جس کے صفحہ نمبر ۳ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی ہے۔ جبکہ سامنے والے صفحے پر جوتوں کی کمپنی کا اشتہار ہے جس سے کتابچہ کو بند کریں تو الرحمٰن الرحیم کے الفاظ جو اللہ تعالیٰ کے نام ہیں' جوتوں سے جا ملتے ہیں۔ کرکٹ بورڈ کی اس تنظیم کی چیئرپرسن بشریٰ اعتزاز احسن ہیں۔

(روزنامہ "خبریں" لاہور' ۲۰ مئی ۱۹۹۷ء)

☐ ڈیفنس لاہور کے ایک ماڈرن سکول میں ایک کتاب پڑھائی جا رہی ہے جس میں حضور نبی کریم ﷺ کی دو اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ایک فرضی تصویر ہے۔ یہ سکول سابق چیئرمین واپڈا لیفٹیننٹ جنرل(ر) زاہد علی اکبر کی بیٹی صبا ہارون کا ہے جو جنرل اختر عبدالرحمٰن کی بہو اور رکن اسمبلی ہارون اختر کی اہلیہ ہیں۔ اس سکول میں صرف خواتین پڑھاتی ہیں جن میں ۲۰ مسلمان اور ۳ امریکی ہیں۔ اس سکول کے پرنسپل کریک ووڈ اور وائس پرنسپل اس کی اہلیہ مسز ووڈ ہیں۔

(روزنامہ "دن" لاہور' ۱۲ مئی ۱۹۹۸ء)

☐ ۹ اپریل ۱۹۹۸ء کو وزیراعظم نواز شریف نے یوم اقبال کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد کی اس تجویز پر کہ شریعت بل اتفاق رائے سے منظور کر لیا جائے' کہا کہ سینٹ میں کچھ ایسے لوگ بیٹھے ہیں جو سرے سے شریعت کے حق میں نہیں۔ ایک رکن نے مجھ سے کہا۔ میں اس کا فقرہ من و عن آپ کے سامنے دہراتا ہوں کہ "آپ شریعت نافذ کرنا چاہتے ہیں لیکن محمد ﷺ سب سے بڑے ڈکٹیٹر تھے" (توبہ نعوذ باللہ)

اس موقع پر لوگوں نے شور مچایا اور ممبر کا نام پوچھا۔ نواز شریف نے کہا کہ مجید نظامی بھی اس کا نام جانتے ہیں۔ اس موقع پر حاضرین نے اصرار کیا کہ نام بتایا جائے اور اس ممبر کو پھانسی دی جائے۔ نواز شریف نے کہا کہ میرے مینڈیٹ کا تقاضا ہے کہ میں ضروری آئینی تبدیلیاں لاؤں کیونکہ مجھے اللہ نے مینڈیٹ دیا ہے۔ انہوں نے کہا اس رکن اسمبلی نے کہا "اللہ کون ہوتا ہے مینڈیٹ دینے والا۔ یہ مینڈیٹ تو حالات و واقعات نے دیا ہے" وزیراعظم نے ڈاکٹر اسرار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ اتفاق رائے پیدا کریں گے۔ کیا ان لوگوں کے خیالات قابل معافی ہیں۔ این این آئی کے مطابق اس بزرگ لیڈر نے کہا

آپ کو خدا نے نہیں' میں نے مینڈیٹ دیا ہے۔ ہال میں موجود خواتین و حضرات نے وزیراعظم سے مطالبہ کیا کہ شاتم رسول رکن قومی اسمبلی کا نام بتائیں۔ تاکہ اس کو سنگسار کیا جائے۔ لیکن وزیراعظم نے نام بتانے سے گریز کیا۔ جی این این کے مطابق وزیراعظم نے کہا جب قومی اسمبلی کے ایک بزرگ سیاست دان سے شریعت بل کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ملا تو انہوں نے کہا' کس شریعت کی بات کرتے ہیں محمد ﷺ تو خود سب سے بڑے ڈکٹیٹر تھے۔ بعض تجزیہ نگاروں کے مطابق یہ منحوس شخصیت سینیٹر اجمل خٹک یا جسٹس جاوید اقبال کی ہو سکتی ہے۔

اس واقعہ کے برعکس ستمبر ۹۵ء میں انڈونیشیا کی عدالت نے وہاں کے مشہور دانشور "صوفی پرادی سٹیو یودیوہو" کو سخت ترین سزا سنائی جس نے یونیورسٹی کے ایک سیمینار میں حضور نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) "ڈکٹیٹر" قرار دیا تھا۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۱۲ ستمبر ۱۹۹۵ء)

❑ لاہور میں امریکہ سے شائع ہونے والے قرآن مجید کے نامکمل ترجمہ کی فروخت "ماورا پبلشرز مال روڈ لاہور" پر ہوتی رہی۔ قرآن مجید کے اس نسخہ میں ۱۱۴ کی بجائے ۱۱۰ سورتیں درج ہیں۔ آخری چار سورتیں اللھب' اخلاص' الفلق اور الناس حذف کر دی گئیں۔ قرآن حکیم کا یہ نسخہ نیویارک میں میسرز بیلنٹائن بکس نے اور کینیڈا ٹورنٹو رینڈم ہاؤس نے ایک ساتھ شائع کیا ہے۔ متذکرہ ایڈیشن ۴۱۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اپریل ۱۹۹۴ء سے فروخت کیا جا رہا ہے۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ۲۳ فروری ۱۹۹۵ء)

❑ اٹلی کی نامور خاتون صحافی اوریانا فلاسی کی لکھی ہوئی اطالوی زبان کی کتاب میں قرآن و سنت اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا جی بھر کر مذاق اڑایا گیا۔ کتاب کے انگریزی ترجمے کا نام "انشاء اللہ" رکھا گیا۔ کتاب "میلان اڑو بکس" نامی اشاعتی ادارے نے ۱۹۹۳ء میں شائع کی تھی۔ لیکن پاکستان میں فروخت کے لیے سٹالوں پر اگست ۱۹۹۵ء کو پہنچی۔ اور کھلے بندوں فروخت ہوتی رہی۔ کتاب میں قرآن و سنت کا مضحکہ اڑانے کی ناپاک سازش کی گئی۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۲۹ اگست ۹۵ء)

❑ کراچی میں پیراماونٹ بک کمپنی پر "پاکستان فرام ماؤنٹ شیز کوشی" نامی کتاب فروخت ہوتی

رہی جس میں مذہبی جذبات بھڑکانے کی نیت سے قرآنی آیات غلط شائع کی گئیں۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہو' ۸ اکتوبر ۹۵ء)

❑ بہاولنگر میں ایسی جرابیں فروخت ہوئیں جن پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' یکم نومبر۱۹۹۵ء)

❑ لاہور میں شاہ عالم مارکیٹ میں ایک عرصہ تک کیٹو نامی مقامی فرم کی جانب سے تیار کردہ جوتے فروخت ہوتے رہے جن کی پشت پر "اللہ" کا نام تحریر کرنے کی ناپاک جسارت کی گئی۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ٦ دسمبر۹۵ء)

❑ کپڑوں پر مقدس ناموں کے بعد اب جوتوں پر بھی اس طرح کی ناپاک جسارت کی جا رہی ہے۔ لاہور شہر میں ایسے جوتے دیکھے گئے ہیں جن پر اللہ اور محمد کے الفاظ تحریر ہیں اور فروخت ہو رہے ہیں۔

(روزنامہ "پاکستان" ۲۴ اگست ۹۵ء)

❑ ضلع قصور میں ہزاروں کی تعداد میں ایسے لفافے جگہ جگہ بکھرے پائے گئے جن پر قرآنی آیات اور ان کے ساتھ ان کا انگریزی ترجمہ تحریر ہے جس سے قرآنی آیات کی بے حرمتی ہوئی۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۱۳ اگست ۹۵ء)

❑ صاحبزادہ سعید شرقپوری ایم۔ پی اے نے صوبائی اسمبلی کے اجلاس میں ایک صفحہ کی فوٹو سٹیٹ لہراتے ہوئے کہا کہ مسٹر کے۔ علی نے اپنی کتاب "ہسٹری آف انڈوپاک" میں حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق توہین آمیز مواد شائع کیا ہے۔ اسے بھی قانون توہین رسالت ﷺ کے تحت سزا ملنی چاہیے۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۲۲ اگست ۹۵ء)

❑ پنجاب اسمبلی میں ایک رکن عارف حسین شاہ نے پانچویں جماعت کی اسلامیات کی کتاب میں غلط کلمے لکھے جانے کی نشاندہی کر کے پورے ایوان کو حیران کر دیا۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۵ ستمبر۹۷ء)

❑ عالمی شہرت یافتہ پاکستانی رقاصہ نگہت چودھری نے کہا کہ رقص میری روح ہے۔ مجھے

نماز میں اتنا روحانی سکون نہیں ملتا جتنا ڈانس سے حاصل ہوتا ہے۔

(روزنامہ "خبریں" لاہور' ۱۷ مارچ ۹۶ء)

یاد رہے کہ ۱۸ مارچ ۹۷ء کے قومی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی اور ۲۳ مارچ ۹۶ء کو وفاقی دارالحکومت کی ایک اہم شخصیت نے مداخلت کر کے صدارتی ایوارڈ کے لیے نگہت چودھری کو نامزد کر دیا۔

❑ فنون لطیفہ کے مرکز نیشنل کالج آف آرٹس' لاہور میں اسلام اور نظریہ پاکستان کا تمسخر اڑانے کی مکمل آزادی ہے۔ ماضی میں ایک طالب علم امجد مختار چوہان کے خلاف صرف اس لیے تادیبی کارروائی کی گئی کہ اس "شرپسند" نے ہاسٹل میں طلبہ کو نماز پڑھنے کی ترغیب دی تھی۔ مئی ۱۹۸۲ء کے اواخر میں اسلام پسند نوجوانوں کو چڑانے کے لیے کالج انتظامیہ کی شہ پر ایک بدطینت نوجوان قیصر حسین جیبی نے حدیث مبارکہ (عبداللہؓ بن مسعود کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ کے ہاں سخت ترین سزا پانے والے مصور ہوں گے) کا کارٹون بنا کر کالج نوٹس بورڈ پر لگا دیا' جس میں ایک آدمی کو کان پکڑے ہوئے دکھایا گیا' جس کی پیٹھ پر کتابیں اور برش' پینٹ وغیرہ دکھایا گیا اور ساتھ لکھا تھا "ٹکڑوں کڑوں--- چھڈ N.C.A (نیشنل کالج آف آرٹس) توں" جسے اتارنے پر جھگڑا ہوا تو اس وقت کے روشن خیال پرنسپل اقبال حسن نے اس واقعہ کے خلاف احتجاج کرنے پر امجد مختار چوہان اور حارث سہیل کو ایک ایک سال کے لیے کالج سے نکال دیا۔ لیکن کارٹون بنا کر حدیث مبارکہ کا تمسخر اڑانے والے شاتم رسول کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

❑ "کوئٹہ اور دیگر شہروں میں ایک چپل فروخت ہو رہی ہے' جس کے نیچے لفظ "محمدی" لکھا ہوا ہے"۔ (روزنامہ "پاکستان" لاہور' ۱۱ اگست ۹۴ء)

❑ "رفیع پیر تھیٹر اور لاہور آرٹس کونسل کے زیر اہتمام بین الاقوامی پتلی میلہ کا افتتاح وزیر اعلیٰ پنجاب غلام حیدر وائیں نے کیا۔ اس موقع پر عثمان پیر زادہ' فیضان پیرزادہ اور ثمینہ احمد نے ان کا استقبال کیا اور سویڈن' ایران' تھائی لینڈ اور فرانس کے علاوہ دیگر کئی ممالک کی جانب سے سجائے گئے پتلی سٹالز دیکھے۔ دریں اثناء وائیں کو الحمرا کلچرل کمپلیکس کے اندرونی حصے میں لے جایا گیا جہاں سویڈن پتلیوں کے ماہر مائیکل رویڈن نے "دنیا میں

باوا آدم اور اماں حوا کے بارے میں پتلی تماشا دکھایا جسے وزیر اعلیٰ پنجاب اور دیگر حاضرین نے بے حد پسند کیا۔ سویڈن کا جادوئی پتلی تماشا دیکھنے کے لیے وزیر اعلیٰ پنجاب اور چودھری پرویز الٰہی کمپلیکس میں پون گھنٹہ موجود رہے۔ واضح رہے کہ بین الاقوامی پتلی میلہ پاکستان میں پہلی مرتبہ منعقد کیا گیا ہے' جو دس روز جاری رہے گا"۔ (روزنامہ "خبریں" لاہور' ۱۱ اکتوبر ۹۲ء)

❑ "مرقع اردو" جماعت نہم دہم کے لیے لازمی اردو کی نصابی کتاب کے طور پر اس کے سلیبس میں شامل ہے۔ "مرقع اردو" کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ

"یہ کتاب مرکزی وزارت تعلیم کے مقرر کردہ نصاب اور قومی تبصرہ کمیٹی کی سفارشات کے مطابق مرتب کی گئی ہے۔ مولفین نے بھرپور کوشش کی ہے کہ کتاب میں کوئی ایسا مواد شامل نہ ہو جو اسلامی تصورات' اخلاقی اقدار اور نظریہ پاکستان کے منافی ہو"۔

مگر تضاد بیانی اور منافقت کی انتہا دیکھیے کہ اس کتاب کے ص ۱۵۱ پر ایک مضمون "من کہ ایک دھوبی" از خواجہ حسن نظامی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں صریحاً گستاخی کی گئی ہے۔ اس مضمون میں مصنف نے مدینہ طیبہ کو یثرب نگر کہا ہے اور جبکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو "چوہدری" کے نام سے پکارا ہے اور یہ تکرار جگہ جگہ دکھائی دیتی ہے۔ اس مضمون کا ایک پیرا ملاحظہ فرمائیں:

"خدا نے یثرب نگر میں' جو عرب میں ہے اور جس کو مدینہ بھی کہتے ہیں' ایک بڑے چوہدری کو پیدا کیا"۔ ("مرقع اردو" ص ۱۵٦)

خواجہ حسن نظامی کے بارے میں فخر اہلسنّت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مدظلہ' لکھتے ہیں:

"۱۹۰۵ء میں جب انہوں نے سادھوؤں اور سنتوں کا لباس پہن کر ہندو تیرتھ استھانوں کی یاترا کی تو حلقہ اسلام میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ علمائے ملت اسلامیہ نے اس تیرتھ یاترا پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اس تیرتھ یاترا کی روداد انہوں نے کتابی شکل میں ضرور مرتب کر لی مگر فتویٰ کفر کا شکار ہونے کی وجہ سے شائع نہ ہو سکی۔

خواجہ صاحب نے اپنی کتاب "محرم نامہ" "یزید نامہ" میں بھی جو گلفشانیاں کی ہیں' وہ بھی باضابطہ ایک مبسوط مقالہ کی متقاضی ہیں۔ سردست "محرم نامہ" میں انہوں نے جلیل القدر صحابی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر جو ضرب کاری لگائی ہے اور ان کے

"غیر مومنانہ" کردار کا ثبوت پیش کیا ہے' وہ قابل توجہ ہے۔ ذیل میں ان کی تصنیف "محرم نامہ" سے ایک اقتباس درج کیا جا رہا ہے۔ لکھتے ہیں:

"بغیر سوچے سمجھے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت عثمان کی شروع خلافت سے لے کر قتل عثمان' جنگ جمل' جنگ صفین اور آخر تک ہر بڑے چھوٹے "فساد کی بنیاد" میں عمرو بن العاص کا ہاتھ ضرور تھا۔ شیعوں' خارجیوں اور سنیوں نے شاید اس طرف کم توجہ کی ہوگی اور یہ عمرو بن العاص کی خوش قسمتی ہے جو مرنے کے بعد بھی بدنامی سے محفوظ رہے"۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بہرحال ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی شخصیت پر خواجہ حسن نظامی کی اس افترا پردازی سے متعلق ایک سائل نے امام احمد رضاؒ کی خدمت میں ایک استفسار ارسال کیا جس کا جواب دیتے ہوئے صحابی مذکور کے بارے میں انہوں نے اپنا موقف ان لفظوں میں واضح کیا:

"سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ کرام سے ہیں۔ ان کی شان میں گستاخی نہ کرنے کا مگر رافضی۔ جس کتاب میں ایسی باتیں ہوں اس کا پڑھنا سننا سنیوں پر حرام ہے۔ ایسے مسئلے میں کتابوں کے حوالے کی کیا حاجت۔ اہل سنت کے متون عقاید میں تصریح ہے "الصحابتہ کلھم عد ول لانذ کرھم الا بخیر" صحابہ سب کے سب اصحاب خیر و عدالت ہیں۔ ہم ان کا ذکر نہ کریں گے مگر بھلائی سے"۔

خواجہ حسن نظامی نے ہندو نوازی کا جو ثبوت مسند سجادگی پر رونق افروز ہو کر بذریعہ زبان و قلم پیش کیا ہے' اس نے بھی خواجہ صاحب کا مطعون کرنے میں موثر کردار ادا کیا ہے اور کرشن کے جو حالات اور فضائل و کمالات بیان کیے ہیں' اسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر ان کے معتقد تھے۔ چونکہ خواجہ صاحب ایک معزز ۔قاہ کے سجادہ نشیں تھے' اس لیے واضح طور پر کرشن کے لیے "نبی" یا "رسول" کا لفظ استعمال نہ کر سکے لیکن صغریٰ' کبریٰ اور حد اوسط کے ذریعہ انہوں نے وہی نتیجہ نکالا ہے' جو ان کے ذہن و دماغ میں تھا۔ ان کی کتاب "کرشن بیتی" شری کرشن سے متعلق عقاید و نظریات سے لبریز ہے۔ کرشن کی پیدائش کا نقشہ جس والہانہ انداز میں انہوں نے کھینچا ہے' اسے آپ بھی پڑھیے

اور ان کی اسلام دوستی پر ماتم کیجئے۔ لکھتے ہیں:

"سنو' استقبال کو آگے بڑھو' کرشن جی پیدا ہوتے ہیں۔ نور کی چادر تانو' اس "ستر الٰہی" کو اغیار کی آنکھ سے بچاؤ"۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۴۳ پر کنہیا کو "وحدت کا سمندر" ص ۴۴ پر "خدا کا مقبول" پھر ص ۴۴ پر کنہیا کو "اقلیم وحدت کا بادشاہ" لکھا اور ہزاروں سلام کی ڈالیاں ان پر نچھاور کیں۔ افسوس یہ ہے کہ لالہ لاجپت رائے شری کرشن کو اوتار ماننے' گیتا ان کی تصنیف تسلیم کرنے سے انکار کریں۔ بقول خواجہ حسن نظامی:

"وہ (لالہ لاجپت رائے) شری کرشن کو نہ اوتار مانتے ہیں نہ مذہبی رہنما اور غضب یہ ہے کہ وہ اس سے بھی انکار کرتے ہیں کہ گیتا شری کرشن کی تصنیف ہے"۔

اب آپ دیانت و انصاف کا خون کیے بغیر یہ فیصلہ کریں کہ کیا یہی دل لگتی بات ہے کہ لالہ لاجپت رائے ہندو مذہب کے دلدادہ ہو کر اس طرح کا عقیدہ رکھیں اور خواجہ صاحب ملت اسلامیہ کے مرکز عقیدت صاحب سجادہ ہو کر کرشن کو پیغمبر ماننے پر مصر ہوں۔ جب یہ صورت حال ہو تو اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے

ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"

(ماہنامہ "جہان نما" لاہور' جون ۹۴ء)

اس کے علاوہ خواجہ حسن نظامی نے "سجدہ تعظیمی" کو بھی جائز قرار دے دیا۔ اس پر ان کا رسالہ "مرشد کو سجدہ تعظیم" کافی متنازعہ ہے۔ ہر مکتبہ فکر کے علماء کرام نے سے نہ صرف ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا بلکہ اس کی تردید میں بھی خوب لکھا۔ سب سے زیادہ گرفت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ نے کی۔

توہین رسالتؐ کے مرتکب مصنفین نصاب میں شامل کیوں؟ کے عنوان سے منور علی ملک لکھتے ہیں:

"بہاولپور یونیورسٹی کے ایم اے انگریزی ادبیات کے نصاب میں بائرن کا نام دیکھ کر افسوس بھی ہوا' حیرت بھی...... نصاب ساز بزرگوں کی کم علمی کہئے یا لاعلمی' کہ انہوں نے

اس ملعون شاعر کی وہی نظم نصاب میں شامل فرما رکھی ہے جسے کوئی بھی مسلمان' پڑھنا تو کجا' ہاتھ لگانا بھی گوارا نہیں کر سکتا۔

فاضل نصاب نگاروں کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اس مردود شاعر نے اپنی ناپاک نظم "Don Juan" کے دوسرے Canto کے آغاز ہی میں ہمارے آقا و مولا' حضور سرور کائنات ؐ کا نام لے کر ایک نہایت غلیظ گالی دی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرتبین نصاب نے اس شاعر کی یہی نظم کیوں شامل نصاب کی۔ میرے خیال میں اس سوال کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ ان بزرگوں نے اس نظم کا دوسرا Canto پڑھا ہی نہیں' کیونکہ یہ ان کے زمانہ طالب علمی میں نصاب میں شامل نہیں تھا۔ کاش وہ کبھی اپنی ناک سے ذرا آگے' اس نظم کے دوسرے Canto میں بھی جھانک لیتے تو وہ آئندہ کبھی اس شاعر کا نام بھی سننا گوارا نہ کرتے۔

یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ ہمارے ہاں بیشتر یونیورسٹیوں میں انگریزی ادبیات کا ایک ہی نصاب سالہا سال سے رائج ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نصاب ساز بزرگوں نے اپنے زمانہ طالب علمی میں جو کچھ پڑھا تھا' وہ اس کے علاوہ کچھ پڑھنے پڑھانے کی زحمت سے بچنا چاہتے ہیں اور یوں ہمارے بیشتر سینئر اساتذہ کا علم اپنے زمانے کے ایم اے کے نصاب تک ہی محدود رہا ہے اور اسی علم کے ساتھ وہ پڑھنے پڑھانے اور نصاب سازی کا کاروبار سالہا سال سے چلا رہے ہیں۔ یہ تلخ باتیں میں ان اساتذہ سے معذرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں' جو ادب کا وسیع مطالعہ کرنا اپنے فرض منصبی کا تقاضا سمجھتے ہیں۔ ایسے محترم اساتذہ یقیناً اب بھی موجود ہیں... مگر بہت کم... اور مجھے یقین ہے کہ وہ بھی میری ان تلخ باتوں سے اتفاق کریں گے کہ انگریزی ادب کے بیشتر اساتذہ مقررہ نصاب سے آگے مطالعہ کی زحمت گوارا نہیں فرماتے۔

بائرن جیسا ایک اور ملعون مصنف بھی عرصہ دراز سے ہمارے انٹرمیڈیٹ کے نصاب میں شامل ہے۔ یہ مصنف ایچ جی ویلز ہے' جس نے اپنی کتاب "اے شارٹ ہسٹری آف دی ورلڈ" میں حضور سرور دو عالم ؐ کا ذکر نہایت گھٹیا زبان میں کیا ہے۔ اس کی ایک کہانی The Star اس وقت بھی انٹرمیڈیٹ کے نصاب میں ہے۔

ایک ایسی اسلامی ریاست میں' جہاں توہین رسالت ؐ کی سزا موت ہو' توہین رسالت ؐ

کے مرتکب مصنفین کو نصاب میں شامل کرنا دانستہ جسارت تو ہرگز نہیں ہو سکتا' نالائقی ضرور ہے' لہٰذا نصاب ساز حضرات سے یہ گزارش ہے کہ آنکھیں بند کر کے نصاب مرتب کرنے کی بجائے تھوڑا بہت ہوم ورک کر لیں۔ کم از کم اتنا ہوم ورک تو ضرور کریں کہ کوئی قابل اعتراض دریدہ دہن مصنف نصاب میں نہ آنے پائے"۔ (کالم "توجہ طلب" از منور علی ملک' روزنامہ "خبریں" لاہور' ۱۳/ جنوری ۱۹۹۵ء)

❏ مشتاق راج ایڈووکیٹ نے ۱۹۸۳ء میں Heavenly Communism (آفاقی اشتمالیت) نامی ایک کتاب لکھی جو ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ میں مفت تقسیم کی گئی۔ اس کتاب میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمسخر کیا گیا بلکہ مذاہب اور ادیان کا بھی مذاق اڑایا گیا تھا۔ دینی پیشواؤں کو "مذہبی شیطان" کہا گیا' انبیائے کرام علیہ السلام پر نہایت گھٹیا اور سوقیانہ حملے کیے گئے اور انتہا یہ کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں بھی گستاخی کی جسارت کی گئی۔

❏ ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ڈائریکٹر رشید احمد جالندھری نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ اسلام کسی مسلمان کے عیسائی ہونے پر پابندی نہیں لگاتا' مرتد کو موت کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ انہوں نے کہا کہ ایک مسلمان سفیر عیسائی ہو گیا تھا اور میں نے اسے جا کر مبارک باد دی۔ انہوں نے اپنے انٹرویو میں اسلام کا تمسخر بھی اڑایا۔

(روزنامہ "پاکستان" لاہور' سنڈے میگزین' ۱۴ مارچ ۱۹۹۹ء)

❏ ۱۹۹۷ء میں لاہور کے خوش پوش علاقہ ڈیفنس (کیو بلاک) کے ایک رہائشی یوسف کذاب نے خود کو مرد کامل اور (نعوذ باللہ) حضرت محمد ﷺ کا تسلسل قرار دیتے ہوئے کہا کہ محمد جسمانی طور پر اب تک زندہ ہیں' جن کی پہلی شکل خود آدم تھے اور موجودہ شکل "محمد یوسف علی" ہے۔ بعد ازاں اس نے خود کو اللہ اور محمد قرار دیا۔ اپنے ساتھیوں کو صحابہ کرام کا درجہ دیا۔ اس نے نماز روزے کو غیر ضروری قرار دیا اور انتہائی گھناؤنی اخلاقی حرکات کا بھی مرتکب ہوا۔

❏ ان دنوں پشاور میں ایسے جوتے فروخت ہو رہے ہیں جن کی پشت پر اللہ اور محمد کا نام درج ہے۔ (نعوذ باللہ)

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۱۵ مارچ ۱۹۹۹ء)

اس کے علاوہ لاہور کینال بینک کے پرویز مسیح، گکھڑ منڈی کے جارج مسیح، لاہور کینٹ کے نھو مسیح، گلبرگ لاہور کے باغ مسیح، کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی کے چاند برکت مسیح، حیدر آباد کے جانن چند، فیصل آباد کے نعمت احمر، لاہور کے اکرم عربی، سرگودھا کے گل مسیح، شاہدرہ لاہور کے مظہر حبیب، عارف والا کے ایوب مسیح، شاہکوٹ کے حبیب مسیح، سمندری کے انور مسیح، سانگھڑ کے سرور مسیح، راولپنڈی کی مریم بی بی زوجہ یعقوب مسیح اور برکت مسیح، ریتالہ خورد کی دو سسٹر صاحبان، لاہور کے اسلم کھوکھر، سندھ کی کیتھرین شاہین، نیلس ریحانہ مسیح اور کراچی کے اختر حمید خاں وغیرہ کی شان رسالت ﷺ میں توہین اور قرآن مجید کی بے حرمتی کے بارے میں کون ناواقف ہے؟

ڈاکٹر جان جوزف، بشپ آف فیصل آباد نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ

"میں سمجھتا ہوں کہ عملی طور پر قانون توہین رسالت ﷺ میں ترمیم ہو چکی ہے۔ اگرچہ اس کا ابھی تک کوئی نوٹیفکیشن جاری نہیں ہوا۔ ترمیم کے ثبوت ہمیں ملتے ہیں۔ صدر پاکستان نے جو وعدہ کیا تھا، وہ زبانی طور پر ملک کے تمام ڈپٹی کمشنروں کو پہنچا دیا گیا ہے۔ کیونکہ جب سکھر میں ایک چودہ سالہ عیسائی لڑکی پر توہین رسالت ﷺ کا الزام لگایا گیا تو وہاں کے ڈی سی نے پرچہ نہیں ہونے دیا۔ لاہور میں ایک مسیحی پر الزام لگا کہ اس نے مسجد میں توہین آمیز ایک خط پھینکا ہے۔ پرچہ وہاں بھی درج نہیں ہوا تھا۔ حال ہی میں کمالیہ میں ایک مسیحی لیکچرار پر گستاخی رسول ﷺ کا الزام لگایا گیا ہے۔ وہاں کا ڈی سی بھی پرچہ درج نہیں کر رہا۔۔۔۔ آپ کے سوال کے دوسرے حصے کے جواب میں کہوں گا کہ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ قانون ختم ہو جائے گا۔

(عیسائی ماہنامہ "مکاشفہ" فیصل آباد، اگست ۱۹۹۶ء)

ڈاکٹر جان جوزف بشپ فیصل آباد اپنے مضمون "295c کو روکنا منع ہے" میں مزید لکھتے ہیں:

"گستاخی رسول کے ایک ملزم منظور مسیح کے قتل پر ہم نے اتنا احتجاج کیا کہ اس کی آواز تمام دنیا میں گونج اٹھی۔ اس احتجاج اور بین الاقوامی دباؤ کی وجہ سے پاکستانی حکومت نے ہماری آواز پر دھیان دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گل مسیح، سلامت مسیح اور رحمت مسیح کو نہ صرف موت کی سزا سے آزاد کر دیا گیا، بلکہ ان کو محفوظ پناہ گاہ بھی مہیا کر دی گئی۔

(عیسائی جریدہ "کاتھولک نقیب" یکم نومبر ۹۵ء)

دوسرے الفاظ میں جان جوزف نے اعتراف کیا کہ توہین رسالت کے مجرموں رحمت مسیح' سلامت مسیح اور گل مسیح کی لاہور ہائی کورٹ سے بریت عدالتی فیصلہ نہ تھا بلکہ عیسائی اقلیت کا احتجاج اور بین الاقوامی دباؤ کا نتیجہ تھا۔ اس لیے انہیں بحفاظت رہا کر کے جرمنی پہنچایا گیا۔

اینٹی انٹرنیشنل اور ہالینڈ میں دیگر انسانی حقوق کی تنظیموں کے وفد نے ہالینڈ میں پاکستانی سفارت خانے میں پاکستان کشمیر کمیٹی سے ملاقات کی۔ کشمیر کمیٹی کے اراکین میں نواب زادہ نصراللہ خاں' ایس ایم ظفر' سردار ابراہیم اور عبدالرشید ترابی شامل تھے جبکہ بین الاقوامی حقوق انسانی کی طرف سے مہراتک ہیم سٹریوئرا اور ڈک بیرنڈسن' ریفارنڈ چرچز کونسل کی طرف سے اے۔ ایم موک اور سیس بوما اور ڈورسز انٹرنیشنل کی طرف سے آئن ہیٹن اور نتاشا کیپر نے شرکت کی۔ اس موقع پر قانون دان ایس ایم ظفر نے کہا کہ حکومت پاکستان نے پولیس سے توہین رسالت ﷺ کے مقدمات درج کرنے کا اختیار واپس لے لیا ہے۔ (روزنامہ "جنگ" لاہور' ۱۴ اپریل ۹۴ء)

قادیانی جماعت جسے کفریہ عقائد رکھنے کی بناء پر پاکستان کی منتخب قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا تھا اور ۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء کو ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعے "شعائر اسلامی" استعمال کرنے اور اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ اس جماعت کے بانی مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ وہ خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں آیا۔ اس دعویٰ کے پیش نظر قادیانی جماعت کا عقیدہ ہے کہ اب "محمد رسول اللہ" سے مراد مرزا قادیانی ہے۔ قرآن مجید مرزا قادیانی پر دوبارہ نازل ہوا۔ مرزا قادیانی کی بیوی ام المومنین' مرزا قادیانی کے دوست صحابہ کرام اور مرزا قادیانی کے گھر والے اہل بیت کا درجہ رکھتے ہیں۔

اس طرح اب جو قادیانی بھی کلمہ طیبہ پڑھتا ہے' اذان کہتا ہے' قرآن مجید پڑھتا ہے وغیرہ وغیرہ۔' وہ محمد رسول اللہ سے مراد مرزا قادیانی لیتا ہے۔ اس طرح ہر قادیانی کلمہ طیبہ کا استعمال کر کے توہین رسالت ﷺ کا مرتکب ہوتا ہے۔ جس سے مسلمانوں میں مذہبی اشتعال پھیلتا ہے۔

لاہور ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب جسٹس محمد رفیق تارڑ (موجودہ صدر پاکستان) نے قادیانیوں کے بارے میں اپنے ایک فیصلہ میں لکھا کہ:

مرزا غلام احمد قادیانی نے بذات خود "محمد رسول اللہ" ہونے کا اعلان کیا اور ان تمام لوگوں کے خلاف بے حد غلیظ زبان استعمال کی جنہوں نے اس کی جھوٹی نبوت کے دعوے کو مسترد کیا اور (مرزا غلام احمد قادیانی) نے خود اعلان کیا کہ وہ برطانوی سامراج کی پیداوار یعنی اس کا "خود کاشتہ پودا" ہے۔ لہٰذا جب وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خود "محمد رسول اللہ" ہے اور اس کے پیروکار اس کو ایسا ہی مانتے ہیں تو اس صورت میں وہ رسول اکرم حضرت محمد ﷺ کی شدید توہین اور تحقیر کے مرتکب ہوتے ہیں۔ (دیکھئے 458 (PLD 1987' Lahore,

لاہور ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب جسٹس خلیل الرحمٰن خان نے قادیانیوں کے صد سالہ جشن منانے پر پابندی عائد کرتے ہوئے اپنے فیصلہ میں لکھا:

"مرزا صاحب کے مخصوص دعویٰ کے پیش نظر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ احمدی مرزا صاحب کو حضرت محمد ﷺ کا بدل مانتے ہیں۔ اس لیے جھنڈوں پر لکھے ہوئے اور بیجوں پر تحریر شدہ الفاظ "محمد رسول اللہ" کا استعمال ہر احمدی کی ذمہ داری ہے کیونکہ ایسا کرنا رسول اکرم ﷺ کے مقدس نام کی بے حرمتی کے مترادف ہے۔ بلاشبہ ایسا فعل دفعہ 295- سی ت پ (جس کی سزا' سزائے موت ہے) کے دائرہ میں آتا ہے...... عام لوگ یعنی امت مسلمہ احمدیوں کی سرگرمیوں اور ان کے مذہب کی تبلیغ کی مزاحمت و مخالفت کرتی ہے تاکہ ان کے مذہب کا اصل دھارا پاک صاف اور غلاظت سے محفوظ رہے اور امت کی یکجہتی بھی برقرار رہے۔ ایسا کرنے سے قادیانیوں کے' ان کے مذہب کی پیروی اور اس پر عمل کرنے کے حق پر نہ کوئی زد پڑتی ہے اور نہ اس کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ (دیکھئے PLD 1992' Lahore)

۱۹۹۳ء میں قادیانیوں نے سپریم کورٹ میں امتناع قادیانیت آرڈیننس کو چیلنج کیا۔ سپریم کورٹ کے فل بینچ نے اپنے متفقہ فیصلہ میں لکھا کہ:

"اگر کسی احمدی کو انتظامیہ کی طرف سے یا قانوناً شعائر اسلام کا اعلانیہ اظہار کرنے یا انہیں پڑھنے کی اجازت دے دی جائے تو یہ اقدام اس کی شکل میں ایک اور "رشدی"

تخلیق کرنے کے مترادف ہوگا۔ کیا اس صورت میں انتظامیہ اس کی جان' مال اور آزادی کے تحفظ کی ضمانت دے سکتی ہے اور اگر دے سکتی ہے تو کس قیمت پر؟ مزید برآں اگر گلیوں یا جائے عام پر جلوس نکالنے یا جلسہ کرنے کی اجازت دے دی جائے تو یہ خانہ جنگی کی اجازت دینے کے برابر ہے۔ یہ محض قیاس آرائی نہیں' حقیقتاً ماضی میں بارہا ایسا ہوچکا ہے اور بھاری جانی و مالی نقصان کے بعد اس پر قابو پایا گیا۔ (تفصیلات کے لیے منیر رپورٹ دیکھی جاسکتی ہے) رد عمل یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی احمدی یا قادیانی سرعام کسی پلے کارڈ' بیج یا پوسٹر پر کلمہ کی نمائش کرتا ہے یا دیوار پر یا نمائشی دروازوں پر یا جھنڈیوں پر لکھتا ہے یا دوسرے شعائر اسلامی کا استعمال کرتا یا انہیں پڑھتا ہے تو یہ اعلانیہ رسول اکرم ﷺ کے نام نامی کی بے حرمتی اور دوسرے انبیاء کرام کے اسمائے گرامی کی توہین کے ساتھ مرزا صاحب کا مرتبہ اونچا کرنے کے مترادف ہے۔ جس سے مسلمانوں کا مشتعل ہونا اور طیش میں آنا ایک فطری بات ہے۔ اور یہ چیز امن عامہ کو خراب کرنے کا موجب بن سکتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں جان و مال کا نقصان ہو سکتا ہے۔

ہم یہ نہیں سمجھتے کہ احمدیوں کو اپنی شخصیات' مقامات اور معمولات کے لیے نئے خطاب' القاب یا نام وضع کرنے میں کس قدر دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آخرکار ہندوؤں' عیسائیوں' سکھوں اور دیگر برادریوں نے بھی تو اپنے بزرگوں کے لیے القاب و خطاب بنا رکھے ہیں۔●

(دیکھیے S.C.M.R August 1993)

آئین' قانون اور ملک کی اعلیٰ ترین عدالتوں کے جامع فیصلوں کے باوجود قادیانی جماعت سرعام اپنے عقائد کی بھرپور تبلیغ کرتی ہے۔ اسلام دشمنی پر مبنی تحریروں سے بھرپور ان کے جرائد ورسائل پوری آزادی کے ساتھ شائع ہوتے ہیں مگر ہماری حکومت امریکہ کے خوف سے ان کی قانون شکنی کا کوئی نوٹس نہیں لیتی۔ حکومت جب بھی قادیانیوں کو ان کی خلاف اسلام سرگرمیوں سے روکتی ہے تو امریکہ بہادر ان کی حمایت کے لیے میدان میں آجاتا ہے۔ ۱۹۸۷ء میں امریکی سینٹ کی کمیٹی برائے خارجہ تعلقات نے پاکستان کی اقتصادی امداد بحال کرنے کے لیے ایسی شرط عائد کی جسے پڑھ کر ہر محب وطن پاکستانی حیرت زدہ ہوگیا۔ امریکہ نے قرار دیا کہ "پاکستان کی امداد کے لیے ضروری ہوگا کہ امریکی صدر ہر سال

ایک سرٹیفکیٹ جاری کرے گا جس میں درج ہوگا کہ حکومت پاکستان نے قادیانیوں پر عائد مذہبی پابندیاں ختم کر دی ہیں اور پاکستان نے حقوق انسانی کی خلاف ورزیوں کے الزام میں نمایاں ترقی کی ہے" یاد رہے کہ امریکہ اور اس کے دوسرے حواری ممالک اسلام اور اس کی مقدس شخصیات کی توہین کو "بنیادی انسانی حقوق" کے زمرے میں لیتے ہیں۔ ملعون سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین وغیرہ کی اسلام دشمن تحریروں کے نتیجہ میں جب مسلمانان عالم نے احتجاج کیا تو اسے "انسانی حقوق" اور "آزادی تحریر و تقریر" کے منافی قرار دیا گیا اور مسلمانوں پر "بنیاد پرست" کی پھبتی کسی گئی۔

O - مئی ۱۹۹۳ء میں گوجرانوالہ کے ایک نواحی گاؤں (رتہ دوہتڑ) میں رحمت مسیح، منظور مسیح اور سلامت مسیح نے جامع مسجد کی لیٹرینوں میں ایسی پرچیاں پھینکیں جن پر حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخانہ جملے لکھے ہوئے تھے۔ اس سے پہلے مسجد کی لیٹرین کی اندرونی دیوار اور مقامی سکول کی بیرونی دیوار پر بھی حضور نبی کریم ﷺ کے خلاف توہین آمیز کلمات لکھے پائے گئے۔ ملزمان موقع پر گرفتار ہوئے اور ان کے خلاف مقدمہ درج ہوگیا۔ توہین رسالت ﷺ کے مجرموں کو موت کی سزا ملنے پر سیشن کورٹ کے فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے کہا تھا کہ توہین رسالت کے مجرموں کو سزا دینے کے فیصلہ پر وہ ذاتی طور پر ناخوش ہیں۔ اور عدالت کے فیصلہ پر انہیں حیرت بھی ہوئی ہے اور دکھ بھی۔ انہوں نے کہا کہ وہ توہین رسالت ﷺ کے قانون میں ترمیم کرنا چاہتی ہیں۔ (روزنامہ "نوائے وقت" لاہور، روزنامہ "جنگ" لاہور، ۱۴ فروری ۹۵ء)

بے نظیر بھٹو کے دور میں فروری ۹۴ء کو امریکہ کی براہ راست مداخلت پر لاہور ہائی کورٹ نے انتہائی سرعت کے ساتھ کیس کی سماعت کر کے ملزمان کو چھوڑ دیا۔ عدالت نے توہین رسالت کے ملزمان کو بری کرتے ہوئے اپنے فیصلہ میں حکم دیا کہ

> "اس کیس کی از سرنو تفتیش کر کے اصل مجرم تلاش کیے جائیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ حکومت اس طرف فوری توجہ دے گی اور اس سلسلہ میں ضروری اقدامات کرے گی"۔

لیکن آج تک

نہ تو اس کیس کی از سر نو تفتیش ہوئی

نہ ہی اصل مجرم تلاش کیے گئے

نہ ہی خفیہ ہاتھوں کو بے نقاب کیا گیا اور نہ ہی حکومت نے اس طرف توجہ دی۔

بلکہ مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہوئے ملزمان کو وی آئی پی کا درجہ دے کر پورے پروٹوکول کے ساتھ بیرون ممالک روانہ کر دیا جس سے تمام گستاخان رسول کی نہ صرف حوصلہ افزائی ہوئی بلکہ انہیں اس ناپاک کام کی شہ بھی ملی۔ یہی وجہ ہے کہ لاہور میں امریکہ کے کونسل جنرل ڈاکٹر اینڈریووی کوری نے کہا تھا کہ "ایک پاکستانی کی قیمت ایک وہسکی کی بوتل سے امریکہ کی مفت سیر کے درمیان ہے"۔

لاہور ہائی کورٹ میں اس کیس کی سماعت ایڈہاک بنیادوں پر بھرتی کیے گئے جسٹس عارف اقبال بھٹی اور جسٹس خورشید احمد نے کی۔ ان دونوں ججوں کا تعلق پیپلز پارٹی سے تھا اور وہ اس کے سابقہ سرگرم راہنما رہ چکے تھے۔ جسٹس عارف اقبال بھٹی نے تو باقاعدہ پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر وزیراعظم میاں نواز شریف کے خلاف قومی اسمبلی کا الیکشن بھی لڑا تھا اور وہ پیپلز ورکس پروگرام کے انچارج بھی رہے۔ دینی حلقوں کی طرف سے بڑی شدت کے ساتھ یہ مطالبہ کیا گیا کہ مذکورہ دونوں ججوں کو اس کیس کی سماعت سے روک دیا جائے اور اس بین الاقوامی شہرت یافتہ کیس کی سماعت کے لیے غیر جانبدار' اچھی شہرت کے مالک سینئر ججوں پر مشتمل فل بنچ تشکیل دیا جائے مگر حکومت نے نہ صرف یہ مطالبہ مسترد کر دیا بلکہ ملزمان کی پوری طرح مدد کی۔

وزیراعظم بے نظیر بھٹو چند دنوں تک امریکہ کے دورہ پر جا رہی تھیں اور وہ چاہتی تھیں کہ ملزمان کو ہر صورت میں بری کیا جائے۔ اس لیے انہوں نے چیف جسٹس کی ملی بھگت اور "چمک" سے یہ کیس اپنے خاص ججوں کے پاس لگوایا تاکہ وہ ان سے اپنی مرضی کا فیصلہ حاصل کر سکیں۔

قدرت کا انتقام دیکھیے کہ جب بے نظیر بھٹو اور ان کے شوہر پر کرپشن اور سرکاری خزانہ کی لوٹ مار کے مقدمات قائم ہوئے تو انہیں "خدا" یاد آیا۔ لاہور ہائی کورٹ کے احتساب بنچ میں اپنے خلاف کرپشن کے ریفرنس کی سماعت کے موقع پر اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو نے کہا کہ "جو جج حکومت کے ساتھ کسی نہ کسی طور پر

وابستہ رہے ہیں' ان کے روبرو ہمارے مقدمات نہیں لگائے جانے چاہئیں۔ (روزنامہ "دن" لاہور' ۳ جون ۱۹۹۸ء)

اسی طرح پاکستان پیپلزپارٹی کے راہنماؤں نے کہا کہ اپوزیشن لیڈر بے نظیر بھٹو اور ان کے شوہر آصف زرداری کے خلاف مقدمات کی سماعت جانبدار ججوں سے کرائی جا رہی ہے۔ انہوں نے چیف جسٹس اجمل میاں سے اپیل کی کہ ان کیسوں کو غیر جانبدار ججوں کو دیا جائے۔ (روزنامہ "دن" لاہور ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۸ء)

ایک اور موقع پر انہوں نے عدلیہ پر عدم اعتماد کرتے ہوئے کہا کہ:

"انصاف ہوتا ہی نہیں' ہوتا نظر بھی آنا چاہیے۔ جس جج کے پاس بھی میرا کیس جاتا ہے' وہ حکومت کا حامی نظر آتا ہے"۔ (روزنامہ "دن" لاہور' ۲۳ جون ۹۸ء)

امریکہ اور اس کے حواریوں کے زبردست دباؤ کا یہ نتیجہ نکلا کہ جسٹس اینڈ پیس کمیشن کے زیر اہتمام "پاکستانی اقلیتیں' حقوق کی جدوجہد" کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے بشپ جان جوزف نے انکشاف کرتے ہوئے کہا تھا کہ صدر پاکستان فاروق لغاری نے مسیحیوں کے ایک وفد سے گفتگو کے دوران توہین رسالت ﷺ کے قانون میں تبدیلی کا وعدہ کیا تھا" (روزنامہ "نوائے وقت" لاہو' ۲۸ جولائی ۱۹۹۷ء)

قانون توہین رسالت ﷺ کے بارے میں عیسائیوں کے خبث باطن کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ جب مسیحی ایم این اے فادر روفن جولیس نے ایک پرائیویٹ بل کے ذریعے قومی اسمبلی سے گستاخ مسیح کا قانون پاس کرانے کی کوشش کی تو بشپ آف لاہور الیگزینڈر جان ملک کی قیادت میں تمام عیسائی راہنماؤں نے اس کی شدید مذمت کی اور مخالفت کی۔ یوں یہ بل پاس نہ ہو سکا۔ (عیسائی ماہنامہ "کاریتاس" لاہور' ص ۱۸' مئی جون ۱۹۹۸ء)

اور اس طرح ان کی مزید بغاوت ملاحظہ فرمائیں:

نئی دہلی کے روزنامہ "ہندوستان ٹائمز" نے اپنی ۲۰ فروری کی اشاعت میں لندن سے وجے دت کی ایک رپورٹ شائع کی ہے کہ غیض و غضب سے بھرپور ایک اجلاس میں برطانیہ میں پاکستان کرسچین لیگ کے صدر ڈاکٹر نسیم ڈین نے مطالبہ کیا کہ اگر حکومت پاکستان قانون توہین رسالت ختم نہیں کر سکتی تو عیسائیوں کے لیے پاکستان میں علیحدہ ریاست

بنا کر انہیں خود مختاری دے دی جائے۔ (روزنامہ "خبریں" لاہور' ۲ مارچ ۹۵ء)

ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنے ایک انٹرویو میں اعتراف کیا ہے کہ امریکہ میں پاکستانی عیسائی اور قادیانی پاکستان کے مفادات کے خلاف مسلسل سرگرم عمل ہیں۔ انہوں نے کیپٹل ہل میں پاکستان کا امیج بری طرح متاثر کیا۔ انہوں نے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں بھی جا کر بیانات دیے۔

امریکہ کے صدر بل کلنٹن نے حال ہی میں ایک ایسے ترمیمی بل پر دستخط کیے ہیں جس سے ملنے والے اختیارات کے تحت صدر کلنٹن انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کسی بھی ملک کے خلاف اقتصادی پابندیاں عائد کر سکیں گے۔ تفصیلات کے مطابق اس سے ۷۷ ممالک میں آزادیوں کی نگرانی اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ۹ ارکان پر مشتمل ایک کمیشن بنایا جائے گا جبکہ ایک ایسے سفیر کا بھی تقرر عمل میں لایا جائے گا جو ان ممالک میں صورت حال کا جائزہ لے گا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس مسودہ قانون میں انڈیا کا نام نہیں جو کشمیریوں پر بدترین مظالم ڈھا رہا ہے۔ بوسنیا اور کسووو میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا' اس کا بھی ذکر نہیں۔ اس سے اندازہ کرلیں کہ خود کو سیکولر کہنے والے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق کتنے تنگ نظر ہیں۔

کرسچین نیشنل کونسل کے چیئرمین اور معروف مسیحی راہنما سیلاس گاڈون نے انکشاف کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

"295c کو کالا قانون اور لٹکتی تلوار کا نام دے کر مخصوص گروہ در پردہ عزائم کی خاطر عالمی سطح پر پاکستان کے وقار کو مجروح کر رہا ہے۔ پنجاب کے علاوہ دیگر تین صوبوں میں اس دفعہ کے تحت کوئی مقدمہ درج نہیں ہوا۔ اکثر مقدمات صرف فیصل آباد کا تھولک ڈایوسس میں درج ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ مخصوص گروہ چند ڈالروں کی خاطر اپنے وطن کو عالمی سطح پر بدنام کر رہا ہے۔ اور آج تک کسی غیر مسیحی کے خلاف مقدمہ درج نہیں ہوا۔ یہ گروہ یہ بات ثابت کر کے باہر سے سرمایہ منگواتا ہے۔ مقدمے کے اندراج اور نچلی سطح پر خاموشی کے بعد مقدمہ ہائی کورٹ تک لے جایا جاتا ہے اور پھر مائنارٹی کانفرنس' جلسے' جلوس' بیان بازی اور پوسٹرز کے ذریعے عالمی سطح پر پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔

پھر گرانٹ لے کر مقدمے میں ملوث شخص کے اہل خانہ کو کچھ نہیں دیا جاتا۔ پچھلے دنوں ۱۵ لاکھ ڈالر حاصل کیے گئے۔ یہ منظم گروہ ویڈیو فلمیں بھی بھیجتا ہے اور غیر ملکی مشنری اداروں اور این جی اوز سے بھاری رقوم منگواتا ہے اور اس گروہ نے مسلم مسیحی امن کونسل بھی بنا رکھی ہے۔ مگر عملاً مسلم علمائے دین کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کی جاتی ہیں۔ اگر اعلیٰ سطح پر تحقیقات کرائی جائیں تو سنسنی خیز انکشافات سامنے آ سکتے ہیں۔ (مسیحی ماہنامہ "نئی دنیا" لاہور' اگست ستمبر ۱۹۹۸ء' جلد ۱۰' شمارہ ۷-۶)

ذاتیات پر حرف آنے یا ذاتی انا کا استحقاق مجروح ہونے پر ہمارے سیاسی و مذہبی راہنماؤں کا کردار بھی قابل توجہ ہے۔ دوسروں کو صبر' برداشت اور رواداری کا درس دینے والے اراکین اسمبلی اپنی ذات پر تنقید برداشت نہیں کرتے اور ایک دوسرے کے لیے لوٹا' جھولی چک' چور' ڈاکو' غنڈہ' ضمیر فروش' زہریلا سانپ' غدار' میراثی' لعنت' لعنتی' دفع' گندا انڈہ' گوبھی کا پھول' جھرلو وزارت' ڑخالوجی' بندر بانٹ' اداکاری' ایکٹنگ' قوم فروش' قاتل' بے ایمان' بے حیا' بدمعاش' لچا' لفنگا وغیرہ ایسے غیر پارلیمانی الفاظ استعمال کرنا ان کا روزمرہ کا معمول ہے۔

میں اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا مگر اپنے ضمیر کی خلش اور ریکارڈ درست رکھنے کی خاطر ایسا کرنا پڑ رہا ہے۔ طوالت کے خوف سے صرف چند ایک مثالیں پیش خدمت ہیں:

❑ بلوچستان کی معروف سیاسی شخصیت نواب اکبر بگٹی نے روزنامہ جنگ کو دیے گئے ایک انٹرویو میں محترمہ بے نظیر بھٹو کے حوالہ سے گفتگو کرتے ہوئے انہیں "وچیری" (بیچاری) کہا جبکہ کمپیوٹر کی غلطی سے اخبار میں "وچیری" کی بجائے "بچھیری" (نوجوان گائے) شائع ہو گیا جس پر محترمہ اور ان کے جیالوں نے ایک طوفان برپا کر دیا۔ پیپلز پارٹی کے کارکنان نے روزنامہ جنگ کراچی کے دفتر پر مکمل قبضہ کر لیا اور انتظامیہ کو اخبار شائع کرنے سے روک دیا گیا۔ اخبار کے مالک جناب میر خلیل الرحمٰن نے تمام مطالبات منظور کرتے ہوئے نہ صرف ذاتی طور پر ان سے معذرت کی بلکہ متعلقہ افراد کو ادارے سے نکال دیا گیا اور اگلے دن اخبار کے تمام ایڈیشنوں میں معذرت بھی شائع ہوئی۔

❑ عرصہ ہوا پاکستانی عوامی تحریک کے چیئرمین جناب قبلہ طاہر القادری کے مرشد جناب

علاء الدین قادری کے صاحبزادوں کا ایک مخالف فریق سے جھگڑا ہوگیا تو وہ اس پر سیخ پا ہوگئے۔ انہوں نے ملزمان کی گرفتاری کے لیے لاہور میں ایک بڑا کفن پوش جلوس نکالا جس میں انہوں نے اس توہین کو اسلام کی توہین قرار دیتے ہوئے عوام الناس کو بے حد مشتعل کیا۔ جس سے حکومت نے گھبرا کر ان کے تمام مطالبات منظور کر لیے۔

❑ جماعت اسلامی کے امیر جناب قاضی حسین احمد صاحب لنڈی کوتل (سرحد) میں جلسہ عام سے خطاب کرنے کے لیے گئے تو وہاں امن و امان کے پیش نظر انہیں تھوڑی دیر کے لیے حراست میں لے لیا گیا۔ اس واقعہ پر لاہور میں اسلامی جمعیت طلبہ کے ارکان نے نہ صرف مال روڈ پر پر تشدد احتجاج کیا بلکہ پولیس چوکی کو آگ لگا دی گئی' گاڑیوں کو نقصان پہنچایا گیا' تمام کاروباری دکانیں بند ہوگئیں' اور ٹریفک درہم برہم ہو کر رہ گئی۔

❑ گزشتہ انتخابات (۱۹۹۷ء) کے موقع پر جمعیت العلمائے اسلام کے قائد مولانا فضل الرحمٰن کے مدمقابل معروف اداکارہ مسرت شاہین تھیں۔ مسرت شاہین کے بے باک اور تابڑ توڑ بیانات سے مولانا بہت پریشان ہوئے۔ ان کی جماعت کے رضاکاروں نے نہ صرف مسرت شاہین کی رہائش گاہ پر فائرنگ کی بلکہ اخبارات کے دفاتر میں بھی جا کر توڑ پھوڑ کی اور دھمکیاں دیں۔

شان رسالتؐ میں توہین کے بے شمار واقعات پر حکومتوں کی عدم توجہ اور منافقانہ پالیسی اپنی جگہ' سیکولر اور بے دین سیاسی لیڈروں کی اسلام دشمنی اور امریکی ٹاؤٹی قابل یقین اور قابل فہم مگر نبی کریمؐ کی عزت و ناموس کے نام پر اندرون اور بیرون ممالک سے کروڑوں روپے اکٹھے کرنے اور ان واقعات سے مبینہ چشم پوشی کرنے والے علماء سو کا کردار قابل تشویش ہی نہیں' بلکہ قابل نفرین بھی ہے۔

دنیا میں جھوٹ' فراڈ' دھوکہ دہی اور خیانت کے بہت سارے میدان ہیں جہاں اپنی صلاحیتوں کو پوری ڈھٹائی سے آزمایا جا سکتا ہے مگر اس کے لیے دین کے میدان کا ہی انتخاب کیوں؟ اور سب سے بڑھ کر یہ ظلم کہ حضور سرور کائنات ﷺ کے نام پر فراڈ اور دھوکہ کیا جائے۔ اس سے بڑھ کر بدقسمتی اور زوال اور کیا ہو سکتا ہے؟ کیا یہ حقیقت کسی قیامت سے کم ہے کہ وہ عالم پناہ ذات گرامی ﷺ جس کی عزت سے سب کی عزتیں محفوظ ہیں---- آج پاکستان میں ان کی عزت و ناموس لاوارث ہے اور اس پر مستزاد

یہ کہ ہم اتنے ڈھیٹ ہیں کہ پھر بھی خود کو ان کی شفاعت کے حقدار سمجھتے ہیں۔ کیا یہ احمقوں کی جنت میں رہنے والی بات نہیں؟ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایسی حرکات سے اللہ اور اس کے رسول ؐ کو دھوکہ دے دیں گے---- وہ سخت خسارے میں ہیں---- دینی راہنماؤں کے اندھے عقیدت مندوں کو اس طرف بھی توجہ کرنی چاہیے اور ایسے نام نہاد عاشقان رسول ؐ کا محاسبہ کرنا چاہیے۔

یہ تلخ حقیقت بھی کئی لوگوں کے لیے کرب کا باعث بنے گی کہ جب قانون توہین رسالت ؐ کا بل قومی اسمبلی میں پیش ہوا تو وفاقی وزیر قانون و انصاف اقبال احمد خاں (جو خیر سے اب بارلیش ہیں) سمیت کئی اسلامی ذہن رکھنے والے اراکین اسمبلی نے امریکی سفیر کے دباؤ پر اس کی مخالفت کی۔

ہمارے بیشتر مذہبی راہنما' پیران کرام اور مشائخ عظام یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں اکثر حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ ان سب سے بصد احترام پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا حضور نبی کریم ؐ نے آپ سے اپنی شان میں توہین کے واقعات پر کبھی دریافت نہیں فرمایا؟ ان واقعات پر آپ کی کوتاہی' بے حسی' بے توجہی' چشم پوشی اور عدم دلچسپی پر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کبھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا----- حضرت پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی کے تذکرہ میں آتا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ زندگی کی باقی تمام بہاریں گنبد خضریٰ کی ٹھنڈی چھاؤں تلے گزاریں گے۔ اس سلسلہ میں وہ قصد کر کے ہمیشہ کے لیے گولڑہ شریف سے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ پیر صاحب خود لکھتے ہیں کہ ایک رات حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے مجھے (ناراضگی کے عالم میں) حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ "ہندوستان میں مرزا قادیانی (جھوٹا مدعی نبوت ؐ گستاخ رسول) غلط تاویل کی قینچی سے میری احادیث کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے اور تو خاموش ہے اور یہاں چلا آیا ہے---- واپس جاؤ اور اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے کام کرو" پیر صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں فوراً وطن واپس چلا آیا اور یہاں آ کر تحفظ ختم نبوت اور مرزائیت کی سرکوبی کے لیے دن رات کام کیا---- کیا ہمارے علماء اور مشائخ روحانی اور مذہبی طور پر حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہؒ سے زیادہ مقام رکھتے ہیں؟

نام نہاد علماء و مشائخ کا حضور نبی کریم ؐ کی عزت و ناموس کے ساتھ یہ رویہ دیکھ کر ہی

ہمارے ملک کے جید دانشور جناب عطاء الحق قاسمی نے اپنے ایک مضمون میں کہا تھا کہ "علماء کرام کو اسلام کی طرف راغب کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہمارے یہ علماء "اسلام" قبول کرلیں تو مجھے یقین ہے کہ پاکستان میں اسلامی تحریکوں کا راستہ کوئی نہیں روک سکے گا کہ اسلامی تحریکوں کے راستہ کی رکاوٹ عام مسلمان نہیں بلکہ اسلام کا نام لینے والے یہ نام نہاد علماء اس راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں"۔

ہائے آغا شورش کاشمیری "کس وقت یاد آئے۔ انہوں نے کیا خوب کہا تھا کہ "کاش مجھے اختیار ہوتا کہ میں بڑے بڑے عماموں کے پیچ کھولتا اور ان کی دستار فضیلت کے پھریرے بنا کر بالاخانوں پر لہراتا"۔

ہمارے حکمران اپنا اقتدار بچانے کی خاطر امریکی مفادات کو پورا کرتے کرتے اتنا آگے چلے جاتے ہیں کہ انہیں پھر واپسی کا راستہ بھی بھول جاتا ہے۔ ملک و قوم کے مفادات اور تحفظات تو رہے ایک طرف' وہ خود اس قدر احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنی عزت نفس اور خودداری کا بھی احساس نہیں رہتا۔

بقول شخصے "آج بھی اگر کوئی ایک غریب ترین مسلمان سے کہے کہ ایک کار' ایک بنگلہ' ایک فیکٹری اور معقول تعداد میں انسانوں پر حکمرانی لے لو' مگر اسلام سے منحرف ہو جاؤ تو شاید وہ ایسا نہ کر سکے۔ لوگ اسلام سے نہیں' ان لوگوں سے نالاں ہیں جو اسلام کا نظام لانے کا وعدہ کر کے مکر گئے ہیں۔ آج بھی اگر کوئی انہیں اسلامی ضابطہ حیات عملاً دے سکے تو وہ ان کا سیاسی راہنما ہی نہیں مجدد الف ثانی اور داتا گنج بخش بھی بن جائے گا۔ مگر اس بدنصیب معاشرہ کے ساتھ یہ سلوک کوئی نہیں کرے گا۔ ان کی اصل بھوک کوئی نہیں مٹائے گا۔ محمدؐ کے نام لیواؤں اور اس کے ضابطہ حیات کے لیے ترسے ہوؤں کو روٹی' کپڑا اور مکان کے وعدہ فردا پر ٹال دیا جائے گا"۔

ہنری کسنجر نے کہا تھا کہ "امریکہ سے دشمنی مول لینا خطرناک ہو سکتا ہے لیکن امریکہ سے دوستی اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے"۔ کاش یہ حقیقت ہمارے حکمرانوں کے پیش نظر رہتی! ۔

میرے وطن کی خزاں مطمئن رہے کہ یہاں
خدا کے فضل سے اندیشہ بہار نہیں

توہین رسالتؐ کا قانون

سماجی' سیاسی اور تاریخی مطالعہ

جسٹس ڈاکٹر محمود احمد غازی

گزشتہ دو صدیوں سے دنیا میں مغرب کی ہمہ جہت بالادستی رہی ہے' جس نے اسلام کے بارے میں متعدد غلط فہمیوں کو پھیلانا اپنا ہدف قرار دیا ہے۔

نظریاتی اعتبار سے یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ زندگی کائنات اور اس کائنات میں انسان کے اپنے مقام کے بارے میں اسلام اپنے پیروکاروں کے رویہ کا تعین کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں میں یہ ایک عمومی احساس بھی موجود ہے' کہ ہمارے مغربی دوست اور ان کے مغرب زدہ مقلدین بہت سے اہم مسائل و معاملات کے متعلق ان کے نقطہ نظر کی مناسب تفہیم سے قاصر ہیں۔ اگر دنیا کے بارے میں کسی قوم کا نقطہ نظر' اس قوم کے تخیلات اور آراء کے تعین میں کوئی کردار ادا کرتا ہے' تو اس کے نقطہ نظر میں تغیر ناگزیر ہوگا اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک ایسا معاشرہ جس میں اخلاقی اقدار اور خاندانی زندگی کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہو' وہ اس معاشرے سے یقیناً مختلف ہوگا جس معاشرہ میں صرف معاشی اور ذاتی مفادات کو ہی لائق ترجیح تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر ایک مسلم معاشرے میں میاں بیوی کے درمیان خانگی تعلق' مغربی معاشرے میں میاں بیوی کی معاشرت سے بالکل مختلف ہوگا۔

اسلام میں معاشرہ اور ریاست بذات خود کوئی مقصد نہیں بلکہ بعض مقاصد و

اہداف کے حصول کا ایک ذریعہ ہیں۔ قرآن حکیم کی رُو سے تو اصل مقصد انسانی شخصیت کی اس طرح تعمیر ہے کہ وہ (انسان) اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق عدل و انصاف پر مبنی اور بلند اخلاق کی حامل دنیا کی تعمیر میں معاون و مددگار ثابت ہو۔(1) چنانچہ انسان کو اس بات کا بے حد احساس ہونا چاہئے کہ اسے بالآخر اپنے تمام اعمال کا حساب دینا ہے۔(2) یہ حساب کتاب کلی' ناگزیر اور اٹل ہو گا اور کوئی فرد اس سے بچ نکلنے کی توقع بھی نہیں کر سکتا۔ اس ناگزیر محاسبے سے ہر انسان کو بہر حال گزرنا ہو گا' جس کے بغیر حقیقی انصاف ہو ہی نہیں سکتا۔

اسلام کے ابدی اصولوں پر استوار معاشرے کو اس آخری امتحان میں کامیابی کے لئے کوشش کرنا ہی ہو گی' کیونکہ اگر "یوم حساب" کا تصور کمزور پڑ جائے' اس کا شعور مدھم ہو جائے تو مرد اور عورت کی مادی اور صنفی خواہشات اور ان کی باہمی رغبت کھل کھیلنے لگیں گی۔ چنانچہ اس اعتبار سے کوئی اسلامی ریاست اپنے شہریوں کے اخلاقی رویوں سے لا تعلق نہیں رہ سکتی۔ اسے بہر حال اپنے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے نہایت سرگرم نظریاتی کردار ادا کرنا ہو گا۔ صرف اسلامی ریاست ہی نہیں' بلکہ کوئی بھی مہذب سیاسی نظم اپنی اس بنیاد سے صرف نظر نہیں کر سکتا کہ جس پر وہ استوار ہو۔ ماضی قریب میں ہم نے جدید دنیا کی نہایت طاقتور نظریاتی ریاستوں میں سے ایک سلطنت کو اپنے قومی پروگراموں اور بین الاقوامی پالیسیوں کی تشکیل و ترتیب میں نہایت سرگرم نظریاتی کردار ادا کرتے دیکھا ہے۔ "جدید" مغربی ریاستیں برسر اقتدار سپر طاقت کے مقاصد کو آگے بڑھاتے ہوئے بھی اپنی بقاء کی فلسفیانہ بنیادوں سے لا تعلق نہیں رہتیں۔ چنانچہ سیاسی جماعتوں کا وجود اور بالغ حق رائے دہی' آزاد معیشت اور آزاد روی کا حامل معاشرتی ڈھانچہ وغیرہ مغربی نظام حیات کے بنیادی پتھر ہیں۔ اپنے ان نظریات و تخیلات سے مغرب اس طرح وابستہ ہے کہ بسا اوقات ان کا رویہ تیسری دنیا کی اقوام کے لئے سیاسی اور شعوری اعتبار سے گلا گھونٹنے کے مترادف دکھائی دیتا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جدید مغرب اور مشرق میں ان کے حاشیہ بردار' مسلمانوں

---

(1) قرآنِ عظیم بنیادی طور پر انسان کی تعمیر سیرت اور تعمیر شخصیت سے بحث کرتا ہے کہ جس سے فرد ایک متوازن شخصیت کا حامل بن سکے۔ دیکھئے سورہ الشمس : ۷ : ۱۰' سورہ الملک : ۱ : ۲

(2) ایمان اور اعتقاد کے اخروی زندگی میں نتائج پر بحث کے لئے دیکھئے : سیرت النبی از سید سلیمان ندوی' ج ۴' ص ۶۴۲ ۔ ۸۸۱ (راولپنڈی : سرو سز بک کلب' ۱۹۸۷ء)

کو اتنی آزادی دینے کو بھی تیار نہیں کہ وہ (بعض) مغربی اقدار سے صرف نظر ہی کر سکیں۔ حتیٰ کہ مغرب کو مسلمانوں کا وہ جمہوری نظام بھی قابلِ قبول نہیں ہوتا جس میں مغرب کی معاشرتی اقدار' اقتصادی توجیہات اور سیاسی مفادات کا تحفظ و فروغ کار فرمانہ ہو۔ الجزائر میں جو کچھ ہوا' مسلمان اسے مغرب کی طرف سے الجزائری عوام کے حق خود ارادیت سے انکار تصور کرتے ہیں۔ فرانس میں نامور مسلم اہل علم کی دو درجن تصانیف پر پابندی دراصل مغربی تعصب کا ہی ایک نمونہ ہے۔ اور یہ بات بڑی عجیب ہے کہ (ملعون) رُشدی کی تصانیف پر پابندی کو نکتہ چینی کا نشانہ بنانے والے' مسلمانوں کی کتابوں پر "مہذب پابندی" کے خلاف آواز بلند کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اسی طرح فرانس میں معصوم مسلم طالبات کی طرف سے سروں پر سکارف اوڑھنے کے خلاف۔ رد عمل بھی مسلمانوں کے خلاف ناروا تعصب کا ایک مظاہرہ ہے۔

رواداری......اسلامی اندازِ نظر

اسلامی ریاست بالکل اسی طرح اپنی معاشرتی اقدار کے تحفظ کی ذمہ دار ہے' جس طرح مغرب اپنی اقدار اور نظریات کے تحفظ کی فکر میں رہتا ہے۔ جو قوم اپنے بنیادی مسلمات پر سمجھوتہ کر لے' اس کی تباہی یقینی ہو جاتی ہے۔ اگر ہیٹی اور پانامہ (جنوبی امریکہ) کے ساتھ اس کا طاقتور ہمسایہ ملک' کسی تحمل و رواداری کا سلوک نہیں کر سکتا' تو اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ تحمل و برداشت کی بھی حدود ہیں' جن کے باہر یہ جذبے رُوبہ کار نہیں آسکتے۔

مسلم معاشرہ اس وقت تک' بنیادی طور پر اقدار کا پابند معاشرہ ہوتا ہے جب تک وہ اس پیغام پر کاربند ہو جو بنیادی طور پر دین سے عبارت ہوتا ہے۔ نسلی معاشروں میں نسل کو' رنگ پرست معاشروں میں رنگ کو اور بعض دوسرے معاشروں میں اقتصادی مفادات کو جو اہمیت اور مقام دیا جاتا ہے' ایک مسلم معاشرے میں وہی اہمیت اور مقام ان دینی و قانونی اصولوں کو حاصل ہوتا ہے جو قرآن حکیم میں بیان کئے گئے ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلام ملے جلے معاشرے کا مخالف ہے۔ تاریخ اسلام میں اس امر کے بہت سے شواہد موجود ہیں کہ تقریباً سبھی مسلم ریاستوں میں بے شمار مذہبی' ثقافتی اور دیگر اقلیتی گروپ موجود رہے ہیں۔ بغداد کے عباسیوں اور ہسپانیہ

(سپین) کے اُموی حکمرانوں کے دور میں یہودیوں کی قدرو منزلت تو مثالی تسلیم کی جاتی رہی ہے۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اسلامی معاشرہ تاریخ میں کثیر المذہبی اور کثیر الثقافتی معاشرے کی واحد مثال ہے۔

یہ بات کسی کو اچھی لگے یا اچھی نہ لگے، لیکن یہ کہنا پڑتا ہے کہ مغرب میں مسلم اقلیتوں کو جب رسوائی کا سامنا کرنا پڑا ہے، وہ خود ان ممالک کے اصولوں اور نظریات سے بلند آہنگ دعووں کے بالکل برعکس ہے۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ فرانس جیسے ملک میں، جہاں آزادی کی روایات، مساوات اور انسانی اخوت کا بلند آہنگ شور مچایا جاتا ہے، مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔

اس پس منظر میں کسی ایسے قوانین جن کا مقصد اسلامی معاشرے، اسلامی ثقافت کی بنیاد اور اسلامی نظریہ کا تحفظ ہے، ان قوانین پر نکتہ چینی ہمارے فہم و تصور سے بالاتر ہے۔ توہین رسالتؐ کے قانون کا مقصد تو پیغمبر اسلامؐ کی شخصیت کا احترام اور تحفظ ہے۔ یہ قانون ان روایتی معنوں میں "توہین" کا قانون نہیں ہے جو مختلف مغربی ممالک میں رائج ہے۔ نہ اسے قرون وسطیٰ کے یورپ کے ان قوانین کے مماثل قرار دیا جاسکتا ہے، جو مذہبی شخصیات کی توہین یا ان کے خلاف باتیں کرنے والوں پر نافذ کئے جاتے تھے۔ نہ اسے سپین میں مسلم دور کے بعد ملحدین کے خلاف رائج قوانین سے ان کا کوئی تعلق ہے۔ درحقیقت یہ قانون رہنمائی اور ہدایت کے اس سرچشمہ کی حرمت کے تحفظ کے لئے ہے جس پر اسلام کی قانونی، آئینی، سماجی اور ثقافتی عمارت کھڑی ہے۔ اس رہنمائی کے تقدس اور حرمت کی ضمانت تو بنیادی طور پر اسلام پر ایمان رکھنے والوں کی اس نظریہ سے وابستگی اور شعور ہی فراہم کرتے ہیں۔ اگر ان کے ایمان کو ہی چیلنج کیا جائے تو اس کا مطلب پورے نظام کی بنیاد ہلانے کے مترادف ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ مسلم معاشرہ، پیغمبر اسلامؐ کی شخصیت کی حرمت کے بارے میں نہایت حساس رہا ہے۔ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے دور سے اب ہمارے دور تک، دنیا کے مختلف حصوں میں، مختلف حالات اور تاریخ کے مختلف مراحل کے دوران رسول اسلام ﷺ کی شخصیت کی حرمت کے بارے میں مسلمانوں کے رد عمل کا تسلسل بھی ہماری اپنی گذارشات کی روشنی میں دیکھا اور سمجھا جانا چاہیے۔

قانون :ایک تاریخی تجزیہ!

اب تک یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آجانی چاہئے کہ پاکستان میں نافذ قانونِ توہینِ رسالتؐ نہ تو مذہبی تعصب یا ہٹ دھرمی ہے' نہ یہ پاکستانی مسلمانوں کی مذہبی "دیوانگی" کی کوئی شکل ہے اور نہ ہی اسے ملک کے قانونی نظام میں کسی جبر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ قانون دراصل اسلام کی روایات اور اس مسئلہ (توہین رسالتؐ) کے متعلق مسلمانوں کے ادراک و شعور کے عین مطابق ہے۔(1)

قانون توہین رسالتؐ کی دینی اور قانونی بنیاد کی صراحت و وضاحت سے قبل' جو اس قانون کا اصل الاصول ہیں' ہمیں اس قانون کی دفعات کا جائزہ لینا چاہئے۔ یہاں یہ صراحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ تعزیرات پاکستان جو 1860ء (قیام پاکستان سے پہلے یہ تعزیراتِ ہند کے نام سے نافذ ہوئیں) میں نافذ العمل ہوئیں' ایک بالکل الگ باب (باب 15) موجود ہے۔ جس میں مذہب سے تعلق رکھنے والے جرائم اور ان کی سزاؤں کا تعین کیا گیا ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اب سے بہت پہلے یعنی 1860ء میں ان تعزیرات کے برطانوی مصنف اور حکومت برطانیہ نے مذہب سے متعلق جرائم کو تسلیم کیا تھا۔

یہ باب (باب 15) 4 دفعات......295' 296' 297 اور 298 پر مشتمل تھا جو کسی طبقہ کے مذہب کی توہین کی نیت سے اس کی عبادت گاہ کو نقصان پہنچانے یا کسی مذہبی اجتماع میں خلل اندازی' کسی طبقہ کے قبرستان میں مداخلت بے جا کرنے یا ایسے الفاظ منہ سے بولنے کے جرم سے متعلق تھیں' جس کا مقصد جان بوجھ کر کسی کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنا ہو۔ یہ دفعات قانون کی کتاب میں 139 برس سے بھی زیادہ عرصہ سے موجود تھیں اور ان کے تحت سینکڑوں مقدمات درج ہوئے اور نمٹائے جاتے رہے۔ قانون کی ان دفعات میں سموئے ہوئے بنیادی نظریات پر نہ صرف برطانوی ہند کی عدالتوں میں بلکہ پریوی کونسل تک میں' تفصیل سے بحث کی گئی۔ ان کا تفصیلی تجزیہ کیا گیا اور مختلف سطح کی عدالتوں اور پریوی کونسل میں بھی ان کی توضیح و تشریح کی گئی۔ چنانچہ قانون کے مطابق کسی کے "مذہبی معتقدات کی بے حرمتی" "مذہبی جذبات کو مجروح کرنے" یا "مذہبی عقائد کی توہین" جیسی اصطلاحات کی تعبیر و تشریح میں کسی نوع کا کوئی ابہام موجود نہیں۔

(1) ابن تیمیہ الصارم المسلول علی شاتم الرسول' لاہور

1860ء میں ان دفعات کے نفاذ کے فوراً بعد ہی یہ محسوس کیا گیا کہ برطانوی ہند کے مختلف گروہوں میں مذہبی حساسیت میں اضافہ سے پیدا ہونے والی صورت حال سے نمٹنے کے لئے یہ دفعات ناکافی ہیں۔ چنانچہ نہ صرف برطانوی دور حکومت کے دوران میں' بلکہ 1947ء میں آزادی کے بعد بھی مختلف مراحل پر اس باب میں مزید دفعات کا اضافہ کیا جاتا رہا۔ چنانچہ اس باب میں درج اصل دفعات کا اندراج بے جا نہ ہوگا۔

دفعہ 295

کسی طبقہ کے مذہب کی توہین کی نیت سے 'ان کی عبادت گاہ کو نقصان پہنچانا یا اس کی بے حرمتی کرنا : جو کوئی شخص 'کسی بھی عبادت گاہ کو تباہ کرے گا' یا اس کی بے حرمتی کرے گا' یا کسی ایسی چیز کی حرمت یا تقدس کو اس نیت سے نقصان پہنچائے گا' جسے افراد کا کوئی گروہ متبرک (مقدس) خیال کرتا ہو' کہ اس طبقہ کے مذہب کی توہین کی جائے یا یہ جانتے ہوئے کہ افراد کا کوئی طبقہ اس نوع کی نقصان اندازی' بے حرمتی یا توہین کو اپنے مذہب کی توہین خیال کرے گا۔ (ایسے شخص یا اشخاص کو) دو سال تک قید کی سزا دی جا سکے گی' یا جرمانہ کیا جا سکے گا یا دونوں سزائیں دی جا سکیں گی۔

دفعہ 296

کسی مذہبی اجتماع کو درہم برہم کرنا : کوئی شخص جو کسی ایسے اجتماع میں بالارادہ درہم برہم کرے گا' جو قانونی طور پر عبادت کی غرض سے ہو رہا ہو' یا مذہبی رسوم ادا کراتا ہو' اسے ایک سال تک قید کی سزا دی جا سکے گی یا جرمانہ کیا جا سکے گا یا دونوں سزائیں دی جا سکیں گی۔

دفعہ 297

قبرستان وغیرہ میں مداخلت بے جا کرنا : کوئی شخص جو کسی شخص کے مذہب کی توہین کی نیت سے' یا یہ جانتے ہوئے کہ اس طرح کسی شخص کے جذبات مجروح

ہو سکتے ہیں' یا کسی کے مذہب کی توہین ہو سکتی ہے' کسی عبادت گاہ' بت خانہ یا آخری رسوم کی ادائیگی کے مخصوص مقامات' یا میت (لاش) کو رکھنے کی مخصوص جگہ میں مداخلت بے جا کا مرتکب ہو گا' یا کسی انسانی لاش کی بے حرمتی کرے گا' یا مرنے والے کی آخری رسوم کی ادائیگی کے اجتماع میں مداخلت کرے گا اسے سزائے قید دی جا سکے گی' جو ایک سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ کا مستوجب ہو گا یا دونوں سزائیں دی جا سکیں گی۔

دفعہ 298

دوسروں کے مذہبی جذبات مجروح کرنے کی نیت سے' منہ سے الفاظ وغیرہ ادا کرنا: کوئی شخص جو عمداً کسی شخص کے مذہبی جذبات مجروح کرنے کی نیت سے' کوئی الفاظ منہ سے نکالتا ہو' یا اسے سنا کر ایسی آواز خارج کرتا ہو' یا اس کے سامنے ایسی حرکت کا مرتکب ہوتا ہو' یا اس شخص کی نظر کے سامنے کوئی ایسی چیز رکھ دیتا ہو' ایک سال تک سزائے قید کا مستوجب ہو سکتا ہے یا اسے جرمانہ کیا جا سکتا ہے یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔

ہر چند کہ مندرجہ بالا دفعات طویل اور بلند آہنگ محسوس ہوتی ہیں' مگر بنیادی طور پر یہ امن و امان قائم رکھنے کے قوانین ہیں جو ایک نوآبادیاتی لادینی حکومت نے وضع کئے تھے' جن کا مقصد کسی مذہب یا نظریہ کے تحفظ کے بجائے برطانوی شہنشاہیت میں امن قائم رکھنا تھا۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ ان قانونی دفعات میں وہ تمام بنیادی عناصر شامل ہیں جو دفعہ 295 سی میں شامل کئے جانے کے بعد آج کسی نہ کسی بہانے تنقید کا نشانہ بنائے جا رہے ہیں۔ یہ کہا جا رہا ہے کہ: "اہانت" (insult) اور "بے حرمتی" (defile) مبہم اصلاحات ہیں' ان کی غلط تعبیر و تشریح کے لامحدود امکانات ہیں اور ان کا غلط اطلاق بھی ہو سکتا ہے۔" یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ "کسی مذہبی شخصیت کی اہانت یا بے حرمتی کے سلسلے میں جو حدود و قیود عائد کی گئی ہیں' وہ ان انسانی حقوق کے منافی ہیں' کہ جن کی ضمانت آئین میں دی گئی ہے" لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس نوع کی "مبہم" اور "غیر واضح" اصطلاحات سمیت یہ قانونی دفعات گذشتہ 134 سالوں سے قانون کی کتب میں موجود ہیں' اور ان کے باعث

ایسی کوئی مشکل پیدا نہیں ہوئی جو آج محسوس کرنے کا عذر تراشا جارہا ہے۔ چنانچہ یہی حقیقت یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لئے کافی ہے کہ ان اصطلاحات کی نہ تو غلط تعبیر و تشریح ہو سکتی ہے اور نہ ان کا کوئی غلط اطلاق ممکن ہے۔

برطانوی دور حکومت میں بھی تعزیرات کے اس باب کے دائرہ اطلاق میں توسیع کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ 1927ء میں ایک ترمیم کے ذریعے یہ ضرورت پوری کی گئی۔ یہ ترمیمی دفعہ (295الف) ذیل میں دی جارہی ہے۔

دفعہ 295

الف : سوچے سمجھے اور خبثِ باطن پر مبنی کسی عمل (یا اعمال) کے ذریعے کسی طبقہ کے مذہب یا مذہبی جذبات کی اس لئے توہین کرنا' کہ اس طبقہ کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کیا جائے : جو کوئی عمداً اور سوچے سمجھے برے ارادے کے ساتھ پاکستان کے شہریوں کے کسی بھی طبقے کے مذہبی احساسات کی تذلیل کرنے کے لئے بذریعہ الفاظ جو بولے گئے ہوں یا لکھے گئے ہوں یا کسی بھی واضح طور طریقہ سے' کسی بھی طبقہ کے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کرے گا' دو سال تک سزائے قید کا مستوجب ہو گا یا اسے جرمانہ کیا جائے گا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

جب پاکستان ایک آزاد مملکت کے طور پر معرضِ وجود میں آیا تو تعزیرات کے اس باب کا دائرہ کار مزید بڑھایا گیا۔ یہ توسیع ماسوائے اصل قانون کی مزید توضیح کے اور کچھ نہ تھی۔ ہم اس قانون میں اضافہ کی جانے والی دفعات کا تاریخ وار ذکر کرتے ہیں :

1982ء میں تعزیرات پاکستان کے (ترمیمی) آرڈیننس مجریہ 1982ء کے ذریعہ دفعہ 295بی کا اضافہ کیا گیا' جو اس طرح ہے :

دفعہ 295

بی : قرآن مقدس کی توہین کرنا وغیرہ : کوئی شخص جو عمداً قرآن حکیم کے نسخہ یا اس کی کسی آیت کی بے حرمتی کرتا ہے' اسے نقصان پہنچاتا ہے یا اس کا استعمال

توہین آمیز طریقہ سے کرتا ہے یا کسی غیر قانونی مقصد کے لئے ایسا کرتا ہے' عمر قید کی سزا کا مستوجب ہو گا۔

1984ء میں اس باب میں مزید دفعات شامل کی گئیں' تاکہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شخصیت' انؐ کے اہل بیت اور انؐ کے آخری نبیؐ (خاتم النبیین) ہونے (کے عقیدہ) کے تحفظ کے لئے زیادہ موثر (قانونی) قوت فراہم کی جاسکے۔ یہ اقدام ایک ایسا قانون بنانے کی طرف بڑا بنیادی اقدام تھا' جو مسلمانوں کی صدیوں سے قائم روایات اور مستند معیار کے مطابق ہو۔ مسلمانوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی توہین کا اقدام بہت بڑی بغاوت ہے جس کی سزا موت ہی ہو سکتی ہے۔

چنانچہ آئین میں چوتھی ترمیم مجریہ 1974ء روبہ عمل لانے اور اس کے نتیجہ میں ہونے والی ترامیم کے ذریعے (جو آئینی ترامیم اس وقت پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے منظور کی تھی) درج ذیل تین دفعات ایک آرڈیننس کے ذریعے نافذ کی گئیں جسے "قادیانی گروپ' لاہوری گروپ اور احمدیوں کی اسلام مخالف سرگرمیوں (کے امتناع و سزا) کا آرڈیننس 20 مجریہ 1984" قرار دیا گیا۔

دفعہ 298

اے : مقدس ہستیوں کے خلاف توہین آمیز الفاظ (ریمارکس) وغیرہ ادا کرنا :
کوئی شخص جو بولے گئے یا تحریری الفاظ یا کسی بھی واضح انداز میں یا بذریعہ بہتان طرازی' یا اشارہ کنایہ میں ازالہ حیثیت عرفی' براہ راست یا بالواسطہ طور پر کسی ام المومنینؓ کے اسم پاک کی توہین کرے گا' یا حضور پاک ﷺ کے اہل بیتؓ یا کسی خلیفہ راشدؓ یا صحابہ کرامؓ میں سے کسی کی توہین کا مرتکب ہو گا' 3 سال تک سزائے قید کا مستوجب ہو گا یا اسے جرمانہ کیا جاسکے گا یا دونوں سزائیں دی جاسکیں گی۔

دفعہ 298

بی : بعض خاص مقدس ہستیوں کے لئے مخصوص خطابات یا القابات وغیرہ کا

غلط استعمال :

-1 قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ کا کوئی فرد (جو خود کو "احمدی" کہتے ہیں' یا کسی اور نام سے خود کو موسوم کرتے ہیں) بولے گئے یا تحریری الفاظ کے ذریعے یا کسی بھی واضح انداز میں :

(الف) پیغمبر محمد ﷺ کے خلیفہؓ یا انؐ کے صحابیؓ کے سوا کسی اور شخص کو "امیر المومنین" "خلیفتہ المسلمین" "صحابی" یا "رضی اللہ عنہ" کہہ کر پکارتا یا اس کا ذکر کرتا ہے۔

(ب) حضور نبی پاک ﷺ کی ازواج مطہرات کے سوا کسی اور فرد کو "ام المومنین" کہہ کر پکارتا یا اس کا ذکر کرتا ہے۔

(ج) نبی پاک ﷺ کے اہل بیت کے سوا کسی اور شخص کو "اہل بیت" کہہ کر پکارتا ہے یا اس کا ذکر کرتا ہے یا

(د) یا اپنی عبادت کی جگہ کو "مسجد" کا نام دیتا ہے' مسجد کہہ کر پکارتا یا اس کا ذکر کرتا ہے' تین سال تک سزائے قید کا مستوجب ہوگا اور اسے جرمانہ بھی کیا جا سکے گا۔

-2 قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ کا کوئی فرد (جو خود کو "احمدی" کہتے یا کسی اور نام سے موسوم کرتے ہیں) اپنے عقیدہ کے لوگوں کو عبادت کے لئے بلانے کے طریقہ کو "اذان" قرار دیتا ہے یا اس طرح اذان دیتا ہے' جس طرح مسلمان اذان دیتے ہیں' تین سال تک سزائے قید کا مستوجب ہو سکتا ہے اور اسے جرمانہ بھی کیا جا سکے گا۔

دفعہ 298

سی : قادیانی گروپ وغیرہ کے کسی فرد کا خود کو مسلمان کہلانا یا اپنے عقیدہ کی تبلیغ یا نشر و اشاعت کرنا : قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ کا کوئی فرد (جو خود کو احمدی کہتے یا کسی اور نام سے موسوم کرتے ہیں) براہ راست یا بالواسطہ طور پر خود کو

مسلمان ظاہر کرے گا یا خود کو مسلمان قرار دے گا' اپنے مذہب کو "اسلام" قرار دے گا یا اپنے عقیدہ کی تبلیغ یا نشر و اشاعت کرے گا یا دوسروں کو اپنا مذہب اختیار کرنے کی دعوت دے گا' یا بولے گئے یا تحریری الفاظ کے ذریعے یا کسی بھی واضح انداز میں یا کسی بھی طرح مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو اشتعال دلائے گا' تین سال تک سزائے قید کا مستوجب ہو گا اور اسے جرمانہ بھی کیا جا سکے گا۔

آخر کار 1986ء میں مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) نے متفقہ طور پر "ضابطہ فوجداری کا (ترمیمی) قانون 3 مجریہ 1986ء" منظور کیا۔ جس کے تحت قبل ازیں مذہب' مذہبی معتقدات' عبادت گاہوں' پیغمبر اسلام کے صحابہ کرامؓ اور ازواج مطہراتؓ کو دیا گیا تحفظ ان تمام مقدس ہستیوں تک وسیع کر دیا گیا' جن کا ذکر اسی عزت و توقیر کے ساتھ کیا جاتا ہے' جو ان (مندرجہ بالا) ہستیوں کو حاصل ہے۔ چنانچہ دفعہ 295 سی کو تعزیرات پاکستان کا حصہ بنا دیا گیا۔

دفعہ 295

سی : نبی اکرم ﷺ کے بارے میں توہین آمیز بات کرنا وغیرہ : جو کوئی بھی زبانی یا تحریری الفاظ کے ذریعے یا واضح انداز میں یا بذریعہ بہتان طرازی یا بذریعہ طعن آمیز اشارہ' کنایہ' براہ راست یا بالواسطہ طور پر نبی پاک محمد ﷺ کے اسم مبارک کی بے حرمتی کرتا ہے' سزائے موت کا مستوجب ہو گا یا اسے تاحیات سزائے قید دی جائے گی اور اسے جرمانہ بھی کیا جا سکے گا۔

اس قانون میں بہر حال دو سزائیں دی گئی ہیں' سزائے موت یا تاحیات سزائے قید۔ اس قانون کو ملک کے بعض سینئر وکلاء اور ماہرین قانون نے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا۔ عدالت نے خاصے عرصے تک اس درخواست کی سماعت کی اور متعدد سکالروں (علماء) اور قانون دانوں کو بھی طلب کیا' تاکہ وہ اس موضوع پر اپنی آراء پیش کر کے عدالت کی مدد کریں۔

30 اکتوبر 1990ء کو عدالت نے اس درخواست کا متفقہ فیصلہ سنایا۔ عدالت نے قرار دیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی توہین یا ان کے اسم مبارک کی بے حرمتی کے جرم کی متبادل

سزا' تاحیات قید' اسلام کی واضح نصوص (احکام) کے منافی ہے۔ چنانچہ یہ شریعت کے بھی منافی ہے۔ حکومت نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو سپریم کورٹ میں پیش کیا' اس فیصلے کو چیلنج نہیں کیا گیا تھا' بلکہ اس کا مقصد فیصلہ کے بعض تلخ پہلوؤں کی وضاحت حاصل کرنا تھا۔

اسی اثناء میں ایک نئی حکومت نے ملک میں اقتدار سنبھال لیا' جس نے سپریم کورٹ سے یہ اپیل ہی واپس لے لی۔ بعض لوگوں نے حکومت کے اس اقدام کو تنقید کا نشانہ بنایا اور اس سنگین جرم کے لئے صرف موت کی سزا قائم رکھنے پر اپنے ذہنی تحفظات کا اظہار کیا۔ لیکن ان لوگوں کے یہ ذہنی تحفظات عوامی سطح پر کوئی پذیرائی حاصل نہ کر سکے۔ نہ صرف رائے عامہ کے رہنماؤں نے' بلکہ منتخب اداروں اور قانون ساز اسمبلیوں نے بھی عوامی جذبات کو زبان دی۔

2 جون 1992ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے ایک قرارداد متفقہ طور پر منظور کی' جس میں حکومت سے کہا گیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی توہین پر صرف اور صرف سزائے موت ہی دی جانی چاہئے۔ سینٹ نے بھی یہی راہ عمل اختیار کی۔

8 جولائی 1992ء کو سینٹ میں ترمیمی قانون متفقہ طور پر منظور کیا گیا' جس میں اس جرم کے لئے صرف موت کی سزا دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر عوام کی مرضی پر عمل کرنے کے اصول کا کچھ مقصد ہے' اگر مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے دونوں ایوانوں کا متفقہ فیصلہ پاکستان کے عوام کے اجتماعی ضمیر کا اظہار ہے' تو یہ قانون ہماری قومی تاریخ میں ایک سب سے زیادہ عوامی قانون تسلیم کیا جانا چاہئے۔

اتنی سخت سزا کیوں؟

کسی پیغام بر (پیغمبر) کی توہین دراصل اس پیغام کی اور وہ پیغام بھیجنے والے کی توہین ہوتی ہے۔ پھر پیغام بھیجنے والا اگر مذہبی اعتبار سے نہ صرف مقدس بلکہ آخری اتھارٹی بھی ہو اور اس کے پیروکاروں کو اس کے ساتھ شدید جذباتی وابستگی بھی ہو' بلکہ وہ اپنے فرستادہ (نظام) کی صداقت کا قطعی منبع بھی ہو تو توہین کا جرم اور زیادہ سنگین ہوگا۔ یہ بات [illegible] کر ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمان' خاص طور پر صحابہ کرامؓ' توہین رسالت کو مسلمانوں اور [illegible] مذہبی برادریوں کے درمیان طے پانے والے معاہدوں کی تنسیخ کے لئے کافی بنیاد تصور کر[illegible]

تھے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی شاہکار تصنیف "کتاب الأمم" میں بعض معاہدوں کے مسودات تحریر کئے ہیں' جو غیر مسلموں سے طے کئے جا سکتے ہیں۔ ان "مسودہ معاہدات" میں انہوں نے ایک دفعہ رکھی ہے' جس کے تحت تمام معاہدات' عہد نامے' کسی اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو دیئے جانے والے تمام حقوق' استحقاق اور تحفظات اس وقت ختم سمجھے جائیں گے' جب کوئی غیر مسلم پیغمبر اسلامؐ کی توہین کا مرتکب ہو گا۔(1)

اس حوالے سے سخت رویہ میں امام شافعیؒ اکیلے نہیں ہیں' بلکہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر ہمارے اپنے دور کے علمائے دین تک بلا انقطاع سبھی شارحین اسلام کا یہی عمل ہے۔ اس متفقہ نقطہ نظر کا واحد محرک پیغمبر اسلامؐ سے مسلمانوں کی محبت اور انؐ کی تکریم ہے۔ دوسرے مذہبی گروہ مثلاً' اہل یہود بھی ہیں جو اہل اسلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں۔ بلاشبہ دونوں مذہبی گروہوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات کے بارے میں تصورات پر اختلاف ہے' لیکن اس کے باوجود دونوں کے درمیان توحید کے بنیادی نظریہ پر مکمل اتفاق ہے۔ اسی طرح اہل یہود اور نصاریٰ کے بعض گروہوں کے درمیان بھی' اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر یقین اور اتفاق رائے ہے۔ ان دونوں گروہوں کو ہمیشہ الگ الگ مذہبی برادری تصور کیا جاتا ہے' جو ایک دوسرے سے مختلف مذہبی نظریات کے حامل ہیں' کیونکہ وہ دونوں مختلف شخصیات کو اپنا پیغمبر (نبی علیہ السلام) تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کسی برادری (یا گروہ) میں کسی پیغمبر کو جو درجہ یا فوقیت حاصل ہوتی ہے' وہ ان دوسری تمام تعظیمات سے بڑھ کر ہوتی ہے جو کسی سیکولر یا لادین معاشرے میں رائج ہوتی ہیں۔ مذہبی برادریاں اپنے پیغمبر کی حرمت و تقدس کے تحفظ میں اپنی ذمہ داریوں سے کبھی غافل نہیں ہو سکتیں۔

مسلم ماہرین فقہ (ماہرین قانون) کے اس فہم و ادراک کی تائید بہت سے مسیحی سکالر اور ماہرین الہیات بھی کرتے ہیں۔ قرون وسطیٰ کے ایک عظیم مسیحی ماہر الہیات سینٹ آگسٹائن نے کہا ہے: "چنانچہ جو وحی کی صداقت کو جانتے ہوئے بھی اس سے بے وفائی کی اجازت دیتا ہے' اسے برداشت کرتا ہے' ان لوگوں سے زیادہ بڑے جرم کا مرتکب ٹھہرتا ہے جو وحی کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔"(2) کئی دوسرے مسیحی ماہر الہیات بھی سینٹ آگسٹائن کی

---

(1) محمد بن ادریس شافعی کتاب الامم (بیروت: ۱۹۷۳ء) ج ۴' ص ۱۹۷۔

2. ***Encyclopaedia of Religions*** (New York, *1986) Vol 2, p.240.*

تقلید کرتے ہوئے اسی نظریہ پر یقین رکھتے ہیں۔

یہ کہنا تو مشکل ہے کہ آیا آگسٹائن الہیات کے موضوع پر مسلم ماہرین کی تصانیف سے متاثر تھے یا نہیں؟ لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ آگسٹائن کا نظریہ اسی منطق کی نمائندگی کرتا ہے' جو علم ماہرین الہیات نے پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک (توہین رسالتؐ کے مرتکب کے لئے) عفو یا معافی کا معاملہ 'نتائج کے اعتبار سے کہیں زیادہ سنگین ہے جتنا کہ اسے سمجھا جاتا ہے۔ وہ فرد جس کا ایمان ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات وحی الٰہی ہیں اور یہ قطعی صداقت پر مبنی ہیں' ان (حضورؐ) کی توہین منطقی اعتبار سے اس کے ایمان کے منافی ہو گی۔

غالباً مسلم ماہرین فقہ کی اسی منطق کے باعث ان کا رویہ دوسروں کے رویہ سے مطابقت نہیں رکھتا' جو کسی مذہبی پیغام کو وہ حیثیت نہیں دیتے کہ جو حیثیت مسلمان اپنے دین (وحی الٰہی) کو دیتے ہیں۔ مغربی مسیحی دنیا کے نزدیک یہ رویہ تعصب یا عدم رواداری قرار پا سکتا ہے لیکن مسلمانوں کے لئے نہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے لئے ایسے معاملات میں مداہنت برتنا صرف اور صرف منافقت ہے۔ جس کا مقصد دوسروں کو بھی ایسی ہی منافقت کی ترغیب دینا ہے' جو حق پر شکوک و شبہات کے سائے ڈالنے کے مترادف ہے۔

سزائے موت کی قرآنی بنیاد

نبی پاک ﷺ کی توہین یا ان اسم مبارک کی بے حرمتی کے جرم کی سزائے موت کے جواز میں مسلم ماہرین فقہ نے قرآن حکیم کی ان آیات کریمہ پر انحصار کیا ہے :

1۔ قرآن حکیم میں پیغمبر اسلام ﷺ کے اس انتباہ کا ذکر ہے' جو آپؐ نے مکہ مکرمہ کے بت پرستوں کو کیا تھا۔ حضورؐ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اسلام قبول کر لیں یا پھر مکہ مکرمہ سے نکل جائیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسول مقبولؐ نے 8 ہجری میں مکہ فتح کیا تھا' اور اسی شہر کو اسلام کا روحانی مرکز قرار دیا تھا جو اہم ترین دینی عبادت حج کا مقام تھا۔ بت پرستوں کو عام شہریوں کی طرح رہنے کی اجازت دی گئی۔ ایک سال بعد سورہ التوبہ کی چند پہلی آیات مبارکہ کا نزول ہوا' جن میں بت پرستوں کو 4 ماہ کا نوٹس دیا گیا کہ وہ اسلام قبول کر لیں یا شہر چھوڑ کر چلے جائیں۔

ان آیات مبارکہ میں کہا گیا :

(ترجمہ) پھر اگر یہ (بت پرست) توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو (ان کو معاف کر دو) یہ دین میں تمہارے بھائی ہیں اور ہم اپنی آیات کو سمجھنے والوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن (و تشنیع) کریں تو ان کافروں کے سرداروں سے لڑو' بے شک ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں' تاکہ وہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔(1)

ان آیات کریمہ میں قرآن حکیم نے دو جرائم کا ذکر کیا ہے جن کا ارتکاب کرنے والوں سے جنگ کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ اول : توبہ کرنے' نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا عہد کرکے عہد شکنی کرنا' اور دوسرے مسلمانوں کے دین پر طعن و تشنیع کا ارتکاب۔ چنانچہ مسلمان علمائے دین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کوئی شخص جو حضور نبی کریم ﷺ اور ان کی بنیادی تعلیمات کے بارے میں توہین آمیز اور ہتک آمیز بات کرے' تو وہ ان عمومی ہدایات کے تحت سزا کا مستوجب ہوگا۔(2)

2۔ اسی باب میں مدینہ منورہ کے منافقین کی ریشہ دوانیوں کو بھی پیغمبر ﷺ کو ایذا دینے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ ان کی تضحیک' تمسخر آمیز اور فضول باتوں کو بھی کفر قرار دیا گیا جو قابل سزا ہے۔ سورہ توبہ کی آیت 69 میں انہیں (کفار کو) بتا دیا گیا ہے کہ ان کے اعمال نہ صرف اس دنیا میں بلکہ موت کے بعد کی زندگی میں بھی اکارت ہو گئے' کیونکہ وہ حضور پاک ﷺ کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ قرآن حکیم نے ان لوگوں کو "خسارے" میں رہنے والے قرار دیا۔ مسلم ماہرین فقہ نے بجا طور پر اس آیت سے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ اگر ان لوگوں کو ان کے کئے کی سزا نہ دی جائے' ان کے تمام اچھے کاموں کو اس دنیا اور آخرت میں اکارت قرار دینا بالکل بے مقصد ہوگا۔ جو شخص اس جرم کی پاداش میں زندگی سے محروم نہیں ہوتا' وہ اپنے اعمال کی جزا سے بھی محروم نہیں ہو سکتا' جس سے اس آیت کے مطابق اسے بہر حال محروم ہونا ہے۔ سورہ احزاب میں تو یہی بات مزید وضاحت سے فرمائی گئی ہے :

---

(1) القرآن' سورہ توبہ : ۱۱۔۱۲

(2) ابن تیمیہ : الصارم

(ترجمہ) بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے (اس نے) ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔(1)

قرآن حکیم کے شارحین و مفسرین کے مطابق اللہ اور اس کے رسول پاکؐ کو ایذا پہنچانے والوں کے لئے آخرت کی زندگی میں اللہ کی لعنت والی بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ ایسے لوگوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا لیکن اس دنیا میں اللہ کی لعنت اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی' جب تک اس گھناؤنے جرم کی اس دنیا میں سزا نہ دی جائے۔(2)

3۔ سورہ الحشر میں مدینہ منورہ سے یہود کے ایک قبیلہ (بنو نضیر) کو جلاوطن کرنے کا ذکر ہے۔ یہ واقعہ 4 ہجری میں پیش آیا۔ اس قبیلہ کے لوگوں نے مسلمانوں سے شہریت کا معاہدہ کیا تھا اور میثاق مدینہ پر دستخط کئے تھے۔ لیکن انہوں نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں شریک ہوئے۔ چنانچہ رسول پاکؐ نے انہیں سزا دی اور آخر کار انہیں شہر سے نکال دیا گیا۔ ان لوگوں کے جرائم پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے :

(ترجمہ) اور اگر اللہ نے ان (یہود) کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا میں ان کو (سخت) عذاب دیتا اور آخرت میں (تو) ان کے لئے آگ کا عذاب تیار ہی ہے۔ یہ (عذاب ان کو) اس لئے (ہوگا) کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے رہے اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے' تو اللہ کا عذاب (ایسے لوگوں کے لئے) بڑا ہی سخت ہے۔(3)

ان آیات میں پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالفت کو اللہ تعالیٰ کے شدید عذاب کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ ان کو یہ سزا صرف اس دنیا میں ہی نہیں دی گئی کیونکہ اس دنیا میں تو انہیں شہر سے نکالنے کی سزا دی گئی تھی۔

4۔ چنانچہ سورہ المجادلہ میں اس جرم کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے :

---

(1) القرآن' سورۃ الاحزاب : ۵۷۔۵۸

(2) ابن تیمیہ الصارم' ص ۲۶' ۴۰۔۵۴

(3) القرآن' سورۃ الحشر : ۳۔۴

(ترجمہ) بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں' وہ ایسے ہی ذلیل (وخوار) ہوں گے جس طرح ان سے قبل کے لوگ ذلیل ہوئے اور ہم نے تو (پہلے ہی) صاف صاف آیات اتاری ہیں اور (واضح رہے کہ) کافروں کے لئے (نہایت) رسواکن عذاب ہے۔(1)

اس آیہ مبارکہ میں رسول کریم ﷺ کی مخالفت اور مزاحمت' بھی ایک جرم قرار دی گئی ہے جس پر رسواکن سزا دی جائے گی۔

قرآن حکیم میں کئی مزید آیات بھی ہیں جنہیں ماہرین فقہ' توہین رسالت کی سزا کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سورہ التوبہ کی آیات ۶۴ تا ۶۶ ایسی صورت حال سے متعلق ہیں جن میں کفار کا ایک گروہ اپنی مجالس میں' جو ظاہر ہے ان کے نجی مقامات پر ہوں گی' حضور نبی کریمؐ کا تمسخر اڑایا کرتے تھا۔ ایسا کوئی موقع نہ تھا کہ ان لوگوں کے عمل کے باعث مسلمانوں کے جذبات میں اشتعال پیدا ہوتا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ توہین رسالتؐ یا حضور نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک کی بے حرمتی کے جرم کے تعین کے لئے یہ ضرورت نہیں کہ اس جرم کے مرتکب شخص نے یہ جرم مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرنے' غصہ دلانے یا برانگیختہ کرنے کے ارادے سے ہی کیا ہو۔ جب توہین رسالتؐ ثابت ہو جائے تو اس جرم کے مرتکب کو' اس کے مقصد سے قطع نظر' سزا ضرور دی جائے گی۔(2)

تاہم' کسی عمل کے متعلق یہ تعین کرنے کے لئے کہ یہ عمل توہین کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں' متعلقہ شخص کے عزائم کو بھی زیر غور لایا جائے گا۔ خصوصاً ایسی صورت میں' جب اس موقع پر استعمال کئے جانے والے الفاظ واضح نہ ہوں۔ یوں پیغمبرؐ کے پاک نام کی توہین کا تعین کرتے وقت ارادہ یا نیت ایک اہم عنصر بن جاتے ہیں۔ اس جرم کے بنیادی عناصر سے بحث کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ نے اس حقیقت پر انحصار کیا ہے' کہ حضور نبی کریمؐ کے تین ساتھیوں حسان بن ثابت' مِسطاہ اور حمناہ کو حضورؐ کی زوجہ مطہرہ پر غلط الزام تراشی (قذف) کے جرم میں سزا دی گئی تھی۔ ان میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا تھا کہ اس نے توہینِ رسالتؐ کے جرم کا ارتکاب کیا ہے لہذا انہیں موت کی سزا نہیں

(1) القرآن' سورۃ المجادلہ: ۵

(2) ابن تیمیہ الصارم۔ ص ۲۶۔ ۳۲

دی گئی تھی۔(1)

امام ابن تمیہؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ واقعہ قرآن حکیم کی سورہ الاحزاب کی آیت ۶ کے نزول سے قبل پیش آیا تھا۔ جس میں پیغمبر ﷺ کی ازواج مطہرات کو اہل ایمان کی مائیں (اُمہات المومنین) قرار دیا گیا ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مستقبل میں امہات المومنینؓ میں سے کسی کے خلاف بھی غلط الزام توہین رسالتؐ ہی تصور کیا جائے گا۔(2)

ان قرآنی آیات کے علاوہ حضور نبی کریمؐ کی حیات طیبہ کے دوران متعدد ایسے واقعات رونما ہوئے' جب صحابہ کرامؓ نے ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جو توہین رسالتؐ کے مرتکب پائے گئے تھے اور بعد میں خود آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے اس عمل کو درست قرار دیا۔ ایسے چار یا پانچ واقعات تو حضور نبی کریمؐ کی حیات طیبہ کے آخری دس سالوں کے دوران رونما ہوئے۔ امام ابن تمیہؒ نے اپنی شاہکار تصنیف "الصادم المسلول" میں ایسے واقعات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان تمام واقعات کا ماحصل یہ ہے کہ ایک شخص توہین رسالت کا ارتکاب کیا کرتا تھا۔ مسلمانوں نے پہلے تو اسے برداشت کیا' لیکن جب انہوں نے محسوس کیا کہ یہ کام تو شرارت سے کیا جا رہا ہے' انہوں نے توہین رسالتؐ کے مرتکب کو قتل کر دیا۔ ان تمام واقعات میں حضور نبی کریمؐ نے ان صحابہؓ کے خلاف کسی نوع کی کارروائی نہیں کی جو توہین رسالتؐ کے مرتکب افراد کے قتل میں ملوث تھے۔

ان تمام اسناد کی بنیاد پر ہی ہر دور میں تمام ماہرین فقہ کا یہ متفقہ خیال رہا ہے کہ کوئی' شخص جو مسلمان ہو یا غیر مسلم' حضور نبی کریمؐ کے خلاف گھٹیا زبان استعمال کرتا ہے' رسولؐ کا مضحکہ اڑاتا ہے اور توہین رسالت کا مرتکب ہوتا ہے' موت کی سزا کا حق دار ہے۔ نبی پاک کی توہین یا تضحیک اسلامی ریاست اور مسلم اُمہ کے خلاف غداری ہی قرار پائے گی جس کی سزا موت ہی ہو سکتی ہے۔

حنفی یا شافعی مکاتب فکر کے ماہرین فقہ کے مطابق اگر کسی مسلم ریاست کا کوئی غیر مسلم شہری' توہین رسالتؐ کا مرتکب ہو' تو وہ اس جرم کے ثابت ہونے پر شہریت کھو دیتا ہے۔ اس کے تمام حقوق و مراعات ختم ہو جاتے ہیں اور وہ سزائے موت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

---

(1) ابن ہشام سیرۃ رسول اللہ ج ۲' قاہرہ

(2) ابن تمیہ الصارم' ص ۴۹

بعض دوسرے فقہاء اس نظریہ سے اس حد تک اتفاق کرتے ہیں جب توہین رسالت کا مجرم کوئی مسلمان ہو، لیکن کسی غیر مسلم کی صورت میں ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ توہین رسالتؐ کا مجرم شہری حقوق و مراعات سے محروم نہیں ہوتا اگرچہ وہ سزائے موت کا مستوجب ٹھہرتا ہے۔(1)

چند اہم مقدمات

یہ بات پہلے ہی بیان کی جا چکی ہے، کہ توہین رسالتؐ کے چار یا پانچ واقعات حضور نبی کریمؐ کی حیات طیبہ کے دوران بھی پیش آئے تھے۔ ان تمام واقعات میں مشترکہ امر یہ ہے کہ توہین رسالتؐ کے مرتکب افراد کو مسلمانوں نے، اس واقعہ سے حضور نبی کریمؐ کو آگاہ کئے بغیر ہی قتل کر دیا۔ بعد میں جب حضور انورؐ کو اس واقعہ سے آگاہ کیا گیا اور حضورؐ نے بھی واقعہ کی صحت کی جانچ کر لی تو آپؐ نے مجرموں کی سزائے موت کو درست قرار دے دیا۔(2)

مدینہ منورہ میں رونما ہونے والے ان واقعات کے علاوہ مکہ کے مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے افراد نے بھی توہین رسالت کا ارتکاب کیا۔ یہ افراد، جن میں سے اکثر شاعر تھے، وقتاً فوقتاً حضور نبی کریمؐ کے اسم مبارک کی بے حرمتی اور حضورؐ کی اہانت میں اپنی شاعرانہ جبلت کو آزماتے اور حضور پاکؐ کی ذات اقدس کے بارے میں بے بنیاد کہانیاں پھیلایا کرتے تھے۔ حضور نبی کریمؐ جب فتح مکہ کے سفر پر روانہ ہوئے تو حضورؐ نے ہدایت فرمائی کہ ان افراد کو ہرگز نہیں بخشا جانا چاہئے، اور وہ خواہ کعبۃ اللہ کی دیواروں سے بھی چمٹے ہوئے پائے جائیں، انہیں سزائے موت دی جانی چاہئے۔ تاہم ان افراد میں سے بیشتر کو اس وقت معاف کر دیا گیا جب انہوں نے خود کو پیغمبر اسلامؐ کے روبرو پیش کر دیا اور سچے دل سے اسلام قبول کر لیا۔(3)

پیغمبر اسلام کی طرف سے رحم و عفو کے اس اظہار کے بعد مسلم علماء نے توہین رسالتؐ کے مرتکب افراد کے لئے عفو و درگزر کے امکانات پر غور و خوض کیا ہے۔ بعض علماء

---

(1) علاؤالدین کاسانی بدائع الصنائع

(2) ابن تیمیہ نے اس ضمن میں مقدمات کی تفصیل بیان کی ہے۔

(3) ابن ہشام سیرۃ رسول اللہ

کا خیال ہے کہ عفو (معاف) تو صرف اس سے ہی کیا جا سکتا ہے' جو اپنے کئے پر نادم اور پشیمان ہو۔ لیکن فقہاء کی بہت بڑی تعداد کا نقطہ نظر یہ ہے' کہ توہین رسالتؐ کے مقدمہ میں عفو کا حق صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کو ہی حاصل ہے' اور ان کے بعد کسی کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا۔ فقہا کے اس نقطہ نظر کے باعث اسلامی تاریخ میں توہین رسالتؐ کے کسی مجرم کو معافی نہیں دی گئی۔ (1)

سابق مسلم ہندستان میں بعض اہم واقعات رونما ہوئے' جن کے جنوبی ایشیا کے مسلم معاشرے اور سیاست پر انمٹ اثرات مرتب ہوئے۔

ان میں سے ایک مشہور واقعہ متھرا کے راجہ کا ہے' جسے توہین رسالتؐ کا مجرم پایا گیا اور مغل شہنشاہیت کے چیف جسٹس نے اسے موت کی سزا دی۔ (2) مغل شہنشاہ نے متھرا کے راجہ کی زندگی بچانے کی سر توڑ کوشش کی' لیکن عدلیہ نے مغل شہنشاہ کی درخواست پر غور سے انکار کر دیا۔ مسلمان علماء اور ماہرین فقہ کے اس سخت اقدام کے رد عمل کے طور پر ہی جنوبی ایشیاء کے مختلف مذاہب اور مذہبی تصوف کے خیالات و روایات کو ملا کر شہنشاہ اکبر نے ایک نیا مذہب پیش کیا' جسے تاریخ میں "دین الٰہی" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ (3)

برطانوی دور حکومت کے دوران 1920ء اور 1930ء کے عشروں میں ہندوؤں کی طرف سے توہین رسالتؐ کے متعدد واقعات پیش آئے' جو ہندوؤں کی تحریکوں "شدھی" اور "سنگھٹن" کا حصہ تھے۔ ان تحریکوں کا مقصد مسلمانوں کو ہندو بنانا تھا۔ چنانچہ توہینِ رسالتؐ کا ارتکاب کرنے والے تمام ہندوؤں کو مسلمانوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان مسلم رضاکاروں پر برطانوی حکومت کے تحت مقدمات چلائے گئے اور انہیں "تعزیرات ہند" کے تحت موت کی سزا دی گئی۔

یہ بڑی اہم بات ہے کہ اس طرح پھانسی پانے والے تمام مسلم رضاکاروں کو جنوبی

---

(1) ابن تیمیہ الصارم ص ۷۔۵۔۵۱۱

(2) تفصیل دیکھیں عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ۔

(3) محمد اسلم۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر۔ (لاہور) مزید دیکھیں۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی Ulema in Politics (کراچی: معارف ۱۹۷۹ء) ص ۸۔۴۸۔۷۳۔

ایشیاء کے مسلمانوں نے قومی ہیرو کا درجہ دیا' ان کی سوانح عمریاں لکھی گئیں بلکہ ان کی زندگی پر بعض فلمیں بھی بنائی گئیں جو بڑی مقبول ہوئیں۔ جنوبی ایشیا کے ممتاز مسلم رہنماؤں نے بھی ان رضاکاروں کو خراج عقیدت پیش کیا۔ انہیں عوام نے "غازی" کا لقب دیا اور آج بھی ان کے ناموں کے ساتھ یہ لقب لکھا اور پکارا جاتا ہے۔

ان میں غازی علم الدین خاص طور پر قابل ذکر ہے' جو ایک ان پڑھ ترکھان نوجوان تھا اور جس نے 6 اپریل 1929ء کو (لاہور میں) ایک ہندو راج پال کو قتل کیا تھا۔ ان کا مقدمہ آج کے پاکستان کی تاریخ میں ایک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ غازی علم الدین کی سزائے موت کے خلاف آخری اپیل کی پیروی خود قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کی تھی۔ جب غازی کی اپیل مسترد کر دی گئی اور غازی کو 31 اکتوبر 1929ء کو پھانسی پر لٹکایا گیا' تو تحریک پاکستانؒ کے فکری باپ علامہ محمد اقبالؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے کہا: "ہم محض باتیں کرتے رہ گئے جبکہ ترکھان کا بیٹا بازی جیت گیا۔" (1) پنجاب کے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ غازی علم الدین کو میانوالی' جہاں انہیں پھانسی دی گئی تھی' اس کے بجائے لاہور میں سپرد خاک کیا جائے۔ چنانچہ مسلمانوں کے ایک وفد نے جس میں علامہ محمد اقبالؒ' سر محمد شفیع' غلام محی الدین قصوری اور میاں عبدالعزیز (مالواڈہ) شامل تھے' نے گورنر پنجاب سے ملاقات کی اور غازی کو لاہور میں دفن کئے جانے کی اجازت طلب کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان مسلمان زعماء کے دلوں میں غازی علم الدین شہید کے لئے کتنی محبت اور عزت تھی۔

اسی طرح کے ایک اور واقعہ میں' ایک ہندو وکیل نتھو رام نے حضور نبی پاک ﷺ کی شان میں توہین آمیز کلمات کہہ کر مسلمانوں میں غصہ اور اشتعال پھیلایا۔ ایک نوجوان عبدالقیوم نے ستمبر ۱۹۳۴ء میں اس گستاخ وکیل کو کراچی کی بھری عدالت میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ انہیں بھی مسلمان آج تک غازی عبدالقیوم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ غازی پر برطانوی حکومت نے مقدمہ چلایا اور غازی عبدالقیومؒ کو موت کی سزا دی گئی۔ بعض لوگوں نے غازی کی سزا کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی جو مسترد کر دی گئی۔

---

(1) فقیر سید وحید الدین۔ روز گارِ فقیر۔ (لاہور : لائن آرٹ پریس' ۱۹۶۵ء) ج ۲' ص ۳۰۔۳۹' مزید دیکھئے ج ا ص ۱۰۹۔۱۱۳۔

غازی کی سزا پر عمل درآمد سے قبل مسلمانوں کے ایک وفد نے جس میں کراچی اور لاہور کے مسلم زعماء شامل تھے' علامہ محمد اقبالؒ سے ملاقات کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ غازی عبدالقیوم کی طرف سے برطانوی وائسرائے ہند کے پاس رحم کی اپیل کریں۔ علامہ اقبال بے حد متاثر ہوئے مگر وہ خاموش رہے اور ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔ کچھ دیر بعد جب وفد کے ارکان نے ان پر زور دیا تو انہوں نے پوچھا : "کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے۔" جب علامہ کو بتایا گیا کہ عبدالقیوم تو شہادت کے لئے بے چین ہے' تو علامہ اقبال نے گورنر سے رحم کی درخواست کرنے سے انکار کر دیا' کیونکہ اس طرح غازی عبدالقیوم شہادت کی موت سے محروم ہو جاتے' جس کے لئے ان کے دل میں تڑپ موجود تھی۔ (1) اس موقع پر علامہ قبالؒ نے اپنے جذبات کا اظہار ایک مختصر سی نظم میں کیا جس کا عنوان "لاہور اور کراچی" ہے۔ علامہ کی یہ نظم ان کی کتاب "ضرب کلیم" میں موجود ہے۔ اس نظام کا ایک شعر اس طرح ہے ؎

ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کے

میں نے ان واقعات کا تفصیلی ذکر صرف یہ بتانے کے لئے کیا ہے' کہ مسلمانوں کی اعلیٰ اور جدید تعلیم یافتہ قیادت اس اہم معاملہ میں نہ صرف جمہور مسلمانوں کے سے جذبات رکھتی تھی' بلکہ ان زعماء نے عوام سے مل کر ان غازیوں کے لئے قانونی اور سیاسی جنگ بھی لڑی۔ قائداعظمؒ کے بارے میں تو یہ بات طے شدہ ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی جھوٹا کیس ہاتھ میں نہیں لیا۔ انہوں نے کوئی فیس وصول کئے بغیر غازی علم الدین کا مقدمہ خود لاہور ہائی کورٹ میں لڑا۔ چنانچہ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے ان کے دلی جذبات کیا تھے۔

ان مقدمات میں ایک اور بات بھی مشترک نظر آتی ہے۔ ان تمام رضاکاروں نے گستاخ رسول کو قتل کرنے کے بعد فرار ہونے کے بجائے از خود برطانوی پولیس کے سامنے پیش ہو کر اقبال جرم کیا۔ ان میں سے تقریباً سبھی کو ان کے بہی خواہوں نے مشورہ دیا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے عدالت میں ارتکاب جرم سے انکار کر دیں لیکن سبھی نے ایسا کرنے

(1) فقیر سید وحید الدین' ایضاً' ص ۳۷۔۳۸

سے انکار کر دیا۔ بعض وکلاء نے اپنے مؤکلوں کو یہ موقف اختیار کرنے کا مشورہ دیا کہ اچانک اور شدید اشتعال کے باعث وہ خود پر قابو نہ رکھ سکے تھے' چنانچہ انتہائی اشتعال کے عالم میں یہ قتل سرزد ہوا۔ لیکن غازیوں نے وکلاء کا یہ مشورہ بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ' جیسا کہ خود ان کا کہنا تھا' وہ تو شہادت کی پاکیزہ سعادت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ حضور نبی کریمؐ کے دور کی طرح' توہین رسالتؐ کے ان مقدمات کا "فیصلہ" بھی گواہوں کی شہادت کی بنیاد پر نہیں بلکہ ملزموں کے رضاکارانہ "اقبال جرم" کی بنیاد پر ہی کیا گیا تھا۔

دفعہ 295 سی پر نکتہ چینی کرنے والوں کو اس قانونی دفعہ کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کرتے وقت اس تاریخ کو بھی اپنے ذہن میں رکھنا چاہیے۔ ہر شخص کو یہ بات صاف صاف معلوم ہونی چاہیے کہ ہر نوع کی سیاسی رائے رکھنے والے مسلمان' ان کا تعلق خواہ کسی بھی دینی مکتبہ فکر سے ہو' وہ دنیا کے کسی بھی خطے سے تعلق رکھتے ہوں' یا ان کا نسلی پس منظر کچھ ہی کیوں نہ ہو' توہین رسالتؐ کے معاملہ میں بے حد حساس ہیں اور وہ رسالتؐ کے تقدس پر کوئی سمجھوتہ کرنے کو ہرگز ہرگز تیار نہیں ہو سکتے۔

مذہب انجیل میں توہین' ایک موازنہ

توہین رسالتؐ کے قانون کی بنیاد جن اصولوں پر رکھی گئی ہے' مغربی دنیا میں "توہین خدا" (کلمہ کفر) کے تصور سے ان کا کوئی تعلق نہیں' چنانچہ ہم مغربی دنیا کے قوانین اور توہین رسالتؐ کے قانون کے درمیان موازنے کا مطالبہ کرتے۔ لیکن یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مغرب میں "کلمہ کفر" کے تصور کا تاریخی اعتبار سے جائزہ لیا جائے۔ یہ تجزیہ اس لئے بھی ناگزیر ہے کہ پاکستان میں توہین رسالتؐ کے قانون کے ناقدین' اس قانون کو مغرب میں قانون "توہین خدا" کی تاریخ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس قانون کے پردے میں کلیسا اور ریاست نے جو زیادتیاں کیں' ان کے باعث اس قانون کے خلاف بہ تدریج رد عمل ہوتا رہا جس کے نتیجے میں' بالآخر بعض ممالک میں تو یہ قانون منسوخ ہو گیا اور بعض میں برائے نام رہ گیا۔ کلیسا نے نہ صرف خود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وارث قرار دے لیا' بلکہ خود ہی حضرت عیسیٰؑ کی جگہ لے لی' اور یوں کلیسا خدا کا نمائندہ بن بیٹھا۔ نتیجہ یہ کہ کلیسا کے تصورات سے اختلاف کو "کلمہ کفر" (توہین خدا) قرار

دے کر مستوجب سزا گردانا گیا۔ یہ مشہور مقولہ کہ "تم وہ نہیں کرتے جو میں چاہتا ہوں" (1) اس ضمن میں کلیسا کے رویئے کا آئینہ دار سمجھا جاتا ہے۔ اس رویئے سے حصول علم اور بامعنی تحقیق و تفتیش کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

کلیسا میں علمیت کی گرتی ہوئی سطح اور ان کی سیاسی قوت میں اضافہ کے باعث کلیسا کے ناخداؤں نے ہر اس نظریئے کو جو ان کی پالیسیوں سے متصادم ہوتا "کلمہ کفر" اور "توہین خدا" قرار دینا شروع کر دیا۔ ریاست نے کلیسا کی ہدایات پر نہایت وفاداری سے عمل درآمد شروع کر دیا اور یوں کلیسا کے اثر و رسوخ میں اضافہ ہوتا رہا اور ریاست اس کے استحکام میں آلہ کار کا کردار ادا کرنے لگی۔ 1553ء میں انگلستان کی ملکہ الزبتھ (اول) نے بعض افراد کو زندہ جلوا دیا' کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ مسیح خدا نہیں ہیں' اور چھوٹے بچوں کو بپتسمہ دینے کی ضرورت نہیں۔ (2)

انگریزی زبان کا لفظ blasphemy دراصل یونانی لفظ ہے' جس کے لفظی معانی "بری باتیں کرنا' بدگوئی' ابہام طرازی یا ہتک عزت" ہیں۔ لیکن روزمرہ گفتگو میں اس سے ناپاک تقریر' مذہب یا خدا کے خلاف غلط اور توہین آمیز باتیں مراد لی جاتی ہیں۔ اخلاقیات و ادیان کی دائرہ معارف (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس) میں اس لفظ سے "گناہ' کلیسا یا پادری کے متعلق نصاریٰ اور یہود کے مذاہب اور دوسرے متعلقہ مذہبی مکاتب فکر کے خلاف جرم" مراد لی جاتی ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی (مشترکہ) روایات کے مطابق اس لفظ کو ان متبرک اقدار اور مذہبی عقاید کے خلاف جرم کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے' جن کا اعلان کلیسا کی طرف سے بطور مسیحی مذہبی اقدار اور معتقدات کے طور پر کیا جاتا ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ انجیل کے اصل متن کی دیانت دارانہ تعبیر و تفسیر کو بھی جو سرکاری کلیسا کی تعبیر سے متضاد ہو' کلمہ کفر یا "توہین خدا" قرار دیا جاتا ہے' بلکہ اسے "خدا کے خلاف بغاوت" (3) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن انجیل مقدس کے پرانے اور نئے عہد

---

1. ***Encyclopaedia of Religions***, New York, 1987, Vol 2, p. 240

2. *Ibid. p. 241*

3. ***Encyclopedia of Religions***, *p. 238.*

ناموں میں کلیسا کی رائے کو اتنا تقدس عطا نہیں کیا گیا۔ انجیل مقدس میں خدا کے خلاف نفرت انگیز زبان استعمال کرنے کی صاف صاف ممانعت کی گئی ہے۔ انجیل کے مطابق : ''تم خدا کے خلاف نفرت انگیز' توہین آمیز زبان استعمال نہیں کرو گے۔''(1) انجیل میں خدا کے نام کی توہین کی سزا موت مقرر کی گئی ہے۔ ''جو بھی خدا کے نام کی توہین کرے گا' اسے ضرور موت کے گھاٹ اتارا جائے گا اور اسے عام لوگ سنگسار کریں گے۔''(2) انجیل مقدس میں بعض دیگر حوالے بھی ملتے ہیں' جن کے مطابق خدا کے خلاف باتیں کرنا یا اس کے نام کو بدنام کرنے والے کو سنگین (سخت) سزا کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ کسی مسلم ریاست میں کسی غیر مسلم کی طرف سے خدا کے خلاف توہین آمیز کلمات کہنے پر اسے موت کی سزا نہیں دی جاتی' بلکہ یہ سزا صرف اور صرف توہین رسالتؐ کے مجرم کے لئے ہی مقرر کی گئی ہے۔ مسلم فقہاء نے خدا کی توہین اور توہین رسالتؐ پر سزا میں فرق پر تفصیلی بحث کی ہے۔

مسیحی روایات میں ''توہین'' (توہین مذہب یا خدا) کا تصور کبھی یکساں نہیں رہا۔ یہ ''جرم'' قدیم عبرانی زبان میں خدا کے پاک نام کی توہین سے لے کر بعض بے سروپا بیانات تک محیط ہے' جن سے کسی کے مذہبی جذبات و احساسات مجروح ہو سکتے ہیں۔ کیا چیز' کیا بات ''توہین'' یا ''کلمہ کفر'' قرار دیئے جانے کی مستحق ہے' اس کا تصور بھی ایک معاشرے سے دوسرے معاشرے تک اور ایک مقام سے دوسرے مقام بلکہ وقت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتا رہا ہے۔ لیکن جس بات کو بھی ''توہین آمیز'' گردانا گیا' اسے آزادی کا غلط استعمال ہی قرار دیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی بھی معاشرہ اس نوع کی ''توہین'' یا توہین آمیز کلمات برداشت نہیں کر سکتا۔ مسیحیت کی تاریخ میں کس نوع کے اعمال یا کلمات کو ''توہین مذہب'' یا ''توہین خدا'' قرار دیا جاتا رہا ہے' اس کی وضاحت کے لئے ہم درج ذیل امور کا ذکر کریں گے :

- حضرت عیسیٰ مسیح پر لعنت بھیجنا' ان کی شان میں بدگوئی' ان کی نبوت کو چیلنج کرنا' لعنت ملامت کرنا' ان کی ہنسی اڑانا یا ان کا انکار کرنا۔

---

1. Exodirs. PP 22 : 28

2. Leviticus PP 24-11

- خود کو حضرت عیسیٰؑ کی طرح کا یا ان کی جگہ ظاہر کرنا۔
- انؑ کی ہمسری کا دعویٰ کرنا۔
- انؑ کی بطور (نبی) استعداد اور ان کے سے اوصاف کا مالک ہونے کا دعویٰ کرنا۔
- خدا کے کسی کام یا روح القدس کو جس نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کے پیغام سے متحرک کیا' برائی یا غیر اخلاقی قرار دینا۔
- مذہب سے انکار یا مذہب سے پھر جانا (مرتد ہونا)۔
- حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سے انکار یا اختلاف کرنا۔(1)

یہ بات قابل غور ہے کہ ان اعمال میں سے بیش تر مذہب سے انکار یا ارتداد ہی سمجھے جاتے ہیں۔(2) دلچسپ بات یہ ہے کہ ان اعمال یا پیغمبر کے بارے میں کلمات کو پیغمبر کی توہین تصور نہیں کیا جاتا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی غیر مسلم اس بات سے انکار کرے کہ محمد ﷺ خدا کے رسولؐ ہیں' تو اسے توہین رسالتؐ کا ملزم قرار نہیں دیا جائے گا اور نہ اس قانون کے تحت اسے سزا کا مستوجب سمجھا جائے گا۔ اس طرح کوئی غیر مسلم رسول اللہؐ کی تعلیمات سے انکار کرے یا کسی ایک حکم سے اختلاف کرے تو وہ اس وقت توہین رسالتؐ کا ملزم نہیں ٹھیرایا جائے گا' جب تک وہ پیغمبرؐ یا ان کی تعلیمات کے بارے میں توہین آمیز کلمات استعمال نہ کرے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ عیسائیت میں "توہین" کے قانون کا نفاذ اور اس کا دائرہ عمل شاتم رسولؐ کے متعلق اسلامی قانون سے زیادہ وسیع ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں میں "توہین پیغمبر" کا جو تصور ہے' اس کے باعث بھی اس موضوع پر قانون کے اطلاق میں ترقی یا فروغ پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ 1611ء

---

1. Richard Webster, ***A Brief History of Blasphemy***(South World: The Orwell Press, 1990) pp. 19-44: / and, Stroud *Judicial* Dictionary
2. James Hastings. ed. ***Encyclopeadia of Religion and Ethics*** (New York, 1958) Vol. 2,pp 669-672

میں جب امریکہ کی ریاست ورجینیا میں پہلا قانون بنایا گیا' اس میں عیسائیت یا تثلیث (عیسائیوں کا عقیدہ) کی توہین پر موت کی سزا مقرر کی گئی۔ چنانچہ دوسری امریکی ریاستوں نے بھی ورجینیا کے قانون سازوں کی تقلید کی۔ ان سزاؤں میں جرمانہ' بدن کو داغنا' جلاوطن کرنا' کوڑے لگانا اور سزائے قید شامل ہیں' جو معمولی جرائم یا اعلیٰ سوسائٹی کے مجرموں کو دی جاتی تھیں۔ (1) تعلیم عام ہونے اور روشن خیالی کے دور میں اگرچہ ''توہین مذہب'' کے تحت مقدمات میں تو کمی ہوئی' مگر سزاؤں میں ''زبان میں سوراخ'' کی سزا کا اضافہ ہو گیا۔ (2)

یہ بات بڑی اہم ہے کہ توہین پیغمبر یا توہین مذہب کے مقدمات میں فیصلہ سناتے ہوئے انگلستان اور امریکہ کے جج صاحبان بھی بڑی حد تک انہی اصولوں سے رہنمائی حاصل کرتے' جو توہین رسالتؐ کے ضمن میں مسلم فقہاء کے ذہنوں میں رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر 1676ء میں ایک کاشت کار جون ٹیلر نے مذہب اور حضرت عیسیٰؑ دونوں کی توہین کی۔ اسے شاہی عدالت سے سزا دی گئی۔ اس وقت کے چیف جسٹس میتھیو ہب نے فیصلہ دیا کہ لادینی (سیکولر) عدالتوں کو توہین پیغمبر (یا توہین مذہب) کے مقدمات سماعت کا اختیار حاصل ہے اور وہ توہین کے مرتکب کو سزا سنا سکتی ہیں' اور یہ کہ عیسائیت ملکی قانون کا ایک حصہ ہے اور ریاست کو حکومت اور مذہب کو ختم کئے جانے کی کوششوں کے خلاف تحفظ دینا چاہئے۔ (3)

چیف جسٹس کے اس فیصلہ کا آخری حصہ خاص طور پر بہت اہم ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی توہین کا جرم مذہب (دین مسیح) اور حکومت کو ختم کرنے کی کوشش تصور کیا جائے گا۔

بعض مغربی عالموں نے بھی ''توہین'' کے مجرموں کو دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کی طرف سے سزا دینے کا حق تسلیم کیا ہے۔ ''انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز'' (مذاہب کی دائرۃ معارف) کے ایک مضمون نگار کارل۔ ڈبلیو۔ ارنسٹ نے تسلیم کیا کہ ''یہودی یا مسیحی مذہب کی روایات کو ہی ''توہین'' کے تصور پر اجارہ داری حاصل نہیں۔ کوئی بھی معاشرہ اپنے

---

1. ***Encyclopeadia of Religion,*** New York, 1987, Vol. 2 p. 241

2. Ibid.

3. **James Hastings, ed. *Encyclopeadia*** ..... p. 669-672

دیوتاؤں کی توہین یاان کو مسترد کرنے والوں کو ضرور سزا دیتا ہے' کیونکہ مذہب (یا پیغمبر) کی توہین ناقابل برداشت بات ہے۔ یہ پادریوں کے طبقہ کی توہین اور انہیں للکارنے کے مترادف ہے' اس سے عبادت گزاروں کے مضبوط اور دل میں رچے بسے عقاید اور بنیادی مذہبی اقدار کی شدید خلاف ورزی بلکہ اہانت ہوتی ہے' جو کسی بھی طبقے کے افراد میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں۔"(1)

ارنسٹ کے مطابق "توہین مذہب" (یا پیغمبر) تو ایک طرح سے کسی معاشرے کی ان اقدار اور معیار کا امتحان ہوتا ہے جو یہ معاشرہ مذہبی امن' نظم و ضبط' اخلاق اور سب سے بڑھ کر اخروی نجات کے لئے ناگزیر تصور کرتا ہے۔ جہاں کہیں بھی کوئی منظم مذہب موجود ہوگا' وہاں مذہبی نوعیت کی توہین یقیناً ممنوع اور قابل سزا ہوگی۔" (ایک اور) جج اروسٹ کا کہنا ہے کہ "توہین مذہب کے گھناؤنے جرم کی روک تھام کے لئے موت کی سزا آخری حربہ ہے۔"

قانونِ توہین رسالتؐ کے بارے میں غلط فہمیاں

ہمارے معاشرے کے بعض حلقوں کی طرف سے قانون توہین رسالتؐ کے متعلق غلط فہمیوں کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ان پر بحث سے قبل ہمیں یہ دیکھنا لیناچاہئے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے مطابق ریاست' جمہوریت' آزادی' مساوات' تحمل و برداشت اور سماجی انصاف کے اصولوں کی سربلندی کی ضامن ہے مگر اس طرح نہیں جس طرح یہ اصطلاحات مغربی معاشرے یا کسی بھی اور نظریاتی نظام میں سمجھی جاتی ہیں بلکہ ان اصطلاحات کو اسلام کے حوالے سے دیکھا اور سمجھا جائے گا۔ (آرٹیکل 23۔الف) یہ بات آئین کے حصہ "قرار داد مقاصد" میں کہی گئی ہے اور بانیان پاکستان نے قرار داد مقاصد کو آئین کا حصہ اس لئے قرار دیا ہے' کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان اصطلاحات کی تعبیر و تشریح اس طرح ہو جس طرح یورپ کی لادینی روایات یا کسی بھی اور ثقافت کی روایات کے تحت کی جاتی ہے' بلکہ وہ ان اصطلاحات پر اسلام کی روح کے مطابق عمل درآمد کے خواہش مند تھے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ' کسی شک و شبہ کے بغیر یہ بات بھی درست ہے کہ آئینِ پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں کو قانون' حکومتی پالیسی اور اخلاقی اصول و ضوابط کے مطابق

---

1. Encyclopeadia of Religions.

حقوق کی مکمل ضمانت دی گئی ہے۔ آئین پاکستان میں شہریوں کے حقوق و مراعات کی بعض حدود مقرر کی گئی ہیں۔ قانون کی اپنی ضروریات ہیں۔ جہاں تک سرکاری پالیسی یا اخلاقیات کا تعلق ہے' تو ان کی تعبیر و تشریح عوام کی اکثریت کے احساسات اور امنگوں کے مطابق ہی کی جائے گی۔

بعض لوگ اس قانون (قانون توہینِ رسالتؐ) پر اس لئے اضطراب محسوس کرتے ہیں' کہ وہ اسے آئین میں دیئے گئے بنیادی انسانی حقوق کے منافی تصور کرتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ اضطراب خود آئین پاکستان میں دی گئی' بلکہ نافذ کی گئی' حدود و قیود کی روشنی میں بلا جواز ہے۔ سیاسی طور پر بھی پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں کے لئے یہ بات قرین مصلحت نہیں کہ وہ اس قانون پر ناک بھوں چڑھائیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ نہیں جانتے تو جان لینا چاہئے کہ پاکستان کے مسلمان کسی بھی شخص کا' جن میں اقلیتیں بھی شامل ہیں' یہ دعویٰ کرنے کا حق تسلیم نہیں کرتے کہ انہیں کسی بھی بہانے یا کسی بھی طرح اسلام یا ان کے پیغمبر ﷺ کی توہین کی آزادی دے دی جائے۔ پاکستان کے مسلمانوں کے لئے یہ منطق قابل فہم نہیں ہو سکتی کہ تاریخ انسانی میں مقدس ترین اور سب سے زیادہ چاہے جانے والی شخصیت کی توہین کی اجازت دے دی جائے۔

پاکستان کے (نام نہاد) آزاد خیال دانش ور دراصل' خود اپنے نظریہ آزادی کی تنگ نظری اور تعصب کی تفہیم میں ناکام رہے ہیں۔ سائنسی انداز فکر اور آزاد خیالی کے نام پر جو کچھ کیا' اور کہا جا رہا ہے' وہ انسانی حقوق اور شائستگی کے لئے مذہب کے نام کی جانے والی باتوں اور اعمال سے زیادہ تباہ کن ثابت ہوا ہے۔

18ویں اور 19ویں صدی میں آزاد خیالی کے علم برداروں نے مسلم ہند کے ساتھ جو ظلم و ستم روا رکھا' وہ تو ایک کھلی حقیقت ہے۔ اسی طرح 20ویں صدی کے اوائل میں آزاد خیالی کے حامل بائیں بازو کے گروہوں نے وسطی ایشیا اور آج کے بوسنیا اور کوسووو میں جو کچھ کیا ہے' اس کی تو وضاحت کی ضرورت ہی نہیں۔ انڈین نیشنل کانگریس کے آزاد خیال (جن میں نہرو خاندان بھی شامل ہے) افراد بھی یہی کچھ کرتے رہے ہیں۔ عراق' ایران' لیبیا اور الجزائر کے ساتھ آزاد خیال مغرب جو کچھ کر رہا ہے' اس پر تو تبصرہ کی ضرورت ہی نہیں۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کو ایسے عناصر کی دلجوئی کے لئے اپنی بنیادی

اقدار اور اپنی قومی شناخت کی بنیاد سے ہی صرف نظر کرنے کے لئے کہا جارہا ہے' جنہوں نے ہمارے ساتھ کبھی رواداری کا سلوک روا نہیں رکھا۔

بعض لوگ قانون توہینِ رسالتؐ پر اس لئے اعتراض کرتے ہیں کہ 'ان کے خیال کے مطابق' یہ قانون لادینی نظریات سے ہم آہنگ نہیں۔ مگر وہ یہ بنیادی بات فراموش کر دیتے ہیں کہ پاکستان کبھی بھی ایک لادین (سیکولر) ملک نہیں رہا' نہ یہ مملکت لادینیت کی بنیاد پر معرض وجود میں آئی ہے۔ بلکہ یہ ملک تو اس وقت وجود میں آیا جب متحدہ ہندوستانی قومیت کے نظریہ کو' جس کی انڈین نیشنل کانگریس موید اور حامی تھی' مسلمانوں نے بطور ایک قوم کے مسترد کر دیا اور کہا کہ ان کی شناخت تو صرف اور صرف اسلام ہی ہے۔ چنانچہ پاکستان سے یہ توقع رکھنا عبث ہوگا کہ وہ دوسری لادینی مملکتوں کی طرح کا رویہ اور پالیسیاں اختیار کرے گا۔ قطع نظر اس کے کہ دوسری لادینی ریاستیں' خواہ وہاں اقتدار میں مسلمان ہی کیوں نہ شامل ہوں' ایسے معاملات میں ایسا طرز عمل اختیار کرتی ہیں۔

بعض لوگ حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے انکار کو ان کی شخصیت سے خلط ملط کر دیتے ہیں۔ جبکہ یہ دونوں باتیں ایک دوسری سے بالکل مختلف ہیں۔ کسی بھی غیر مسلم کو اس امر کی آزادی ہے کہ وہ حضور اکرمؐ کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر تسلیم نہ کرے یا ان کی نبوت سے انکار کرے' لیکن کسی کو پیغمبر اسلامؐ کی توہین کی اجازت نہیں دی جا سکتی اور نہ ہی ان کے خلاف توہین آمیز کلمات کو برداشت کیا جاسکتا ہے۔

اعلیٰ مناصب پر یا معاشرے میں اعلیٰ مقام پر فائز بعض افراد تو اس قانون کے خلاف بڑے عجیب دلائل لائے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قانون کی تنفیذ اور عدلیہ میں انحطاط کے پیش نظر کسی شخص کو توہین رسالتؐ کے جرم میں سزا دینا بے معنی بات ہے۔ اگر یہ دلیل تسلیم کر لی جائے تو صرف پاکستان ہی میں نہیں' دنیا کے تمام ممالک میں قوانین کو ختم کر دینا چاہئے' کیونکہ جدید دنیا میں تو امن و امان کی صورت حال کبھی تسلی بخش نہیں رہی۔

بد قسمتی سے ہمارے بعض فیصلہ ساز حضرات بھی انہی غلط فہمیوں کا شکار رہے ہیں اور وہ اکثر اوقات اس قانون کے بارے میں اپنے ذہنی تحفظات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ گذشتہ دنوں حکومت نے چار مسلمانوں اور چار اقلیتی ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی ہے۔ اس کمیٹی کے مسلم ارکان میں نہ تو کوئی عالم دین شامل کیا اور نہ کسی ماہر قانون کو شامل کیا گیا۔

اس کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ دفعہ 295 سی کے تحت مقدمات میں ایک مختلف طریق کار اپنایا جانا چاہیے۔ اس طریق کار کے مطابق پولیس کو یہ اختیار دینے کی تجویز ہے کہ وہ توہین رسالتؐ کے الزام کی پہلے تحقیقات کرے اور میرٹ پر مقدمہ (ایف آئی آر) کے اندراج یا الزام مسترد کرنے کا فیصلہ کرے۔

یہ تجویز بے حد سنگین مضمرات کی حامل ہے۔ اس تجویز پر عمل کرنے سے ایک طرف تو مقدمہ کے اندراج اور ملزم کے خلاف کارروائی میں تاخیر سے امن وامان کا مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے' جو ملزم اور دوسرے مشتبہ افراد کے قتل پر بھی منتج ہو سکتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف یہ تجویز ملزم کو قانونی دفاع کے حق سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔ علاوہ ازیں رپورٹ کے اندراج میں تاخیر سے مقدمے کے قانونی جواز کے بارے میں بھی شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ مزید برآں پولیس کی کارکردگی کے بارے میں مضبوط تحفظات کے باعث توہینِ رسالتؐ کی شکایت کے قانونی جواز کے بارے میں پولیس کے کردار میں اضافہ اور پھر ایسی شکایت کو مسترد کرنے کے اختیار سے تو یہ قانون ہی کالعدم ہو کر رہ جائے گا' جو عدلیہ کے تحفظ پر بھی ایک حملے کے مترادف ہے۔

بعض لوگوں نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ اگر توہین رسالتؐ کی شکایت (یا الزام) عدالت میں ثابت نہ ہو سکے تو الزام عاید کرنے والے کو سزا دینے کا خاص قانون بنایا جانا چاہیے۔ یہ تجویز قانون اور انصاف کے تمام اصولوں کے منافی ہے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں عدالتی نظام تیزی سے روبہ انحطاط محسوس ہوتا ہے' جہاں مدعی اور شکایت کنندگان کو کوئی تحفظ حاصل نہیں' جہاں کمرہ عدالت میں گواہوں کو دھمکیاں دی جاتی ہیں' جہاں عدالتوں کے احاطہ میں فریق مقدمہ کو قتل کر دیا جاتا ہے اور مخالفوں کو موت کے سپرد کرنا معمول بن چکا ہے' وہاں پر ایسی ترمیم سے اس قانون کے تحت توہین رسالتؐ کے مجرموں کو سزا دینے کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے۔ بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ اگر اس کی شکایت مسترد کر دی گئی تو خود اسے بھی سزا کا مستوجب گردانا جا سکتا ہے' کون شکایت درج کرانے کے لئے آگے آئے گا۔ مزید برآں جب نہ صرف قانون سازوں اور اعلیٰ سرکاری حکام بلکہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ہمدردیاں بھی کروڑوں مسلمانوں کے بجائے' جن کے محبوب پیغمبرؐ کی توہین ہو گی' توہین کے مرتکب افراد کے ساتھ ہوں گی' تو مسلمانوں کے لئے کوئی قابل عمل قانونی مداوا ہی نہ ہو گا۔

پھر مجوزہ ترمیم' جس کے تحت غلط شکایت کرنے والے کے لئے سزا تجویز کی گئی ہے۔ بلا ضرورت اور بلا جواز ہے کیونکہ پاکستان کے "ضابطہ تعزیرات" اور "ضابطہ فوجداری" میں جھوٹی اطلاع' جس کا مقصد کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچانا ہو' دینے والے کو سزا کی دفعات پہلے ہی موجود ہیں' پاکستان کے "ضابطہ فوجداری" کی باب 10 اور 11 میں اس نوع کے مختلف مقدمات جن میں جھوٹی گواہی دینا اور انصاف کے منافی جرائم شامل ہیں' سے نمٹنے کے لئے دفعات واضح طور پر شامل ہیں۔ چنانچہ توہین رسالتؐ کا ارتکاب کرنے والوں کے حق میں امتیازی قوانین کے حجائے "ضابطہ فوجداری" کے باب 11 میں شامل دفعات کو مزید سادہ' آسان اور مؤثر بنایا جانا چاہئے۔

مباحث

● (چیئرمین) ڈاکٹر ایس ایم زمان : میری خواہش ہے کہ یہ اجلاس حصول علم کی ایک کوشش سمجھا جائے جیسا کہ ہمارے رسول مقبولؐ نے فرمایا ہے کہ ہمیں مہد سے لحد تک علم حاصل کرنا چاہئے۔ چنانچہ آیئے ہم اس بارے میں سوالات کریں۔

● ڈاکٹر ممتاز احمد : قومی اسمبلی نے ایک قانون منظور کیا ہے جس کے تحت ایک کلو گرام سے زاید منشیات قبضہ میں رکھنے والے افراد کے لئے سزائے موت مقرر کی گئی ہے۔ اسی طرح پاکستان کے ضابطہ تعزیرات میں کئی دوسرے جرائم کے لئے بھی موت کی سزا مقرر ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ کہ آپ دفعہ 295 سی کو ہی انسانی حقوق کے منافی تصور کرتے ہیں اور دوسرے قوانین کو ایسا کیوں نہیں سمجھتے ؟

● آئی اے رحمان : میں نے سزائے موت کا تذکرہ اس لئے کیا تھا کہ میں توہین رسالتؐ کے قانون پر بحث کر رہا تھا۔ میرے پیشہ سے تعلق رکھنے والے لوگ جو موت کی سزا کے ہی مخالف ہیں' وہ تو ہر مقدمہ میں اس سزا کے خلاف ہیں۔ انسانی حقوق کے لئے ایک سرگرم فرد کی حیثیت میں' میرا یہ ایمان ہے کہ جب آپ کسی شخص کو جان سے مار دیتے ہیں' تو آپ اسے اصلاح کا موقع دینے سے انکار کرتے ہیں۔ ہمارا تو مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو لاعلمی کے باعث یا کسی جرم کے تحت موت سے محفوظ رکھا جائے۔

● صاحبزادہ محب الحق : آپ کا عندیہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان ایک لادینی ریاست ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان آزادی کے وقت سے ہی ایک لادینی

مملکت رہا ہے ؟ یا کیا پاکستان' صرف صدر ضیاء الحق کے دور میں ایک نظریاتی ریاست بن گیا تھا ؟ اگر ضیاء الحق مرحوم کا دور اسلامی یا غیر لادینی تھا' آپ کے خیال میں اس کے بعد وہ کون سی بنیادی تبدیلیاں روبہ عمل آئی ہیں کہ اب پاکستان ایک لادینی ریاست بن چکا ہے ؟ کیا آپ کو اس ملک کو "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کہنے پر اعتراض ہے ؟ آپ توہین رسالتؐ کے ملزم کی ذہنی پریشانی کے بارے میں بھی متفکر معلوم ہوتے ہیں' لیکن آپ اس حزن و ملال کے بارے میں متفکر معلوم نہیں ہوتے' جو توہین رسالتؐ پر اس ملک کے کروڑوں مسلمانوں کو لاحق ہوتا ہے ؟ کیا یہ انسانی حقوق کی زیادہ بڑی خلاف ورزی نہیں ہے ؟

● آئی۔اے رحمان : میں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ کسی ایسی بات کو لادینی بنانے کی ضرورت ہی نہیں جو اپنی اصل میں لادینی ہو۔ یہ تو تاریخ کی تعبیر و تشریح اور انسان کی ذہنی اپچ ہے۔ ہم نے ابھی تک اس موضوع پر کھلے دل سے بحث مباحثہ نہیں کیا' یا پھر میں بعض نامور علمائے دین کے خیالات پیش کرتا جنہوں نے پاکستان کے مطالبہ کی اس لئے مخالفت کی' جیسا کہ وہ تصور کر رہے تھے کہ اس مطالبہ کا مقصد اسلامی ریاست کا قیام نہیں' بلکہ مسلمان قوم کے ملک کا قیام ہے۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہم نے اس ریاست کے قیام سے قبل اس کی مذہبی شناخت کے بارے میں تو کچھ نہیں سنا تھا۔ لیکن جب علما کے ایک گروہ نے حکومت کو اس معاملے میں اپنے مطالبات پیش کئے تو ہم نے پاکستان کی اسلامی شناخت کے بارے میں بھی سنا۔ اس سوال پر جتنی چاہیں بحث ہو سکتی ہے' لیکن میں کسی ایرے غیرے کی کوئی بات یہاں پیش کرنا نہیں چاہتا' کیونکہ اس سے موضوع کی بنیادی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لوگ ایسی صورت حال میں ایک ہی کتاب سے اقتباسات پیش کرتے ہیں اور ان کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے مختلف نتائج اخذ کرتے ہیں' لیکن اس کے بعد کوئی شخص بھی زیادہ معاملہ فہمی کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ میں یہ کہوں گا کہ "قرار داد مقاصد" کی منظوری تک پاکستان کوئی مذہبی ریاست نہیں تھا۔ مجھے علم ہے کہ لوگ "لادینیت" کے لفظ کو ہی پسند نہیں کرتے کیونکہ اردو اخبارات نے اسے سوقیانہ بنادیا ہے۔ ہمارا ملک کبھی بھی مذہبی ریاست نہیں تھا۔ مذہب کی طرف ملک کا رجحان 1956ء میں شروع ہوا اور 1970ء کے عشرے میں یہ رجحان واضح ہو گیا۔ اگرچہ مجھے حیرت ہے کہ 1973ء یا اس کے بعد 70ء کے عشرے میں ایسے کوئی اقدامات روبہ عمل نہیں آتے تھے' جن کا مقصد پاکستان میں ایک حقیقی اسلامی ریاست کا

قیام ہو۔ میرا ذاتی نقطہ نظر' جسے کوئی بھی آزادی کے ساتھ مسترد کر سکتا ہے' یہ ہے کہ جو بھی اقدامات (پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے لئے) کئے گئے تھے وہ ریاست کے ساتھ محبت اور وابستگی سے زیادہ سیاسی بلکہ اقتدار کے لئے رسہ کشی کا جزو تھے۔ مجھے اس بارے میں شک ہے کہ بعض جملوں یا خیالات کے آئین میں شمولیت سے کوئی ریاست مذہبی یا نظریاتی مملکت بن سکتی ہے۔ متحدہ عرب جمہوریہ کے آئین میں' جو نامور غیر مذہبی انقلابیوں نے مرتب کیا تھا' اسلام کو ریاست کا مذہب قرار دیا گیا ہے' لیکن یہ ملک آج بھی لادینی مملکت کے طور پر ہی کام کر رہا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ کسی ملک کے نام کے ساتھ "اسلامی" کے لفظ کا اضافہ کرنے سے یہ ملک "اسلامی جمہوریہ" بن سکتا ہے' نادانی ہی قرار دیا جائے گا۔

یہ سوچنا تو اور بھی نادانی کا کام ہو گا کہ "قرار داد مقاصد" میں ایک لفظ کی تبدیلی اور آئین میں دو ایسی قرار دادیں شامل کر لینے سے آپ معاشرے کی ایک خاص انداز میں اصلاح کر سکتے ہیں۔ ہمیں زیادہ گہری سوچ و فکر سے کام لینا ہو گا اور معتقدات کو معاشرے کے چلن سے الگ کرنا ہو گا۔ تاریخی اعتبار سے تو ہم ہمیشہ سے مسلمان ہی چلے آ رہے ہیں' لیکن ریاست اور معاشرے کے متعلق ہمارا رویہ ہمیشہ لادینیت پر مبنی (سیکولر) ہی رہا ہے۔ بسا اوقات سیاسی مطالبات کو مذہبی احکام یا احکام خداوندی کے روپ میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ میں تو یہ کہوں گا کہ پاکستان نہ تو کبھی مکمل طور پر غیر مذہبی ریاست رہا ہے اور نہ کبھی اسے حقیقی اسلامی مملکت ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے بلکہ یہ تو ایک ایسا "آمیزہ" رہا ہے جو وقت کے حکمرانوں کے مقاصد پورے کرنے کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔

● **ڈاکٹر پرویز ہود بھائی** : میں ڈاکٹر محمود احمد غازی سے یہ جاننا چاہوں گا کہ توہین رسالتؐ کی "تعریف" کیا ہے' کیونکہ بریلوی مکتبہ فکر کے افراد اور دیوبندی حضرات تو اکثر ایک دوسرے پر توہین رسالتؐ کا الزام لگاتے رہتے ہیں؟

● **محمود احمد غازی** : دیوبندی اور بریلوی حضرات تو بلاشبہ ایک دوسرے کے خلاف بہت سی باتیں کرتے رہتے ہیں' لیکن میرے علم میں یہ بات ہرگز نہیں کہ ان میں سے کسی نے دوسرے پر توہین رسالتؐ کا الزام عاید کیا ہو۔ توہین رسالتؐ کا قانون جو حال ہی میں پاکستان میں تیار اور نافذ کیا گیا ہے' بڑا واضح ہے۔ مثال کے طور پر اس قانون کے متن میں (انگریزی کے) دو الفاظ *defile* (بے حرمتی) اور *darogatory* (توہین آمیز)

استعمال کیئے گئے ہیں۔ یہ دونوں الفاظ قانون کی کتاب میں سو سال سے بھی زاید عرصے سے موجود چلے آرہے ہیں۔ چنانچہ انہی نظریات کی بنیاد پر یہ قانون موثر طور پر تشکیل و تنفیذ پایا ہے۔پاکستان کے "ضابطہ فوجداری" کے مخصوص باب کی مختلف دفعات میں بھی یہی الفاظ و تراکیب استعمال کی گئی ہیں۔ چنانچہ ہمارے لئے توہین رسالتؐ کے تصور کی از سر نو تعریف ضروری نہیں۔ پھر ہم مغرب میں توہین پیغمبر (یا توہین خدا) کے تصور کے تناظر میں بحث نہیں کر رہے۔ ان کا تصور توہین پیغمبر ہم سے مختلف ہو سکتا ہے۔ پھر ریاست اور کلیسا کے درمیان تضاد (یا تصادم) کے بارے میں بھی ان کے خیالات ہم سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ پھر کلیسا نے کس طرح اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے معاشرے اور زندگی کو ہی کنٹرول کرنے کی کوشش کی، اس بارے میں بھی ان کی اور ہماری تفہیم مختلف ہو سکتی ہے۔ ہمارا مطمح نظر، ہماری تشویش تو اس امر تک محدود ہے کہ آیا ہمیں کسی کو توہین مصطفیٰ ﷺ کی اجازت دینی چاہئے ؟

اب "توہین" ایک واضح اصطلاح ہے جو وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے اور اگر کوئی فرد توہین رسالتؐ کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ اس قانون کی صریح خلاف ورزی ہو گی، جو قانون کی کتاب میں موجود ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص توہین رسالتؐ کا مرتکب نہیں ہوتا، تو اس کا عمل قانون کی خلاف ورزی تصور نہیں ہو گا۔ پھر یہ فیصلہ کہ کوئی عمل "توہین رسالت" کی ذیل میں آتا ہے یا نہیں۔ یہ فیصلہ کسی دیوبندی یا بریلوی مکتبہ فکر کے مولوی کو نہیں کرنا بلکہ یہ فیصلہ تو عدالت کرے گی۔ لفظ "توہین" (insult) پر مختلف سطحوں پر سیر حاصل بحث مباحثہ ہو چکا ہے۔ عدالتی نظائر بھی موجود ہیں اور ہر نوع کے فکر کے حامل فقہاء نے بھی اس لفظ (یا اصطلاح) کی تعبیر و تشریح کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے بھی عدالتی نظائر اور فقہاء نے سیاق و سباق کے مطالعہ کے تناظر میں اس موضوع میں جو کچھ پیش کیا ہے، اس کی روشنی میں میرے خیال میں ہمیں "توہین رسالتؐ" کو اسلام یا پاکستان کے پس منظر میں از سر نو بیان کرنے یا اس کی "تعریف" متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔

● **پروفیسر خواجہ مسعود** : ایک بوڑھی عورت کے بارے میں ایک حدیث مبارکہ ہے جو حضور نبی کریمؐ پر کوڑا پھینکا کرتی تھی اور بد زبانی کی بھی مرتکب ہوتی تھی مگر اللہ کے نبی پاکؐ نے تو اسے معاف فرما دیا تھا؟

● **محمود احمد غازی** : حضور نبی کریمؐ نے 20 سال تک تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کیا۔ اس عمل کے دوران انہوں نے ایک مکمل قانون بنایا' ثقافت کا ایک نیا نظریہ بنی نوع انسان کو دیا۔ ایک نئے معاشرے کی تشکیل کی اور مختلف اوقات و مختلف تناظر میں انہوں نے مسلمانوں کو صحیح اخلاق کی تربیت دی۔

ایک بڑھیا کی طرف سے رسول کریمؐ پر کوڑا کرکٹ پھینکنے کا واقعہ مکہ کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ جب چند لوگوں نے ہی اسلام قبول کیا تھا اور یہ عورت حضور نبی کریمؐ کے چچا ابو لہب کی اہلیہ تھی۔ چنانچہ حضور نبی کریمؐ رشتہ داری کے خیال اور خود اپنے بلند اخلاق کی وجہ سے اس عورت کے اس اقدام کو نظر انداز کرتے رہے۔ لیکن جب اللہ کے نبی پاکؐ مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے خود توہین رسالتؐ کے مرتکب بعض افراد کو موت کی سزا دینے کا حکم صادر فرمایا۔ مدینہ میں تین یا چار افراد اور مکہ مکرمہ میں بھی ایک شخص کو حضورؐ کے حکم پر سزائے موت دی گئی۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حضورؐ کی حیات طیبہ کے دوران' توہین رسالتؐ کے چار پانچ ایسے واقعات بھی پیش آئے' جن میں حضور نبی کریمؐ نے خود مجرموں کو معاف فرمادیا۔

ایسے واقعات پر مسلم علماء نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان مسلم علماء کا اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ اپنی توہین کرنے والے کو معاف کرنا صرف اور صرف پیغمبر کا ہی استحقاق ہے۔ اپنی حیات طیبہ کے دوران نبی کریمؐ کسی کو بھی معاف فرما سکتے تھے۔ کیونکہ توہین تو خود ان کی ہی ہوئی تھی' لیکن نبیؐ کے پیروکار ہونے کے ناتے ہم نبی پاکؐ کی طرف سے کسی (مرتکب توہین رسالتؐ) کو معاف نہیں کر سکتے۔ ہاں! اگر پیغمبر ﷺ نے ہمیں یہ اختیار دیا ہوتا تو ہم یقیناً وہی کرتے جو پیغمبر نے کیا تھا۔

جہاں تک حضور نبی کریمؐ کے رحمت اللعالمین ہونے کا تعلق ہے' وہ خود فرماتے ہیں کہ وہ کسی ناصاف' ملاوٹ شدہ شریعت کے پیروکار نہیں' جیسی کہ یہود سے منسوب کی جاتی ہے جو انسانی رویہ کے صرف ایک رخ پر ہی زور دیتی ہے۔ بلکہ وہ ایک متوازن اور جامع نظام حیات لائے ہیں۔ چنانچہ حضور نبی کریمؐ جہاں ایک طرف رحمت ہیں وہاں دوسری طرف وہ ایک مجاہد بھی ہیں۔ ان کا اپنا فرمان ہے کہ ''میں نبی الملحمہ اور نبی المرحمہ ہوں'' میں جہاد (اللہ کی راہ میں جنگ) کا نبیؐ ہوں اور میں رحمت والا نبیؐ ہوں۔ چنانچہ رحمت

اور جنگ ساتھ ساتھ چلیں گے۔ جب رحم کی ضرورت ہو گی تو رحم ضرور کیا جائے گا اور جب اللہ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کا موقع ہو گا تو جنگ کا عزم ہی روبہ کار آئے گا۔ ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

● **پروفیسر خورشید احمد** : آپ ایک اچھے قانون کی معقول بنیاد فراہم کرنے کے لئے عوام کی مرضی روبہ کار لانے کی بات کرتے ہیں۔ پھر (مثال کے طور پر) ایک فوجی آمر ضیاء الحق کے مسلط کردہ ایک قانون کی تو آپ ملامت کرتے ہیں، مگر ایک فوجی آمر ایوب خاں کے مسلط کردہ ایک عائلی قانون (فیملی لا آرڈیننس) کی آپ تعریف و توصیف کرتے ہیں اور یوں عوام کی مرضی کو بڑی آسانی کے ساتھ نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

● **آئی اے رحمان** : تمام ایسے قوانین جو عوام کی مرضی معلوم کئے بغیر بنائے اور نافذ کئے جاتے ہیں، برے قوانین ہیں خواہ وہ کسی نے بھی بنائے اور مسلط کئے ہوں۔ عائلی قوانین کا آرڈیننس تو ایک فوجی آمر نے ہی تیار کرایا تھا لیکن اسے اس دور کی اسمبلی سے منظور کر دیا گیا تھا۔

● **پروفیسر خورشید احمد** : نہیں بالکل نہیں۔

● **آئی اے رحمان** : میں اپنی غلطی فہمی دور کر لیتا ہوں۔ ہمارے ہاں ایسے کئی آرڈیننس موجود ہیں جو طویل عرصہ کے دوران غیر نمائندہ حکمرانوں نے جاری کئے اور میرا ذاتی طور پر مؤقف یہ ہے کہ ان تمام قوانین پر قومی اسمبلی کے منتخب ارکان کو نظر ثانی کرنی چاہئے۔

● **پروفیسر خورشید احمد** : ریکارڈ کی درستگی کے لئے میں یہ عرض کر دوں کہ فیملی لاء آرڈیننس (عائلی قوانین 1961ء) کو 1962ء کے آئین میں تحفظ دیا گیا تھا، چنانچہ یہ قانون کبھی اسمبلی میں پیش نہیں کیا گیا۔ بہر حال میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر عوام کی مرضی قانون سازی کے لئے ضروری ہے اور اس سے کسی قانون کو جواز ملتا ہے، تو کیا آپ ایک مسلم ریاست میں مسلمانوں کو یہ حق دیں گے کہ وہ اسلام کے مطابق قانون سازی کریں؟ کیا ایسے قوانین (جو عوام کی مرضی سے بنیں گے) اچھے قوانین ہوں گے ؟

● **آئی اے رحمان** : پاکستان کی طرح کسی بھی معاشرے میں مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے جمہوری حق کا استعمال کرتے ہوئے قانون سازی کریں۔ وہ غلطی بھی کر سکتے ہیں لیکن اس عمل کے دوران غلطیوں کو درست کیا جا سکتا ہے۔

● **پروفیسر خورشید احمد** : میرا خیال ہے کہ میں اپنا مطلب واضح نہیں کر سکا۔ میں تو یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ اگر کوئی مسلم معاشرہ قرآن حکیم کے احکام سے متاثر ہو کر قانون سازی کرے' تو کیا آپ مسلم عوام کو یہ اختیار دیں گے کہ وہ صحیح قانون بنا سکیں؟

● **آئی اے رحمان** : میرا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی قوم جو کسی بات پر یقین (ایمان) رکھتی ہے' اسے اس کے مطابق قانون بنانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ ممکن ہے میں اس (قانون) سے اتفاق نہ کروں' لیکن عوام کو اس پر آزادی سے بحث مباحثہ کی اجازت ہونی چاہئے۔ اگر کسی معاشرے کے عوام کی اکثریت ایسے افراد کو منتخب کرتی ہے جو ایسے (اسلامی) قوانین بنانے کی طرف مائل ہوں تو انہیں ایسا کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔

● **پروفیسر خورشید احمد** : یہاں پر زیر بحث قانون توہین رسالتؐ کے متعلق "ضابطہ فوجداری" میں ترمیم ایک منتخب قومی اسمبلی نے کی ہے' جس کی سینٹ نے بھی توثیق کی ہے۔ پھر صدر مملکت نے اس کی منظوری دی ہے اور یہ کوئی آرڈیننس نہیں بلکہ ایک قانون ہے۔

● **آئی اے رحمان** : کیا میں آپ کو یاد دلا سکتا ہوں کہ یہ بل جب منظور کیا گیا تھا تو اس میں موت کے علاوہ متبادل سزا بھی شامل تھی' مگر وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کے پیش نظر سینٹ میں بل پیش نہیں کیا گیا' تاکہ متبادل سزا ختم کی جا سکے۔ سینٹ میں ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے جسے بل پر نظر ثانی کرنا تھی۔ کمیٹی نے یہ نقطہ نظر پیش کیا کہ بل میں "جرم" کی تعریف مبہم ہے۔ کمیٹی نے یہ بھی معلوم کرنا چاہا کہ خود رسول کریمؐ کے دور مبارک میں' اور اس کے بعد' مسلمانوں نے توہین رسالتؐ کے مقدمات کا فیصلہ کس طرح کیا۔ دراصل یہ قانون' ہمارے ہاں قانون سازی کی ایک مخصوص مثال ہے۔ سینٹ میں یہ بل ہنگامی انداز میں منظور کر لیا گیا' کیونکہ ہمارے قانون سازوں کے پاس قانون سازی کے لئے وقت نہیں تھا۔ چنانچہ یہ کہا گیا کہ یہ بل شام تک سینٹ کا اجلاس ملتوی ہونے سے قبل بہر حال منظور کیا جانا چاہئے۔ 1992ء میں یہ بل دوبارہ قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ اس پر ڈیڑھ دن بحث ہوئی

پھر اسے ایجنڈے سے نکال دیا گیا۔ (بعد میں یہ بل ترمیم کے ساتھ منظور کر لیا گیا تھا۔)

● **پروفیسر خورشید احمد** : اگر کسی زمانے کی ایک ہی روح ہو' جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے' تو کیا ہم ایک بالادست قوت کی ذہنی غلامی اور ثقافتی جبر کی طرف نہیں بڑھ رہے ؟ ایسے ماحول میں بھلا معاشرتی اور ثقافتی تکثیر (ایک سے زائد کیفیات کا یکجا ہونا) کیسے معرض وجود میں آسکتی ہے ؟

● **آئی اے رحمان** : نہیں' مجھے افسوس ہے کہ میں اپنا مفہوم سمجھا نہیں سکا۔ کسی معاشرے میں اقتصادی اور سیاسی بالادستی تو ہو سکتی ہے لیکن فی نفسہ مکمل اقدار پر بالادستی ممکن نہیں۔ میں نے زمانے کی روح کی طرف اس انداز میں اشارا نہیں کیا جس کا اظہار آپ نے فرمایا ہے۔ میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ جب بعض نظریات و تصورات ''اقدار'' کے طور پر مسلّم ہو جاتے ہیں تو وہ عالمگیر سطح پر قرار پاتے ہیں اور ہر کوئی انہیں تسلیم کر لیتا ہے۔ مثال کے طور پر ''حق خود ارادیت'' کو پیش کیا جا سکتا ہے' جو عالمی سطح پر ایک ''قابل قبول قدر'' ہے۔ اسی طرح جمہوریت کو اس دور کی روح کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے' جس سے جمہوریت کے بد ترین دشمن بھی انکار نہیں کر پاتے' اور نہ تحمل و برداشت کو بطور اقدار کے کبھی چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایک وقت ایسا تھا جب ان اقدار کو چیلنج کیا جاتا تھا۔

اگر میں نے ڈاکٹر غازی صاحب کی باتوں کو صحیح طور پر سنا ہے تو وہ قرون وسطیٰ میں غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ مسلمانوں کے رویئے کا آج کے یورپی معاشرے میں مسلم اقلیتوں کے ساتھ رویئے سے تقابل کر رہے تھے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ایک متحمل قوم رہے ہیں' لیکن آج ہمارا مخمصہ یہ ہے کہ ہم اپنے احساس کمتری کی رو میں بہہ جاتے ہیں اور وہ باتیں دوسروں سے منسوب کر دیتے ہیں جو خود ہمارا ادعا ہونا چاہئیں۔ ماضی میں ہمارے علما یہ دعویٰ کرتے رہے ہیں کہ ہم نے مغرب کو جمہوریت اور مساوات کا تصور دیا' لیکن اب ہم کیوں ذہنی پسپائی کی اس سطح پر آگئے ہیں کہ ہم ہر بات مغرب والوں سے ہی منسوب کرتے چلے جا رہے ہیں ؟ میں تو اس صورت حال کو بالکل نہیں سمجھ سکا! انسانی زندگی کا احترام اور باہمی لحاظ و مروت جیسی اقدار ہرگز ہرگز مغرب کی اجارہ داری نہیں' ہم (مسلمانوں) نے ان اقدار کے فروغ میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم دنیا کو مملکتوں یا خطوں میں تو تقسیم کر سکتے ہیں' لیکن ہم انسانی اقدار کے حوالے سے دنیا کو تقسیم

نہیں کر سکتے۔

● **پروفیسر خورشید احمد** : کیا آپ مغرب میں انسانی حقوق کے تصور کو درپیش چیلنج پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟ وہاں انفرادی حقوق پر تو بڑا زور دیا جاتا ہے لیکن برادریوں اور گروپوں کے ثقافتی' مذہبی اور اقتصادی حقوق کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

● **آئی اے رحمان** : یہ کہنا قرین انصاف نہیں کہ انسانی حقوق کا جدید تصور صرف "انفرادیت" پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسی تصور میں گروپوں' برادریوں بلکہ ہر نوع کے دیگر گروہوں کے حقوق بھی بالکل شامل ہیں اور یہ (تصور) تمام لوگوں کو ثقافتی مذہبی اور اقتصادی حقوق نہ صرف عطا کرتا ہے' بلکہ ثقافتی اور مذہبی آزادی کا بھی احترام کرتا ہے۔ لیکن مسائل اس وقت سر اٹھاتے ہیں جب انسانی حقوق کے حامی مذہبی آزادی کے استعمال کے سلسلے میں عوام کو صحیح رہنمائی فراہم کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ عوام اپنے مذہب پر عمل کا راستہ انفرادی طور پر خود ہی نکال لیتے ہیں۔ خیال رکھنے کی بات صرف اتنی ہے کہ ایک فرد کو دوسرے کے حقوق میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ یہ وہ بات ہے جو خاص طور پر بین الاقوامی معاہدوں میں تحریر کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم' مذہب' جنس' رائے اور وطن کے نام پر کئے جانے والے جبر سے عوام کو بچانے کی کوششوں کے بارے میں اکثر سنتے ہیں۔

● **پروفیسر خورشید احمد** : بہت سے مغربی ممالک میں یورپ کے زیر اثر مملکتوں میں نافذ مختلف قوانین مثلاً پرچم کی تعظیم' ترکی میں اتاترک کے منصب کا تحفظ' نازیوں کے نشان اور جرمنی کو سلام پر پابندی' نازی پارٹی اور اس کے رہنماؤں کی آواز پر برطانوی میڈیا میں پابندی وغیرہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا آپ ان قوانین کو اچھے قوانین تصور کرتے ہیں؟ یا ان قوانین کو اگر ترقی پسندانہ' آزادانہ اور اچھے قوانین سمجھا جاتا ہے تو کیا صرف اس لئے کہ یہ "ترقی پسند" مغرب نے وضع کئے ہیں؟

● **آئی اے رحمان** : میں مغربی معاشروں میں عدم تحمل و برداشت اور تنگ نظری کی کئی اور مثالیں بھی پیش کر سکتا ہوں۔ اور اس نوع کے قوانین کی حمایت نہیں کر سکتا۔ آزاد خیال شخص تو کسی بھی خطے کا ہو سکتا ہے' وہ کوئی پاکستانی ہو سکتا ہے' کوئی مغربی ہو سکتا ہے' مراکش سے بھی ہو سکتا ہے۔ میں مغرب میں ہونے والی ہر بات' ہر عمل کا تو دفاع نہیں کروں گا۔ اگر وہ اتاترک کے مجسمہ پر حفاظتی گارڈ متعین کرتے ہیں' یا امریکی دستور میں

مذہب کا ذکر ہے' یا برطانیہ کی ملکہ آج بھی کلیسا کی سربراہ ہے' میں تو ان سب باتوں کی حمایت نہیں کرتا' نہ میں انہیں اپنے معاشرے کے لئے نمونہ قرار دے سکتا ہوں' بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ہمارے مذہب میں آزاد خیالی کی عظیم روایات موجود ہیں۔ بد قسمتی سے ایسے لبرل (آزاد خیال) افراد کو کبھی صوفی اور کبھی ملحد قرار دیا جاتا رہا ہے' لیکن یہ لوگ دراصل آزاد خیال تھے اور انہوں نے بعض اچھی باتیں کہی ہیں۔

● **ایک سائل** : قرآن حکیم نے مسلمانوں کو جھوٹے خداؤں کو بھی برا کہنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس کے جواب میں بت پرست اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم کے اصول کے مطابق کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ "توہین" کے خلاف جو بھی قانون بنائے جائیں' وہ ان تمام افراد کی توہین پر بھی قابل نفاذ ہونے چاہئیں' جنہیں ہماری اقلیتیں مقدس سمجھتی ہیں خواہ ایسے افراد کو اکثریتی طبقہ کاذب ہی کیوں نہ تصور کرتا ہو ؟

● **محمود احمد غازی** : ایک حد تک میں آپ کی تجویز سے اتفاق کرتا ہوں کہ ان تمام مذہبی شخصیتوں کو یہ تحفظ حاصل ہونا چاہئے جن کی ان کے پیروکار انتہائی عزت کرتے ہیں اور جن کی طرف بنیادی طور پر "مذہبی پیغام" منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن آپ کے سوال میں مذکور آخری فریق کے بارے میں' میرے بعض تحفظات ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں جتنا بظاہر نظر آتا ہے۔ خصوصاً اس اعتبار سے کہ ایک خاص شخص کی ایک گروہ نہایت عزت و تکریم کرتا ہے' اور بعض دوسرے لوگ اسے قابل تکریم تصور نہیں کرتے۔ اس کے بالکل برعکس مرزا غلام احمد کے بارے میں مسلمانوں کا تصور بہت ہی برا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد کو ایک نو آبادیاتی طاقت نے مسلمانوں میں منافرت اور انتشار پھیلانے کے لئے لا کھڑا کیا تھا۔ اب جبکہ مرزا غلام احمد کے بارے میں ڈاکٹر اقبال جیسے افراد کا تصور بھی یہی ہے تو اس مسئلہ کی سنگینی کو کم نہیں کیا جا سکتا۔

میری گزارش ہے کہ مرزا غلام احمد کا معاملہ مذاہب کے دیگر بانیاں مثلاً حضرت عیسیٰ مسیح (علیہ السلام) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جنہیں مسلمان بھی اپنے پیغمبر تصور کرتے ہیں' بلکہ کنفیوشس' کرشن اور گورونانک (جن کے بارے میں ایک عام مسلمان کا وہ تصور ہرگز نہیں جو اس کا مرزا غلام احمد کے بارے میں ہے) سے بھی بالکل مختلف ہے۔ چنانچہ اگر پاکستانی مسلمان' مرزا غلام احمد کے بارے میں بہت زیادہ حساس ہیں تو اس کی معقول وجہ

ہے۔

میں یہ انتباہ کرنا ضروری تصور کرتا ہوں کہ میں عوامی احساس کی بات کر رہا ہوں۔ عوام ایسے افراد یا گروہوں کے بارے میں یقیناً بے حد حساس ہیں جو غیر ملکی طاقتوں کے لئے بطور آلہ کار کام کرتے ہیں۔ ایسے شخص کے ساتھ تو اس کی محض مذہبی حیثیت سے نہیں بلکہ سیاسی طور پر نمٹا جانا چاہئے۔ مثال کے طور پر کل کلاں بھارت' پاکستان کے خلاف اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کے لئے کوئی جھوٹا مذہب گھڑ کر کھڑا کر سکتا ہے۔ اس صورت میں اسلام کے دائرہ کے اندر ایک نئے مذہب کو ہر گز جائز مذہبی قدر تصور نہیں کیا جائے گا' اور نہ اس کے بانی کو مذہبی لیڈر تسلیم کیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی حقیقی مذہبی طبقہ (مکتبہ فکر) ہو اور اس کے سربراہ کو مغربی رہنما تسلیم کیا جارہا ہو' تو صورت حال بالکل مختلف ہو گی۔

● **غنی اعرابی** : کیا قانون کے مطابق صرف سزائے موت ہی مقرر کرنے سے توہین رسالتؐ کے مختلف پہلو اور درجات میں تمیز کرنا محال نہیں ہو جائے گا' جس سے عدالت نسبتاً کم تر درجہ کے جرم کو نظر انداز کرنے کے قابل نہیں رہے گی؟ اس کے علاوہ جہاں تک اس قانون کے مسودہ کی تیاری کا تعلق ہے' یہ قانون بہت مختصر بلکہ متناقص محسوس ہو سکتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس قانون کا مسودہ عجلت میں تیار کیا گیا تھا یا یہ قانون بنانے والے کسی مسودہ قانون کی تیاری کے عمل سے ناآشنا تھے' لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ "تعزیرات پاکستان" کی دفعہ 295 سی تشنہ ہے۔ ہمیں ایک واضح اور جامع قانون کی ضرورت ہے جس میں توہین رسالتؐ کی نیت کو بھی زیر غور لایا جانا ضروری ہو' اس کے مختلف درجات اور توہین آمیز بیان کے مختلف پہلو بھی زیر غور لائے جائیں' اور انہیں پوری اہمیت دی جائے۔

● **محمود احمد غازی** : نہیں! میں نہیں سمجھتا کہ دفعہ 295 سی کسی پہلو سے بھی تشنہ قانون ہے' ممکن ہے کہ یہ ہر اعتبار سے مکمل نہ ہو۔ مجھے تشویش اس بات پر ہے کہ ایک ایسے مسئلہ پر توہین آمیز اور بہتان تراشی کا رویہ اختیار کیا جارہا ہے جس کی تحدید ضروری ہے اور جس کی حساسیت کا ادراک کیا جانا چاہئے۔ مثال کے طور پر گزشتہ روز ہی مجھے ایک مضمون فراہم کیا گیا جو ایک غیر مسلم مگر معروف قانون دان نے سپرد قلم کیا ہے۔ اس مضمون میں کہا گیا ہے کہ محمد ﷺ کی نبوت کے انکار پر' منکر سزائے موت کا مستوجب گردانا جاتا ہے۔

میں اسے پڑھ کر سکتہ میں آگیا' کیونکہ یہ ایک سفید جھوٹ ہے۔ کسی ماہر فقہ اسلامی نے تو آج تک کبھی یہ بات نہیں کہی۔ اس معاملہ میں اسلام کی پوزیشن بالکل بے مثال ہے۔ کسی اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قرآن حکیم کو اللہ کی کتاب تسلیم کرنے سے انکار کر دے یا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ کا سچا رسول تسلیم نہ کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ ریاست تو اس کے منکر اسلام ہونے کے حق کا تحفظ کرتی ہے' لیکن ایسا کرتے وقت کسی بھی غیر مسلم کو پیغمبر اسلامؐ کو اللہ کا رسولؐ تسلیم نہ کرنے اور حضور نبی کریمؐ کی شان میں توہین آمیز کلمات کے استعمال کے درمیان امتیاز کو ملحوظ رکھنا بلکہ اس کا ادراک کرنا ہوگا۔ میرے خیال میں ہم سب کو اس سلسلے میں بالکل واضح ہونا چاہئے۔

● **غنی اعرابی** : کیا یہ قانون مسلمانوں کے دو بڑے مکاتب فکر (فرقوں) کے درمیان شدید اختلاف کا اظہار نہیں اور اسے فرقہ وارانہ اختلاف کو بڑھانے کے لئے استعمال نہیں کیا جارہا؟ آپ اس طرح کی فرقہ وارانہ انتہاپسندی کو روکنے یا اس کے انسداد کے لئے کیا کر سکتے ہیں' جو اس قانون کے باعث پیدا ہوئی ہے اور جس کے نتیجہ میں (گوجرانوالہ میں) ایک حافظ قرآن ڈاکٹر سجاد کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔

● **محمود احمد غازی** : میں نہیں مانتا کہ جس نوع کے تعصب یا فرقہ واریت کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے' وہ اس قانون کی پیداوار ہے۔ یہ تو تقریباً 200 سال قبل کی بات ہے جب توہین رسالتؐ کا معاملہ' جو بنیادی طور پر ایک قانونی معاملہ ہے' عام لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا گیا اور اس کا غلط استعمال شروع ہوا۔ اس وقت قانون سازوں اور قانونی اتھارٹی کو بالکل فراموش کر دیا گیا۔ چنانچہ جب تک ایسے معاملات قانون کے سپرد نہیں کئے جائیں گے' ان کا غلط اطلاق جاری رہے گا۔

میری گزارش یہ ہے کہ ہمیں اس سوال پر عمومی رائے کی روشنی میں غور کرنا چاہئے۔ اصل مسئلہ یہ نہیں کہ توہین رسالتؐ کا قانون ہونا چاہئے یا نہیں' ایسا قانون تو ضرور موجود ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہمیشہ سے ہی یہ قانون موجود رہا ہے۔ ضرورت یہ سوچنے کی ہے کہ آیا اس قانون کی اس طرح تصویب کی جانی چاہئے کہ اس کا استعمال ہی ناممکن ہو جائے؟ گذشتہ دس سال کے تجربے سے بھی یہی مسئلہ ابھر کر سامنے آیا ہے۔

● **ایک سائل** : کیا توہین رسالتؐ کے قانون کے تحت غیر ارادی یا ارادتاً توہین

رسالت کے جرم کے ارتکاب میں کوئی فرق ہے؟ یا کیا اس میں کوئی تمیز ہونی چاہئے؟

● **محمود احمد غازی** : غیر ارادی اور ارادتاً توہین رسالتؐ کے درمیان یقیناً فرق ہے۔ مسلمان سکالروں نے توہین رسالتؐ میں نیت کے دخل کی بنیاد پر ہی اس قانون کی تدوین کی ہے' جس میں پیغمبر اسلامؐ کی بعض احادیث کو بھی بنیاد بنایا گیا ہے۔ یہ قانون اس لئے بھی بڑا مفید ہے کہ اس میں غیر ارادی اور ارادتاً توہین رسالتؐ کے درمیان تمیز روا رکھی گئی ہے۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ دو اقسام کی باتیں ہو سکتی ہیں: ایسی باتیں یا بیان جو واضح طور پر توہین رسالتؐ کی ذیل میں آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر آپ کسی شخص' یا شخصیت کو برا بھلا کہہ رہے ہیں' تو آپ واضح طور پر اس کی توہین کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ایسے معاملات میں استثناء کا دعویٰ تو انتہائی غیر معقول ہے! لیکن بعض ایسے بیانات (یا مکالمات) بھی ہو سکتے ہیں' جن کے بارے میں کسی قانونی عدالت سے ہی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ مجموعی طور پر یا الگ الگ توہین رسالتؐ کے ارتکاب کے زمرے میں آتے ہیں یا نہیں؟ ایسے بیانات کی صورت میں توہین کے مرتکب کی نیت ہی اسے سزا کا مستحق بنا سکتی ہے۔ توہین رسالتؐ ہے کیا' اس میں تو ملک ملک' صورت حالات اور زبان کے اعتبار سے بھی فرق ہو سکتا ہے۔ ہر زبان میں' ہر معاشرہ میں' ایسے الفاظ کا ایسے جملوں اور پیرایہ میں اظہار ہوتا جن کو کسی کی بے عزتی یا توہین کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے' لیکن ہر معاشرے کے مہذب اور اچھے لوگ ان الفاظ' جملوں اور پیرایہ اظہار سے گریز کرتے ہیں۔

● **ڈاکٹر حسین احمد حسان** : میں نے آج کی طرح کے کئی اجتماعات میں دیکھا ہے کہ اسلامی اقدار کو بین الاقوامی قواعد یا معیار پر' جن کا بڑا شہرہ ہے' پرکھا جاتا ہے اور پھر اسلام کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ "غیر ملکی" توثیق حاصل کرے۔ میرے خیال میں ایسا کرنا ہم مسلمانوں کے وقار کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔ ہمیں حقیقی اختلاف رائے اور "توہین" کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس (توہین رسالتؐ کے) معاملہ میں مغرب نفسیاتی اور حقیقی طور پر سخت دباؤ ڈال رہا ہے۔

میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ ہم (مسلمان) کمزور ہیں۔ چنانچہ یہ حقیقت بھی ہماری اقدار کی حقیقت اور سچائی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لیکن ہمیں اپنے ایمان کی مدافعت کے

لئے اٹھنا ہو گا' کیونکہ ہمارا ایمان ہی تو ہمارے لئے سب کچھ ہے۔ مغربی اقدار ہمارے لئے کسوٹی (یا معیار) نہیں بن سکتیں۔ اگر کوئی ایسا فورم ہو جہاں اس معاملہ میں اسلامی نقطہ نظر پر بحث مباحثہ ہو سکے تو اس میں' میرے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنی صداقت ثابت کر سکتے ہیں۔

● **ڈاکٹر ایس ایم زمان :** ہم نے یہاں نہایت پر مغز بحث کی ہے۔ اس سیمینار میں جو اتفاق رائے سامنے آیا ہے وہ بھی اطمینان بخش ہے۔ توہین رسالتؐ اور محض اختلاف کے درمیان یقیناً بڑا فرق ہے۔ کسی عام نقطہ نظر کی مخالفت تو روا ہے' لیکن پیغمبروں کے خلاف توہین آمیز زبان کا استعمال تو "توہین رسالتؐ" ہی کہلائے گا' جس کی کوئی مہذب معاشرہ' جہاں جمہوریت ہو یا نہ ہو اور کوئی اخلاقی قاعدہ و قانون ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔

مرتب کا تبصرہ

تاریخ کی ایک سے زائد انداز میں تعبیر و تشریح ممکن ہے۔ لیکن یہ بات واقعات پر صادق آتی ہے مگر حقائق پر نہیں۔ اسی طرح اس بات کو بھی فراموش نہیں کیا جانا چاہئے کہ حقائق ہی واقعات کو جنم دیتے ہیں۔ چنانچہ حقائق کو واقعات سے الگ رکھنے' الگ کرنے اور محض واقعات کو ہی زیر بحث لانے سے غلط نتائج اخذ کرنے کی راہ پر انسان چل نکلتا ہے۔ یہ بات بھی بڑی اہم ہے' کہ ماضی کے واقعات کو ہیرا پھیری کے ذریعے بیان کر کے خود ساختہ تاریخ سازی اور تاریخ کے حقیقت پسندانہ مطالعہ میں امتیاز کیا جائے۔

جہاں تک آئی اے رحمان صاحب کا یہ موقف ہے' کہ پاکستانی ریاست تو اپنے تصور اور بنیادی نظریہ کے اعتبار سے ہی لادینی مملکت ہے' صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ تاریخ سے الجھ رہے ہیں' مثال کے طور پر پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے (آئین ساز) اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے تحریک پاکستان کے بنیادی محرکات کا ذکر کیا:

> جناب والا! آپ کو یاد ہو گا کہ قائد اعظم اور مسلم لیگ کے دوسرے قائدین نے ہمیشہ یہ بات واضح طور پر اور بہ بانگ دہل کہی ہے کہ قیام پاکستان کے لئے مسلمانوں کے مطالبہ کی بنیاد ہی اس حقیقت پر تھی کہ مسلمانوں کا اپنا الگ نظریہ حیات ہے اور ان کا اپنا طرز زندگی ہے۔

مذہب کو فرد کا ذاتی معاملہ قرار دینے کے رجحان کی نفی کرتے ہوئے لیاقت علی

---

(۱) یہ نوٹ انگریزی میں کتاب کے مرتب جناب طارق جان نے تحریر کیا۔

خاں نے نہ صرف اپنے طور پر بلکہ تحریک پاکستان کے قائدین کی طرف سے بھی مزید کہا :

> انہوں نے اس حقیقت کو (باربار) دہرایا کہ اسلام فرد اور اس کے خدا کے درمیان محض ایک راستے کا نام نہیں جو کسی بھی طرح ریاست کے طریق کار پر اثر انداز نہیں ہونا چاہئے۔ درحقیقت اسلام تو افراد کے سماجی رویئے کے لئے واضح ہدایات پیش کرتا ہے اور زندگی کے روزمرہ مسائل کے حل کی غرض سے معاشرے کے لئے رہنما خطوط کا تعین کرتا ہے۔ اسلام محض نجی عقائد یا انفرادی طور پر اخلاقی روش تک محدود نہیں' بلکہ وہ اپنے پیروکاروں سے نفیس زندگی گزارنے کے لئے ایک عمدہ معاشرے کی تعمیر کا طالب ہے' جیسا کہ بعض یونانی مفکروں نے بھی کہا ہے' لیکن اسلام میں "نفیس زندگی" تو صرف روحانی اقدار کی بنیاد پر ہی معرضِ وجود میں آسکتی ہے۔

لیاقت علی خاں صرف ان (درج بالا) باتوں پر ہی اکتفا کر سکتے تھے' لیکن انہوں نے اس سے بھی بڑھ کر بات کی' کیونکہ یہ موقع قرارداد مقاصد کی پہلی دستور ساز اسمبلی سے منظوری کا وقت تھا۔ وہ اسلام کے سلسلے میں کوئی بات مبہم یا غیر واضح چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مزید کہا :

> ان اقدار کی اہمیت پر زور دینے' انہیں واضح کرنے اور انہیں قانونی جواز فراہم کرنے کے لئے ریاست کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی زندگی اور طریق عمل کو اس انداز میں نظم اور رہنمائی فراہم کرے کہ ایک نیا معاشرہ' ایک نیا معاشرتی نظم جو اسلام کے بنیادی اصولوں جمہوریت' آزادی' تحمل و برداشت اور سماجی انصاف پر قائم ہو' معرضِ وجود میں آسکے۔ (وزیراعظم لیاقت علی خاں کی تقریر کے لئے ملاحظہ کیجئے "پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کے مباحث" (۷ مارچ ۱۹۴۹ء' جلد ۵ صفحہ ۴)

کیا پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں کی جانے والی مندرجہ بالا تقریر کو' جو قائد اعظم کے بعد صف اول کے حامل واحد شخص کی ہے' مسترد کرنا ممکن ہے؟ اس سوال کا جواب

صرف نفی میں ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ یہ نظریہ تو ریاست کے بعد کی پیداوار ہے' حقائق کا تمسخر اڑانے کے مترادف ہے۔ مشہور مقدمہ "عاصمہ جیلانی کیس" میں مسٹر جسٹس سجاد احمد خان نے رولنگ دیتے ہوئے لکھا تھا :

> پاکستان کی ریاست تو اسلامی نظریہ پر مبنی ہے جو ایک دوامی نظریہ ہے اور اس ملک کو اس وقت تک اسلامی نظریہ کے بنیادی اصولوں اور قواعد کے مطابق ہی چلایا جا سکتا ہے' جب تک پاکستان کی سیاست' خدا نہ کرے' غیر اسلامی ڈھانچے پر از سر نو استوار نہ کی جائے۔ لیکن ایسا کرنے کا مطلب پاکستان کے بنیادی نظریہ کی مکمل تباہی ہو گا۔ "قرار داد مقاصد" محض' معروف معنوں میں آئین کا دیباچہ نہیں ہے' بلکہ اس میں آئین پاکستان کے بنیادی قواعد کی روح کو سمو دیا گیا ہے۔

(عاصمہ جیلانی کیس پی ایل ڈی 1972ء سپریم کورٹ' نصرت بھٹو کیس 1977ء اور ٹی۔ زیڈ کیاڈس کیس 1980ء بھی ملاحظہ فرمایئے۔)

قانون توہین رسالت ﷺ، انسانی حقوق اور امریکی مداخلت

محمد عطا اللہ صدیقی

24-جولائی 1997ء کے اخبارات میں یہ خبر شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی کہ امریکہ نے پاکستان پر زور دیا ہے کہ توہین رسالت کا قانون ختم کر دیا جائے- امریکی وزارت خارجہ کی ایک رپورٹ میں دنیا کے مختلف علاقوں میں جہاں عیسائی اقلیت میں ہیں، کی حالت بیان کی گئی ہے، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں غیر مسلموں کو اپنا مذہب تبدیل کرنے کی اجازت ہے، لیکن مسلمانوں کا کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنا غیر قانونی ہے، پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے- 1986ء میں 295-سی قانون متعارف کرایا گیا جس کے تحت توہین رسالت کی سزا موت مقرر کی گئی- امریکہ نے بار بار پاکستان حکومت سے توہین رسالت قانون منسوخ کرنے کیلئے کہا ہے- رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ کئی بار دیکھنے میں آیا ہے کہ غیر مسلموں سے کوئی زیادتی ہوئی تو پولیس ذمہ داروں کو سزا دینے میں ناکام رہی اس سے غیر مسلموں میں سخت مایوسی پھیلی ہے ــــــ (روزنامہ جنگ)

امریکی حکومت کے اس ناروا اور اشتعال انگیز مطالبے پر حکومت اور غیر حکومتی حلقوں کی جانب سے سخت رد عمل کا اظہار کیا گیا ہے- پاکستان کی رائے عامہ نے اسے پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت اور قومی خود داری پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف قرار دیا ہے- رائے عامہ کے راہنماؤں نے حکومت کو خبردار کیا ہے کہ ناموس رسالت کا معاملہ مسلمانوں کے لئے بہت ہی جذباتی مسئلہ ہے- وہ اپنے نبی اکرم ﷺ سے بے پناہ عشق اور

محبت کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی ناموس پر حملے کو کسی صورت برداشت نہیں کریں گے۔ صدر مملکت جناب فاروق خان لغاری نے کہا ہے کہ امریکہ سپرپاور ہے لیکن اس کی خواہش یا ہدایت پر ہم تحفظ ناموس رسالت ایکٹ جیسے قوانین واپس نہیں لیں گے اور نہ ہی قومی اور ملکی مفادات کے منافی کوئی "ایکشن" لیں گے۔ وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے کہا ہے کہ امریکی مطالبے پر غور کی ضرورت ہی نہیں۔ پاکستان کی وزارت خارجہ کے ترجمان نے کہا ہے کہ ہر ملک خود مختار ہے کسی دوسرے ملک کے قوانین کے بارے میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ پاکستان کے توہین رسالت کے انسداد کے قانون کے بارے میں کسی کو مداخلت کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ہمارا قانون قرآن وسنت کی روشنی میں ہے۔ ترجمان نے کہا کہ محض کسی قانون پر کسی دوسرے ملک کے تبصرے یا خاتمے کے مطالبے سے فرق نہیں پڑتا ہے، پاکستان میں توہین رسالت کا قانون نافذ ہے اور اسے اس وقت تک کوئی ختم نہیں کر سکتا جب تک 13 کروڑ عوام کی منتخب کردہ پارلیمنٹ نیا قانون منظور نہ کرے۔ (روزنامہ جنگ ـــــ 25 جولائی)

یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ امریکہ کی طرف سے حکومت پاکستان کو قانون توہین رسالت کو ختم کرنے کیلئے دباؤ ڈالا گیا ہے۔ گذشتہ کئی برسوں سے امریکہ کے علاوہ انسانی حقوق کی مغربی تنظیمیں، ایمنسٹی انٹرنیشنل، دیگر ادارے اور مغربی ذرائع ابلاغ اس قانون کو تبدیل کرانے یا بے اثر بنانے کے لئے دباؤ ڈالتے رہے ہیں۔ پاکستان مسلسل ان کے یکطرفہ جارحانہ پراپیگنڈے کا شکار رہا ہے۔ 1995ء میں جب رحمت مسیح اور سلامت مسیح کیس سامنے آیا تو مغرب کی طرف سے مذکورہ قانون کی مخالفت میں شدید پراپیگنڈہ کیا گیا۔ ابھی یہ مقدمہ چل ہی رہا تھا کہ جرمنی کے چانسلر ہلمٹ کوہل پاکستان کے دورے پر آئے۔ پاکستان کی سرزمین پر قدم رنجہ فرمانے کے بعد پہلا مطالبہ انہوں نے یہی کیا کہ حکومت پاکستان توہین رسالت کے قانون کو ختم کرے، پاکستان میں انسانی حقوق کے نام نہاد مٹھی بھر علمبرداروں کی طرف سے بھی خاصا واویلا کیا گیا۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل گذشتہ کئی برسوں سے اپنی سالانہ رپورٹوں میں اس مسئلے کو مسلسل اچھال رہا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان اسباب و عوامل کا معروضی جائزہ لیا جائے جو امریکہ اور مغربی لابی کے اس پر اصرار مطالبے کا باعث بنے ہیں ـــــ نہایت اہم عوامل درج ذیل ہیں۔

① حالیہ مغربی تہذیب کا اصل سرچشمہ مجرد عقلیت اور الہامی تعلیمات کی مجنونانہ مخالفت کی بنیاد پر برپا کی جانے والی سیکولر ازم کی تحریک ہے۔ گزشتہ پانچ سو برسوں میں مغرب کی اجتماعی نفسیات کے دھارے کچھ اس طرح تشکیل پائے ہیں کہ اس میں مذہب کی مخالفت کا فطری داعیہ پیدا ہو گیا ہے۔

② کلیسا کو فکری محاذ پر شکست دینے کے بعد مغربی دانشور مذہبی سکالر کو اپنا حریف سمجھتا آیا ہے۔

③ امریکہ و یورپ کی حد تک مغربی دانشور مذہب مخالف رویوں کا حامل نظر آتا ہے۔ لیکن وہ ابھی تک مغرب اور اسلام کے تعلقات کو صلیبی جنگوں کے تناظر میں ہی دیکھتا ہے۔ اپنے خود ساختہ مفروضات کی وجہ سے وہ اسلام کے بارے میں سخت خدشات کا شکار ہے۔

④ اٹھارھویں اور انیسویں صدی کا مغربی دانشور فکری برتری کے گھمنڈ میں مبتلا رہا ہے۔ وہ اسلام کو مغلوب اور غلام اقوام کا مذہب قرار دیتا رہا ہے۔ لیکن بیسویں صدی کے اختتام پر امریکہ اور یورپ میں کثیر تعداد میں اہل مغرب کی اسلام میں دلچسپی نے وہاں کے متعصب و مغرور طبقے کو سخت بوکھلاہٹ اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا ہے۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی پزیرائی کو روکنے کے لئے اسلام کے خلاف جارحانہ پراپیگنڈے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔

⑤ سوشلزم کے سیاسی زوال کے بعد مغربی اقوام نے اپنا نیا ہدف اسلام کو بنا لیا ہے۔ سابق امریکی صدر رچرڈ نکسن نے نیٹو کو برقرار رکھنے کے جواز کے لئے اسلامی خطرے کی نشاندہی کی تھی۔

⑥ مسلمانوں کو اپنے فکری تشخص سے محروم کرنا اور انہیں مغرب کے سیکولر

فکری دھارے میں شامل کرنا مغرب کا اہم ترین ایجنڈا ہے مغربی ذرائع ابلاغ کا مسلم ممالک تک پہنچنا اور عالمی بستی کے تصور کی تبلیغ اس ایجنڈے کے اہداف کو حاصل کرنے کی حکمت عملی کا حصہ ہے، مسلمانوں کو فکری و نظریاتی اساس سے محروم کرنے کے لئے انہیں اسلام سے متنفر کرنا ضروری ہے۔ اس کی آسان ترین صورت یہ ہے کہ ان کے ذہنوں میں شارع اسلام ﷺ کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں۔ توہین رسالت کے قانون کی مخالفت اسی پالیسی کی پیروی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔

⑧ مغربی لابی کے سرمائے سے چلنے والی انسانی حقوق کی نام نہاد تنظیمیں امریکہ اور یورپی ممالک کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کی پامالی کو بڑھا چڑھا کر اور خوب نمک مرچ لگا کر بیان کرتی ہیں۔ ان کی طرف سے ارسال کردہ یہ مبالغہ آمیز رپورٹیں جب امریکہ اور یورپ میں پہنچتی ہیں تو وہاں تشویش کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ انسانی حقوق کی ان تنخواہ دار تنظیموں کا وجود اس طرح کی مبالغہ آمیز رپورٹوں کا ہی مرہون منت ہے۔

⑨ امریکہ اپنی سائنسی ترقی اور اقتصادی برتری کے نشے میں چور ہے، اس کی سوچ ایک ظالم استحصالی جاگیردار سے مختلف نہیں ہے جو اپنے علاقے کے چھوٹے کاشتکاروں اور مزارعوں پر رعب داب قائم کرنے کو اپنا فطری استحقاق سمجھتا ہے، امریکی "سیکولر" ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کا طرز عمل اس کے بالکل برعکس ہے ـــــ وہ پاکستان کے عیسائیوں کے حقوق کے تحفظ کو محض اس بناء پر اپنی ذمہ داری تصور کرتے ہیں کہ وہ ان کے ہم مذہب ہیں ـــــ بوسنیا کے مسلمانوں کی نسل کشی پر ان کا رد عمل ایک سطحی بیان بازی سے آگے نہیں جا سکا۔

امریکی وزارت خارجہ کی رپورٹ کا وہ حصہ بے حد تعجب انگیز ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان میں بسنے والے عیسائی باشندے پولیس کے عدم تعاون کی وجہ سے سخت

مایوسی اور عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ جہاں تک پولیس کے رویے سے شکایت کی بات ہے، اس کا معاملہ صرف غیر مسلم اقلیتوں تک مخصوص نہیں ہے۔ پاکستان کے مسلم عوام کو بھی ان سے شدید شکایات ہیں، پاکستان کے عوام نے پولیس کی مبنیہ کوتاہیوں کو نگاہ تحسین سے کبھی نہیں دیکھا۔ مندرجہ بالا "خدشات" کا اظہار "شانتی نگر" کے واقعے کے تناظر میں کیا گیا ہے حالانکہ اس واقعے کے متعلق انسان حقوق کمیشن آف پاکستان نے اپنے اپریل 1997ء کے "نیوز لیٹر" میں خانیوال کے ڈپٹی کمشنر جناب حسیب اطہر کے مثبت کردار کو بے حد سراہا۔ پاکستان کے وزیر اعظم جناب نواز شریف اور وزیر اعلیٰ پنجاب نے ذاتی دلچسپی لی اور مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں مغربی لابی کے زیر اثر کام کرنے والی انسانی حقوق کی تنظیموں کا کردار مجموعی طور پر منفی طرز عمل کا آئینہ دار اور قنوطیت پر مبنی رہا ہے، "شانتی نگر" کے واقعے کی جو جذباتی اور اشتعال انگیز تصویر کشی ان تنظیموں کے نمائندوں نے کی اسے افسوس ناک قرار دیا جا سکتا ہے۔ خود "شانتی نگر" کی مسیحی برادری کے ایک نوجوان جاوید نے لاہور ہائی کورٹ کے ایک جج کی سربراہی میں قائم شدہ تحقیقاتی کمیشن کے روبرو بیان دیتے ہوئے کہا کہ انسانی حقوق کی تنظیموں نے اپنی "کارگزاری" ڈالنے کے لئے منفی کردار ادا کیا۔ رحمت مسیح، سلامت مسیح کے مقدمے سے لے کر "شانتی نگر" کے افسوس ناک واقعے تک انہوں نے صورتحال کی یکطرفہ اور متعصبانہ تصویر کشی کرکے اسے سستی شہرت اور دولت کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ انسانی حقوق کے یہ علمبردار ان واقعات کے متعلق مسخ شدہ حقائق کو فوراً ایمنسٹی انٹرنیشنل اور امریکہ میں انسانی حقوق کی تنظیموں کے نوٹس میں لے آتے ہیں۔ اس جانبدارانہ مخبری کا انہیں معقول معاوضہ دیا جاتا ہے ــــ امریکہ کی وزارت خارجہ کی رپورٹ ہو یا ایمنسٹی انٹرنیشنل کی سالانہ رپورٹ، ان کے اعداد و شمار اور بیانات کا اصل سرچشمہ وماخذ پاکستان میں انسانی حقوق کی تنظیموں کی رپورٹ ہی ہوتی ہے۔ یہ تنظیمیں پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کی مبینہ پامالی کے اکا دکا واقعات کو سنسنی خیز بنا کر تو پیش کرتی ہیں لیکن پاکستان میں اقلیتوں کو جو مراعات، سہولتیں اور عزت واحترام حاصل ہے اس کا ذکر کبھی نہیں کرتیں جس

سے امریکہ و یورپ میں پاکستان میں اقلیتوں کی صورتحال کے متعلق صحیح معلومات نہیں پہنچ پاتیں۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کے اس منفی کردار کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان تنظیموں میں غیر مسلم (بالخصوص قادیانی) چھائے ہوئے ہیں۔ انسانی حقوق کمیشن آف پاکستان کے پہلے چیئرمین، جسٹس دراب پٹیل تھے۔ جن کا تعلق پارسی اقلیت سے تھا، اور موجودہ چئرپرسن عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ کے قادیانی ہونے میں بہت کم لوگوں کو شک ہے، ان کے شوہر مسلمہ قادیانی ہیں۔ ریٹائرڈ ایئر مارشل ظفرچوہدری (قادیانی) بھی اس ضمن میں بے حد سرگرم ہیں۔

اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ کبھی کبھار مسیحی اقلیت کو پاکستان کی مسلم اکثریت کے ہاتھوں ناانصافی کا سامنا کرنا پڑتا ہو لیکن اگر مجموعی اعتبار سے پاکستان میں مسیحی برادری سے مسلمانوں کے برتاؤ اور انہیں ملنے والی مراعات کو پیش نظر رکھا جائے تو پاکستان کو کسی بھی مہذب ملک کے سامنے شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے ——— فرانس اور برطانیہ اور امریکہ جیسے مہذب ممالک میں مسلم اور سیاہ فام اقلیتوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا جارہا ہے اس کے ساتھ اگر پاکستان میں مسیحی اقلیت کی حالت کا موازنہ کیا جائے تو پاکستانی مسیحی برادری کی حالت بدرجہا بہتر ہے۔ پاکستان میں مسیحی آبادی کا تناسب فرانس میں بسنے والے مسلمانوں کے تناسب سے کہیں کم ہے۔ لیکن انہیں بے حد عزت واحترام دیا جاتا ہے، اب تک امریکہ و یورپ کے کسی بھی ملک کی اعلیٰ عدالت کے جج کے منصب پر کسی بھی مسلمان کو تعینات نہیں کیا گیا۔ جسٹس اے۔آر کارنیلس سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس کے عہدے پر فائز رہ چکے ہیں۔ برطانیہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ حالیہ انتخابات میں ایک مسلمان غلام سرور دارالعوام کا رکن منتخب ہوا تھا، جس کی رکنیت کو ایک ماہ کے اندر اندر سازش کے ذریعے ختم کرا دیا گیا۔ پاکستان کی قومی اسمبلی میں مسیحی برادری کو ہمیشہ مستقل نمائندگی دی جاتی رہی ہے۔ مسیحی برادری کے راہنما جے سالک وفاقی وزیر کے منصب جلیلہ پر متمکن رہ چکے ہیں۔ لاہور اور پاکستان کے دیگر شہروں میں انگریزی تعلیم کے معروف ادارے مسیحی تنظیموں کے زیر اثر کام کررہے ہیں۔ کیتھڈرل

سسٹم آف سکول، کانونٹ، سینٹ انتھونی سکول، سینٹ میری سکول سب کی انتظامیہ مسیحی برادری پر مبنی ہے۔ انگریز کے دور میں قائم کیے جانے والے معروف تعلیمی ادارے ایچی سن کالج، کنیرڈ کالج فار ویمن، کوئین میری کالج ریلوے روڈ وغیرہ اپنے سابقہ ناموں کے ساتھ چل رہے ہیں۔ کنیرڈ کالج فار ویمن جس میں اعلیٰ طبقے کی لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں اور جسے "فیشن لیڈر" کا درجہ حاصل ہے، ایک مسیحی خاتون ڈاکٹر میرا فیلبوس گذشتہ 24 برسوں سے تسلسل کے ساتھ اس اہم تعلیمی اوارے کی پرنسپل چلی آتی ہے، اس کے مقام و مرتبہ اور غرور و تمکنت کا یہ عالم ہے کہ وہ اعلیٰ حکام کو بھی خاطر میں نہیں لاتی، آج سے پانچ برس قبل اس نے پروفیسر نسیمہ پیرزادہ کو کنیرڈ کالج میں اردو کی پروفیسر کی حیثیت سے محض اس بناء پر قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ وہ پردے کی پابندی کرتی تھیں۔ پروفیسر نسیمہ پیرزادہ نے ان کے رویے سے تنگ آکر بالاخر ملازمت سے استعفیٰ ہی دے دیا تھا۔ آج سے سات آٹھ ماہ قبل کنیرڈ کالج کو جب خود مختار تعلیمی ادارے کا درجہ دیا گیا تو اس کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کا چیئرمین لاہور کے بشپ الیگزنڈر ملک کو مقرر کیا گیا۔ اس بورڈ کے 15 ارکان میں سے کم از کم دس کا تعلق مسیحی برادری سے ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ پنجاب کے دیگر 5 تعلیمی ادارے جن کو خود مختاری عطا کی گئی ہے ان کے بورڈ آف ڈائریکٹر کے چیئرمین یا تو گورنر پنجاب ہیں یا پھر وزیر تعلیم ہیں۔ پاکستان تو پھر بھی ایک اسلامی نظریاتی مملکت ہے امریکہ اور یورپ کے کسی بھی ملک میں کسی معروف تعلیمی ادارے کے بورڈ کی سربراہی کسی بشپ صاحب کو نہیں سونپی جاتی۔ پاکستان میں مسیحی برادری اپنے مذہب کے مطابق آزادانہ طور پر اپنی عبادت گاہوں میں مذہبی فرائض انجام دیتی ہے کبھی ان سے تعرض نہیں کیا گیا۔ کرسمس کے موقع پر مسیحی ملازمین کو سرکاری سطح پر چھٹی دی جاتی ہے۔ کرسمس کی تقریبات میں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد شامل ہو جاتی ہے۔ مسلمان گھرانوں میں لاکھوں چھوٹے درجہ کے مسیحی ملازمت کرتے ہیں، انہیں محض غیر مسلم ہونے کی وجہ سے ملازمت سے سبکدوش نہیں کیا جاتا۔

اس تمام تر وسعت ظرفی اور رواداری کے باوجود پاکستان کی مسلم اکثریت کو

خوامخواہ مطعون ٹھہرایا جائے تو اسے مریضانہ ذہنیت اور حقائق سے چشم پوشی کے مترادف سمجھا جانا چاہیے۔

انسانی حقوق کے ڈھنڈورچیوں کی طرف سے قانون توہین رسالت ﷺ کو ختم کرنے کے لئے عام طور پر یہ دلائل پیش کئے جاتے ہیں:

i قانون توہین رسالت انسانی حقوق کے منافی ہے۔

ii اس قانون کے تحت بے گناہ غیر مسلموں کے خلاف بے بنیاد مقدمات قائم کر کے ان کے ساتھ ناانصافی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

iii انتہاپسند بنیاد پرست مسلمان اس قانون کا غلط استعمال کر سکتے ہیں۔

حقائق و واقعات کا معروضی جائزہ لیا جائے تو مندرجہ بالا دلائل بے حد نامعقول اور بے بنیاد نظر آتے ہیں۔

انسانی حقوق کی آڑ میں امت مسلمہ کے خلاف مذموم سازشوں کا جال بنا جارہا ہے۔ قانون توہین رسالت کسی بھی اعتبار سے انسانی حقوق کے منافی نہیں ہے، بلکہ یہ انسانی حقوق کی روح اور فلسفے کے عین مطابق ہے۔ اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا چارٹر جو 30 دفعات پر مشتمل ہے، اس کا آغاز ہی ان تمہیدی الفاظ سے ہوتا ہے:

> "ہرگاہ کہ نوع انسانی کے جملہ افراد کی فطری تکریم اور ان کے مساوی اور ناقابل انتقال حقوق دنیا میں آزادی، انصاف اور امن کی بنیاد ہیں"

اور اس چارٹر کی پہلی شق کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

> "تمام انسان آزاد اور تکریم و حقوق کے لحاظ سے برابر ہوتے ہیں۔ انہیں پیدائشی طور پر عقل اور ضمیر عطا کیا جاتا ہے اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ سلوک کرنا چاہئے"۔

اگر مندرجہ بالا جملوں کے پس پشت کارفرما مقاصد کی روح کو سامنے رکھا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ "نوع انسانی کے جملہ افراد کی تکریم" میں محسن انسانت ﷺ کی تکریم کو

اولین درجہ عطا کیا جانا چاہئے۔ انسانی تاریخ میں وجہ تخلیق کائنات حضرت محمد ﷺ سے بڑھ کر کوئی انسان فضیلت، بزرگی اور عزت و منزلت میں بڑھ کر نہیں گذرا ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ انصاف پسند اور غیر متعصب غیر مسلم مؤرخین نے بھی جناب رسالت مآب ﷺ کو افضل ترین انسان قرار دیا ہے۔ ماضی قریب میں برطانوی مصنف مائیکل ہارٹ نے اپنی عالمی شہرت یافتہ تالیف (The Hundred) میں انسانی تاریخ کی سو اہم ترین ہستیوں کے احوال جمع کئے ہیں۔ اس نے ان سو شخصیات کو انسانیت پر ان کے احسانات کے حوالے سے ترتیب دے کر جگہ دی ہے۔ اس نے محسن انسانیت ﷺ کو پہلے نمبر پر رکھا ہے۔ ایک ہندو مسٹر آر-سی- داس نوع انسانی پر بانی اسلام کے احسانات کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کرتا ہے:

> "شری رام چندر جی مہاراج، بھگوان کرشن، گورونانک جی، حضرت موسیٰ علیہ السلام، یہ سب روحانی بادشاہ ہیں لیکن میں کہتا ہوں ان میں ایک روحانی شہنشاہ بھی ہے جس کا مقدس نام حضرت محمد ﷺ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر ریفارمر نے آکر دنیا میں بہت کچھ کیا ہے مگر حضرت محمد ﷺ نے دنیا پر اس قدر احسان کئے ہیں جن کی مثال نہیں ملتی" —— (رسول اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار —— مولانا عبدالرحمٰن کیلانی صفحہ نمبر325)

جس طرح حضور اکرم ﷺ کی تکریم بنی نوع انسانی کی تکریم ہے۔ اسی طرح ان کی توہین (معاذ اللہ) انسانیت کی توہین ہے۔ انسانیت کے عظیم ترین محسن کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت کے بغیر انسانی حقوق کا کوئی بھی چارٹر ایک مہمل دستاویز سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔

انسانی حقوق کے حوالے سے "آزادیٔ ضمیر"، "آزادیٔ عقیدہ" اور "آزادیٔ رائے" جیسی اصطلاحات کا بہت کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان خوش کن تراکیب کی من مانی تعبیرات کے ذریعے اسلام اور شارع اسلام ﷺ پر ناروا تنقید کے جواز مہیا کیے جاتے ہیں۔ انسانی حقوق کے مذکورہ چارٹر کی دفعہ 18 اور 19 میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا

گیا ہے:

"ہر شخص کو آزادی خیال، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں اپنا مذہب اور عقیدہ تبدیل کرنے اور انفرادی و اجتماعی طور پر علیحدگی میں یا سب کے سامنے، اپنا مذہب یا عقیدے کی تعلیم اس پر علم کرنے اس کے مطابق عبادتکرنے اور اس کی پابندی کرنے کی آزادی کا حق شامل ہے" ــــ (شق نمبر18)

"ہر شخص کو آزادی رائے اور آزادی اظہار کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں بلا مداخلت رائے رکھنے کی آزادی اور بلا لحاظ علاقائی حدود کسی بھی ذریعے سے اطلاعات اور نظریات تلاش کرنے، حاصل کرنے اور انہیں دوسروں تک پہنچانے کی آزادی شامل ہے" ــــ (شق نمبر19)

مندرجہ بالا شقیں بہت واضح ہیں، ان کا کوئی بھی جملہ قانون توہین رسالت سے متصادم یا متعارض نہیں ہے۔ پاکستان میں مسیحی برادری کو اپنے ضمیر اور مذہب کے اظہار کی مکمل آزادی ہے۔ "آزادی رائے" میں جہاں معقول اور صائب طریقے سے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی مکمل آزادی ہے وہاں اس اصطلاح کے دائرہ کار میں کسی دوسرے انسان کی کردار کشی، گالی گلوچ، توہین، دل آزاری، سب وشتم ہرگز شامل نہیں ہے۔ جب "آزادی رائے" کے حق کو کسی دوسرے انسان کی تذلیل تک توسیع نہیں دی جا سکتی تو پھر اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے "توہین رسالت ﷺ" کے استحقاق کا دعویٰ کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ انسانی حقوق کے انتھک مناّدوں کے لئے یہ ایک کھلا چیلنج ہے کہ وہ ثابت کریں کہ قانون توہین رسالت انسانی حقوق کے منافی آخر کس طرح ہے؟۔

"انسانی حقوق کا چارٹر 1948ء میں پیش کیا گیا۔ بعد میں جنیوا کنونشن وغیرہ بھی سامنے آئے۔ کسی بھی دستاویز میں توہین رسالت کے خلاف سزا کو انسانی حقوق کے منافی قرار نہیں دیا گیا۔ درحقیقت Blasphemy (توہین رسالت) اور انسانی حقوق کا ربط اس وقت جوڑا گیا جب شاتم رسول سلمان رشدی ملعون کی "شیطانی آیات" پر امام خمینیؒ نے

اس کے قتل کا فتویٰ دیا۔ سلمان رشدی نے اس سے پہلے بھی دو ناول تحریر کئے تھے لیکن اس کو وہ پذیرائی نہ ملی تھی۔ لیکن اس کے شیطانی ناول کے حقوق پلک جھپکتے ہی کروڑوں میں بک گئے۔ اس ناول میں ملعون رشدی کی ناپاک تھوتھنی سے خیرالبشر ﷺ کے منزہ و پاکیزہ گھرانے پر زہرافشانی کرائی گئی تھی۔ مغرب کی ایک مخصوص صیہونی و عیسائی لابی آج بھی پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے مقدس گھرانے کے خلاف گستاخانہ جسارتوں پر مریضانہ حظ اٹھاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے مغرب اپنی تمام تر روشن خیال اور سیکولر ازم سے وابستگی کے باوجود مسلمانوں کے خلاف صلیبی دور کا بغض اور کینہ اب تک پال رہا ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف توہین آمیز سازشوں کی نئی تحریک ننگ اسلام بے دین "مسلمانوں" کے ذریعے سے برپا کی جارہی ہے جس کے مہرے سلمان رشدی، بنگلہ دیشی تسلیمہ نسرین جیسے لوگ ہیں۔ ان کی تمام تر شیطانی ہرزہ سرائیوں کو "انسانی حقوق" کا نام دے کر تحفظ دیا جارہا ہے۔ "انسانی حقوق" کے لبادے میں مسلمانوں سے "شیطان حقوق" کو تسلیم کرانے کی مہم زوروں پر ہے۔ "انسانی حقوق کے چارٹر" کو انسانیت کا "متفق علیہ مذہب" بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔ یہ مسلم دنیا کے خلاف نیا استعماری ہتھیار ہے جسے بے حد مکاری اور منافقت سے استعمال کیا جارہا ہے۔

جہاں تک قانون توہین رسالت پر دوسرے اعتراض کا تعلق ہے کہ اس کی بنیاد پر غلط مقدمات قائم کئے جاسکتے ہیں، تو یہ اعتراض اصولی طور پر غلط اور غیر منطقی ہے، اگر اس اعتراض کو درست مان لیا جائے تو "جرم و سزا" کی دنیا میں کسی بھی تعزیری ضابطے یا قانون کے وجود کا جواز باقی نہیں رہے گا۔ آج تک کسی بھی قانون کو محض اس بناء پر ختم نہیں کیا گیا کہ جس کے غلط استعمال ہونے کا احتمال پایا جاتا ہو۔ سچی بات یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بھی اچھا قانون ایسا نہیں ہے کہ جس کے غلط استعمال ہونے کا احتمال نہ پایا جاتا ہو۔ قتل، زنا اور چوری جیسے سنگین جرائم کے متعلق قوانین کے غلط استعمال کی خبریں پاکستان اور دیگر ممالک کے حوالے سے آئے روز چھپتی رہتی ہیں۔ حال ہی میں مقصود نامی ایک بے گناہ نوجوان کو سپریم کورٹ کے حکم امتناعی کے ذریعے پھانسی لگنے سے صرف 24 گھنٹے قبل بچایا

گیا ہے لیکن کسی نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ پھانسی کے قانون ہی کو یکسر ختم کردیا جائے کیونکہ اس کی وجہ سے ایک بے گناہ شخص پھانسی چڑھنے لگا تھا۔ کوئی بھی صاحب فہم ودانش شخص جرائم کی بیخ کنی کے مقصد کے تحت بنائے گئے قوانین کو محض اس بناء پر ختم کرنے کی حمایت نہیں کرے گا کہ بعض افراد اس کا ناجائز استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس کا منطقی نتیجہ بھیانک انارکی اور لا قانونیت کی صورت میں سامنے آئے گا، کیا ہم استفسار کر سکتے ہیں کہ آخر کس عقلی دلیل اور استخراجی منطق کے تحت حکومت پاکستان سے قانون توہین رسالت کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا جارہا ہے، انسانی حقوق کے بعض بد نصیب پر چارک یہ بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ قانون توہین رسالت میں سزائے موت کو ختم کردیا جائے۔ لیکن ان کا یہ مطالبہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ "توہین رسالت" کا جرم "انسانیت کے خلاف" جرم ہے۔ بے حد افسوس کی بات ہے کہ وہ "ڈرگز کی اسمگلنگ" کو تو انسانیت کے خلاف جرم سمجھتے ہوئے اس کے لئے سزائے موت کو قابل اعراض نہیں سمجھتے لیکن "توہین رسالت" کے قانون پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے ہیں، در حقیقت انہیں مقام رسالت ﷺ کا صحیح ادراک و معرفت ہی نہیں ہے۔ وہ آفتاب نبوت ﷺ کی ضیاپاشیوں کو چھوڑ کر مغرب کے فکری ظلمت کدوں میں بھٹک رہے ہیں۔

پاکستان میں قانون "توہین رسالت" کو بر قرار رکھنا بے حد ضروری ہے۔ مندرجہ بالا معروضات کے علاوہ درج ذیل مزید نکات اس تصور کی حمایت میں پیش کئے جاتے ہیں:

① پاکستان کی 97 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے جو قرآن وسنت کو واحد ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ قرآن وسنت کی رو سے توہین رسالت کی سزا موت ہی ہے۔ اس مضمون کے آخر میں چند احادیث پیش کی جائیں گی۔

② قانون "توہین رسالت" مہذب دنیا میں مروج قانونی اقدار وروایات سے ہم آہنگ ہے، جب اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان کی آبرو اور شخصیت کے تحفظ کے لئے "توہین عدالت" کے قوانین پوری دنیا میں درست تسلیم کئے جاتے ہیں تو پھر نوع انسانی کے سب سے بڑے محسن ﷺ کی ناموس و آبرو کے

تحفظ کے لئے قانون توہین رسالت کیوں نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اس دنیا کی بڑی سے بڑی عدالت کا جج محسن انسانیت ﷺ کے پائے اقدس کی خاک کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ امریکہ اور یورپ کے قانونی نظام میں ایک عام فرد کی عزت نفس کا دفاع کرنے کے لئے "ازالہ حیثیت عرفی" کے قوانین شامل ہیں "Defamation" اور "Libel" اور "Law of tort" جیسے قانونی ڈھانچے موجود ہیں ___ نام نہاد مہذب دنیا میں سربراہان ریاست کو تنقید اور عدالتی چارہ جوئی سے مبرا رہنے کا استحقاق شامل ہے۔ جب ایک عام فرد کی عزت و ناموس کے لئے قوانین کے جواز کو تسلیم کیا گیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ وجہ تخلیق کائنات، محسن انسانیت، امام الانبیاء، افضل البشر، ایک ارب 20 کروڑ مسلمانوں کی آنکھوں کے نور اور دل کے سرور، محبوب خدا ﷺ کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے قانون کیوں نہیں بنایا جاسکتا۔

③ اسلامی تعلیمات کے مطابق جناب رسالتماب ﷺ اور تمام انبیاء کرام کا احترام مسلمانوں پر فرض ہے۔ کسی بھی نبی مکرم کی توہین و تحقیر کفر کا درجہ رکھتی ہے۔ قانون توہین رسالت میں دیگر انبیاء کی توہین بھی شامل ہے گویا یہ قانون نبی آخر الزمان ﷺ کی عزت و ناموس کی حفاظت کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء کرام کی آبرو کی حفاظت کا ضامن ہے۔

④ بائبل اور انجیل کی مصدقہ روایات کی رو سے بھی توہین رسالت کی سزا موت ہے، گویا قانون توہین رسالت مسیحی عقائد کے بھی عین مطابق ہے۔

⑤ یہ بات محض مفروضہ، ہیجان خیزی اور بے بنیاد خدشات پر مبنی ہے کہ قانون توہین رسالت پاکستان کی غیر مسلم اقلیتوں پر ظلم و ستم ڈھانے کے لئے بنایا گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا اطلاق مسلم و غیر مسلم سب گستاخان

رسول ﷺ پر ہوتا ہے۔ اس قانون کے تحت سلمان رشدی، تسلیم نرین اور یوسف کذاب جیسے مسلمانوں کے گھرانوں میں پیدا ہونے والے افراد کو بھی سزا دی جا سکتی ہے۔

⑥ پاکستان کا آئین اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں نے اقلیتوں کے ساتھ ہمیشہ انصاف کیا ہے۔ قانون توہین رسالت کی روشنی میں قائم کردہ مقدمات کی جانچ پڑتال اور ریکارڈ، شہادتوں کے تجزیے کے بعد ہی کسی ملزم کو سزا دی جا سکتی ہے، قانون توہین رسالت ﷺ 1986ء میں معرض وجود میں آیا لیکن عملاً آج تک کسی بھی فرد کو اس قانون کی خلاف ورزی کی پاداش میں سزائے موت نہیں دی گئی۔ امریکی حکومت اور انسانی حقوق کی تنظیموں کا واویلا خود ساختہ مفروضات اور درپردہ مذموم عزائم کی پیروی پر مبنی ہے۔

⑦ قانون توہین رسالت کسی مارشل لاء کے ضابطے کے تحت نہیں بنایا گیا۔ اسے تیرہ کروڑ مسلمانوں کے جمہوری نمائندوں پر مشتمل منتخب پارلیمنٹ نے باقاعدہ قانون سازی کے طریقہ کار کے مطابق منظور کیا ہے۔ پارلیمانی جمہوری نظام میں مقننہ کی بالادستی کے اصول کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایک برطانوی ماہر قانون کی رائے کے مطابق اگر برطانوی پارلیمنٹ یہ حکم دے کہ نیلی آنکھوں والے تمام بچوں کو قتل کر دیا جائے، تو پارلیمنٹ کے اس حکم کو بھی قانونی حکم کا درجہ حاصل ہوگا۔ مغرب کے دانشوروں کو مسلمان ملکوں کی مجالس قانون ساز کے اختیارات کے بارے میں بھی اسی وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ قانون توہین رسالت پاکستان کی پارلیمنٹ نے قرآن وسنت کی روشنی میں وضع کیا ہے، اسے خدائی قانون کا بھی [illegible] حاصل ہے۔ اب پاکستان کی پارلیمنٹ بھی اسے واپس لینے کا اختیار نہیں رکھتی ورنہ اسے آئین پاکستان کی خلاف ورزی تصور کیا جائے [illegible] آئین پاکستان کے آرٹیکل 2-اے

اور 227 کے مطابق تمام قوانین کا اسلامی احکامات کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے۔

⑧ امریکہ یا کسی دوسری ریاست کو بین الاقوامی قانون اور بین الاقوامی تعلقات کے مسلمہ اصولوں کے مطابق پاکستان سے یہ مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے کہ وہ قانون توہین رسالت کو ختم کر دے۔ یہ بات پاکستان کے بیرونی اقتدار اعلیٰ پر حملہ اور اس کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے مترادف ہے۔

⑨ اگرچہ پاکستان میں بسنے والی مسیحی برادری کی غیر معمولی اکثریت مسلمانوں کے پیغمبر صادق ﷺ کا احترام کرتی ہے وہ ہر اس بات سے احتراز کرتی ہے کہ جس سے توہین رسالت یا مسلمانوں کی دل آزاری کا پہلو نکلتا ہو۔ لیکن تاریخ بتلاتی ہے کہ ہر دور میں مسیحیوں اور دیگر غیر مسلموں کی ایک قلیل تعداد توہین رسالت کے جرم کا ارتکاب کرتی رہی ہے۔ یہ لوگ مذہبی جنونی تھے جنہیں ان کے اپنے ہم مذہبوں نے بھی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ مسلم سپین کی تاریخ میں ایک جنونی پادری نے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں پر مشتمل ایک گروہ تشکیل دیا تھا جنہیں تربیت دی جاتی تھی کہ وہ جمعہ نماز کے فوراً قرطبہ کی جامع مسجد کے بیرونی دروازے پر کھڑے ہو کر جناب رسالتماب ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات (معاذ اللہ) کہیں۔ یہ سلسلہ خاصی دیر تک جاری رہا۔ مسلمان ان شاتمان رسول کو پکڑ کر قرطبہ کے قاضی کے حوالے کرتے۔ قاضی کے سامنے جرم کا اعتراف کرنے والوں کو موت کی سزا دی جاتی تھی جبکہ معمولی سا انحراف کرنے والوں کو بھی رہا کر دیا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ اس وقت ختم ہوا جب اس بوڑھے جنونی پادری کو خود سزائے موت ہوئی۔ ایسے مسیحی گستاخان رسول کو جنت کی بشارت دی جاتی تھی۔ مشہور مؤرخ سٹینلے لین پول، ڈوزی اور واشنگٹن ارونگ نے بھی اس گروہ کو جنونی قرار

دیتے ہوئے ان کی مذمت کی ہے۔ صلیبی جنگوں کے فوراً بعد بعض یورپین مصنفین نے محسن انسانیت ﷺ کی کردار کشی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ انیسویں صدی کے وسط میں برصغیر پاک وہند میں ایک برطانوی مورخ ولیم میور نے "لائف آف محمد ﷺ" کے عنوان سے کتاب تالیف کی۔ اس کتاب میں اچھا خاصا قابل اعتراض مواد شامل تھا جس نے سرسید احمد خان جیسے صلح جو اور وسیع المشرب انسان کو بھی کرب میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس کتاب کے جواب میں انہوں نے "خطبات احمدیہ" تحریر کیے۔ پاکستان میں چند سال قبل ایک مسیحی مصنف نے "A lamp Spreading ligth" کے عنوان سے حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے متعلق کتاب لکھی۔ اس کے بعض اہانت آمیز جملوں پر مسلمانوں کی طرف سے سخت احتجاج کیا گیا۔ بالآخر اس کتاب کو ضبط کر لیا گیا۔ اس وقت بھی پوپ پال دوم یا کوئی دوسرا بڑا سے بڑا عیسائی اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتا کہ اس کا کوئی بھی ہم مذہب "توہین رسالت" کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ جب "توہین رسالت" کے جرم کے ارتکاب کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا تو پھر اس قانون کو ختم کرنے کا مطالبہ درست نہیں ہے۔ عالمی تناظر میں جس طرح اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہریلا پراپیگنڈہ کیا جارہا ہے، اس کی روشنی میں یہ خدشہ بے جا نہیں ہے کہ اگر اس قانون کو ختم کر دیا جائے تو پاکستان میں بسنے والے کئی لوگ گستاخانہ جسارتوں پر مائل ہو سکتے ہیں۔

⑩ پاکستان کے تناظر میں دیکھا جائے تو قانون توہین رسالت عیسائی اقلیت کا مسئلہ ہرگز نہیں ہے۔ عاصمہ جہانگیر کے انسانی حقوق کمیشن کی 1996ء کی رپورٹ کے مطابق قانون توہین رسالت کے تحت قادیانیوں کے خلاف 144 جبکہ عیسائیوں کے خلاف 10 مقدمات زیر سماعت تھے۔ 1996ء کے دوران 13 نئے مقدمات قائم کئے گئے۔ جن میں قادیانیوں کے خلاف 10 اور عیسائیوں کے

خلاف صرف 3 مقدمات شامل ہیں۔ (ان اعداد و شمار کی سرکاری ذرائع سے تصدیق ہونا باقی ہے) قانون توہین رسالت پاکستان کے بااثر اور متحرک قادیانیوں کا مسئلہ ہے جو پاکستان کی قومی اسمبلی سے کافر قرار دیئے جانے کے باوجود اپنے آپ کو غیر مسلم ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ ویسے بھی نام نہاد "انسانی حقوق" اور قادیانیوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ یہ بات بہت کم لوگوں کے علم میں ہے کہ "اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر" کا آخری ڈرافٹ مرتب کرنے میں جن تین ماہرین قوانین نے سب سے زیادہ کردار ادا کیا ان میں ایک نام پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ چوہدری (قادیانی) کا ہے جبکہ دوسرے ماہرین کا تعلق سوئٹزرلینڈ اور آسٹریا سے تھا۔ راقم کی نگاہ سے آئرلینڈ کے ایک سکالر کا مضمون گزرا ہے جس میں انہوں نے ظفر اللہ چوہدری کی خدمات کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے (حوالہ (understanding Human Rights) پاکستان کے قادیانیوں نے اپنی شکایات میں عیسائیوں کو اسی لئے شامل کیا ہے تاکہ مغرب کے عیسائیوں کو بھڑکا کر پاکستان کے خلاف موثر پراپیگنڈے کا بازار گرم کیا جائے۔ قانون توہین رسالت کو واپس لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ قادیانی گروہ کی امت مسلمہ کے خلاف اشتعال انگیز کاروائیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

①① عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ کا انسانی حقوق کا کمیشن مسلسل یہ پراپیگنڈہ کر رہا ہے کہ قانون توہین رسالت کے تحت قادیانیوں اور عیسائیوں کے خلاف قائم کئے جانے والے تمام مقدمات انتقام اور بدنیتی پر مبنی ہیں۔ دو چار مقدمات کے بارے میں تو ان خدشات کے درست ہونے کے امکان کو مسترد نہیں کیا جاسکتا لیکن تمام مقدمات کو بے بنیاد قرار دینا اتنا لغو الزام ہے کہ جس کی تردید کے لئے مفصل دلائل کی ضرورت نہیں ہے۔ صیہونی لابی کے زیر اثر ذرائع ابلاغ نے ہمیشہ اکثریت کے مقابلے میں اقلیت کو معصوم عن الخطاء قرار

دینے کی پالیسی کو فروغ دیا ہے۔ یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ پاکستان میں جب کبھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان اختلاف کی صورت سامنے آئے گی، قصوروار مسلمان ہی ہوں گے۔ ان کے اس یکطرفہ پراپیگنڈے سے بہت سے شاتمان رسول قانون کی گرفت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

12 مغربی صیہونی اسلام دشمنی لابی نے گذشتہ چند برسوں میں شاتمان رسول پر انعام و اکرام کی جس قدر بارش کی ہے، اس کو دیکھتے ہوئے قانون توہین رسالت کا موثر نفاذ ضروری ہوگیا ہے۔ سلمان رشدی ملعون اپنے "شیطانی ہفوات" اور بعد میں دیئے جانے والے انٹرویو کے بدلے میں دس کروڑ کے لگ بھگ رقم کھاچکا ہے۔ تسلیمہ نسرین جرمنی میں تعیش کی زندگی گزار رہی ہے۔ سلامت مسیح یورپ کی "جنتوں" کی سیر کر رہا ہے۔ اس طرح کے مادی فوائد بہت سے گمراہ نوجوانوں کو آزادی فکر کے نام پر توہین رسالت کے جرم کے ارتکاب کی ترغیب دے سکتے ہیں۔

13 جس طرح اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے مؤثر قوانین اور ان کے عملی نفاذ کی ضرورت ہے، بالکل اسی طرح اکثریت کے حقوق کے تحفظ کے لئے تحریری قوانین کی موجودگی بھی ضروری ہے۔ اکثریتی گروہ کی طرف سے رواداری اور تعاون جہاں بے حد ضروری ہے، وہاں اقلیتی گروہ کی بھی یہ ذمہ داری ہونی چاہئے کہ وہ اکثریت کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھے۔

آخر میں قرآن وسنت کی روشنی میں مختصراً قانون توہین رسالت ﷺ کی اہمیت کو بیان کیا جاتا ہے۔

عالم اسلام کے نامور عالم دین الشیخ محمد بن صالح العثیمین (سعودی عرب) نے "اسلام میں بنیادی حقوق" کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں کہ "پہلا حق اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو خالق ہے، عظیم ہے اس کا حق یہ ہے عبودیت کے ہر معنی کے

لحاظ سے تو اس کا بندہ بن جائے" (صفحہ 7-9) وہ فرماتے ہیں کہ دوسرا حق رسول اللہ ﷺ کا حق ہے۔ مخلوق کے حقوق میں سے یہ حق سب سے بڑا حق ہے۔ مخلوق کا کوئی حق رسول اکرم ﷺ کے حق سے بڑا نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"انا ارسلنک شاھدا ومبشرا ونذیراO لتوء منوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ"

ہم نے آپ کو گواہ، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور دل و جان سے اس کی مدد کرو اور اس کا احترام بجالاؤ"

اسی لئے نبی اکرم ﷺ کی محبت تمام لوگوں کی محبت پر مقدم ہے۔ حتیٰ کہ اپنے آپ پر، بیٹے پر اور باپ پر بھی۔ چنانچہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کی نظروں میں اس کے بیٹے سے، اس کے باپ سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔

نبی اکرم ﷺ کے حقوق یہ ہیں کہ آپ ﷺ کی عزت افزائی، آپ کا احترام اور آپ کی تعظیم کی جائے۔ آپ ﷺ کے حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کی شریعت اور ہدایت کا دفاع کیا جائے۔ اگر حالات اسلحہ کا تقاضا کرتے ہوں اور انسان اس کی قدرت بھی رکھتا ہو تو قوت کے ساتھ دفاع کرے اور جب دشمن دلائل و شبہات سے حملہ آور ہو تو علم سے اس کا دفاع کیا جائے۔ کسی مومن کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی کو نبی ﷺ کی شریعت پر یا آپ کی ذات کرم پر حملہ کرتے سنے پھر خاموش رہے جبکہ وہ اس کے دفاع کی قدرت بھی رکھتا ہو" ـــــ (ایضاً صفحہ نمبر 13-14)

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ رحمت للعالمین تھے آپ نے سفیان بن حرب، عبد اللہ بن ابی اور ہندہ جیسے دشمنان اسلام کو بھی معاف فرما دیا تھا۔ آپ کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بد نصیب ایسے افراد بھی تھے جنہیں معافی کا مستحق نہ ٹھہرایا گیا۔ فتح مکہ کے وقت جب آپ نے عام معافی کا اعلان فرما دیا تھا۔ تب بھی چھ سات فراد ایسے

تھے جنہیں آپ نے معاف نہ فرمایا۔ سیرت کی کتابوں میں ان کے نام مذکور ہیں۔ یہ سب کے سب وہ افراد تھے جو حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے تھے، آپ ﷺ کے خلاف سب وشتم، ہرزہ سرائی اور گالی گلوچ میں ملوث پائے گئے تھے۔ آپ ﷺ ان ملعون افراد کی بد زبانی سے سخت رنجیدہ خاطر رہتے تھے۔

علامہ ابن الطلاع الاندلسیؒ نے اپنی معرکتہ الاراء تالیف "اقضیۃ الرسول ﷺ" میں شاتم الرسول کے مباح الدم (جس کا خون جائز ہو) ہونے کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کے فیصلہ جات نقل کیے ہیں۔

شیخ ابن الطلاع نے اس نابینا شخص کا واقعہ نقل کیا ہے جس نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا تھا جو رسول اکرم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی حضور ﷺ نے اس کے قتل کا خون بہا ساقط فرمادیا تھا۔

طبرانی نے عمیر بن امیہ سے روایت کی ہے کہ ان کی ایک بہن تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ باہر نکلتے تو وہ آپ کو گالیاں دیتی۔ وہ مشرکہ تھی۔ عمیر نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بیٹے چلا چلا کر کہنے لگے کہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔ تم لوگوں نے ہماری ماں کو قتل کر دیا ہے حالانکہ ان لوگوں کے باپ دادا اور ان کی مائیں سب مشرک نہیں۔ جب عمیر کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ وہ لوگ اپنی ماں کے بدلے میں قاتل کے بجائے کسی اور کو قتل کردیں گے تو انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا۔ "کیا تو نے اپنی بہن کو قتل کر دیا۔" اس نے کہا "جی ہاں" آپ نے فرمایا "کس لئے۔" اس نے کہا "وہ آپ کو برا بھلا کہہ کر مجھے ایذا دیتی تھی" رسول اکرم ﷺ نے مقتولہ کے بیٹوں کو بلا کر پوچھا۔ انہوں اصل قاتل کے بجائے کسی اور شخص کا نام بتایا رسول اللہ ﷺ نے ان کو حقیقت سے آگاہ کیا اور ان کی ماں کو مباح الدم قرار دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے خطمہ قبیلے کی ایک عورت کا واقعہ بیان کیا ہے جو رسول اکرم ﷺ کو ایذا دیتی تھی آپ ﷺ کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا کرتی تھی۔ حضور ﷺ

نے فرمایا "کون ہے جو اس عورت کا کام تمام کرے؟" عمیر بن عدی آدھی رات کو اٹھ کر اس عورت کے گھر میں داخل ہوئے اس کے اردگرد بچے سو رہے تھے۔ دودھ پیتا بچہ اس کی چھاتی سے چمٹا ہوا تھا۔ انہوں نے بچے کو الگ کیا اور تلوار اس کے سینے میں گھونپ دی جو پیٹھ تک اتر گئی۔ عمیر نے نماز فجر رسول اکرم ﷺ کی اقتداء میں ادا کی۔ حضور ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر عمیر کی طرف دیکھا اور فرمایا "کیا تو نے بنت مروان کو قتل کر دیا ہے؟" عمیر نے کہا "جی ہاں" میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں" رسول اکرم ﷺ نے پھر حاضرین سے کہا جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کی غیبی مدد کی ہے وہ عمیر بن عدی کو دیکھ لے۔

مصنف عبد الرزاق میں ابن جریج رجل عن عکرمہ مولی ابن عباس کی سند کے ساتھ مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ کو گالی دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "کون ہے جو مجھے میرے دشمن سے بچائے۔" حضرت زبیرؓ نے کہا "میں" چنانچہ حضرت زبیرؓ نے اسے للکارا اور قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کا سامان حضرت زبیرؓ کو دلوایا۔

سنن بیہقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا کرتی تھی۔ ایک آدمی نے گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا رسول اللہ ﷺ نے اس کے خون کو ساقط قرار دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو قتل کر دیا تھا جو رسول اکرم کو گالیاں دیا کرتا تھا۔

نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے عشق و محبت اور آپ ﷺ کا احترام واکرام اسلام کے اساسی عقائد میں شامل ہے۔ ہمارے قائدین ملت نے اس کے والہانہ اظہار میں کبھی کمی نہیں کی۔ حضرت علامہ اقبالؒ کی اسرار خودی کا بہت سا حصہ ان اشعار پر مشتمل ہے جو آپ نے عشق رسول ﷺ کی اہمیت کے متعلق درج کئے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ ، غازی علم الدین شہیدؒ کا مقدمہ لڑنے کے لئے خود ہی لاہور تشریف لائے تھے۔مولانا ظفر علی خان کا وہ شعر ہر مسلم نوجوان کی زبان پر تھا جو انہوں نے غازی علم

الدین شہیدؒ کی تعریف میں لکھا تھا۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہؐ بطحا کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

پاکستان کے وزیراعظم میاں نواز شریف کا گھرانہ دینداری کی بناء پر بھی محترم تصور کیا جاتا ہے۔ ان سے بجا طور پر توقع کی جانی چاہئے کہ ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ اور امت مسلمہ کے اس حساس معاملے پر امریکہ جیسی سپرپاور کے مقابلے میں سبکی کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ انہیں امریکہ کو بتا دینا چاہئے کہ جن "انسانی حقوق" میں توہین رسالت کی گنجائش نکلتی ہو اسے مسلمان اپنے پاؤں کی ٹھوکر پر رکھتے ہیں۔

توہین رسالت ﷺ

پاکستانی قوانین میں امریکی مداخلت کی مذموم کوشش

ایم طفیل

حال ہی میں امریکہ کی طرف سے پاکستان سے ایک شرانگیز مطالبہ کیا گیا۔ امریکی وزارت خارجہ نے اپنی ایک رپورٹ میں پاکستان میں رہنے والے غیر مسلموں میں پائے جانے والے "عدم تحفظ" کے حوالے سے یہ مطالبہ کیا کہ حکومت پاکستان توہین رسالت ﷺ کا قانون ختم کر دے کیونکہ یہ قانون اس لحاظ سے عدم مساوات کا مظہر ہے کہ کسی غیر مسلم کے مذہب بدلنے پر تو کوئی پابندی نہیں' البتہ کوئی مسلمان اگر اپنا مذہب تبدیل کرنا چاہے تو اسے برداشت نہیں کیا جاتا۔ پاکستان میں توہین رسالت ﷺ پر سزائے موت 1986ء میں مرحوم ضیاء الحق کے دور میں مقرر کی گئی تھی۔

امریکہ سے مال بٹورنے والے اداروں اور انسانیت کے نام نہاد علمبرداروں کا کہنا ہے کہ امریکہ جہاں ہر قسم کی مذہبی اور شہری آزادیاں حاصل ہیں جو انسانی حقوق' جمہوریت اور شہری آزادیوں کا سب سے بڑا علمبردار ہے' محض انسانیت اور انسانی حقوق کے ناطے پاکستان سے اس قسم کا مطالبہ کر رہا ہے لیکن ذرا گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے تو بات کھل کر سامنے آجاتی ہے اور اس قسم کے مطالبے کے پس پردہ محرکات کو سمجھنا مشکل نہیں رہتا۔ اگر ہم امریکی پالیسیوں کے مخالف مسلمان ممالک اور بالخصوص ان مسلمان ممالک کے متعلق جہاں اسلامی

تحریکوں نے اتحاد عالم اسلامی' احیائے اسلام اور نفاذ اسلام کے لئے جدوجہد شروع کر رکھی ہے' امریکی رویہ اور پالیسیوں کا جائزہ لیں تو یہ سمجھنے میں مشکل پیش نہیں آتی کہ نہ صرف اسلام' امریکہ کا ہدف ہے بلکہ وہ عالم اسلام کے اتحاد و یکجہتی کے محور اور دین اسلام سے مسلمانوں کی عقیدت و محبت پر ضرب لگانے کی فکر میں ہے۔ اس کے لئے وہ جہاں مختلف ذرائع سے مسلمان ممالک میں مادر پدر آزاد معاشرے کے فروغ کے لئے اپنے ایجنٹوں کو استعمال کر رہا ہے' وہاں ان کے خلاف طرح طرح کی الزام تراشیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ پاکستان میں امریکی اور بعض دوسرے ممالک کی مالی امداد سے چلنے والی بعض غیر سرکاری تنظیمیں (این جی اوز) اس محاذ پر پوری طرح سرگرم عمل ہیں۔ ان تنظیموں کے ذریعے مذہب کو بدنام کرنے اور انسانی حقوق کی مبینہ خلاف ورزی کے حوالے سے ملک کو بدنام کرنے کی باقاعدہ سازش کی جا رہی ہے۔ موجودہ حکومت نے ان تنظیموں کی سرگرمیوں کا نوٹس لے کر کچھ اقدامات کرنے کا عندیہ دیا ہے' خدا کرے وہ اس مقصد میں کامیاب ہو اور پاکستان کے نظریاتی تشخص اور اسلام کے خلاف کام کرنے والی ان تنظیموں کا کڑا محاسبہ کرکے ان کی سرگرمیوں سے قوم کو پوری طرح آگاہ کیا جائے۔ امریکہ نے مسلمان ممالک میں سے ایران' سوڈان' لیبیا' پاکستان (کچھ عرصہ پہلے تک الجزائر) کو مختلف پہلوؤں سے نکتہ چینی کا ہدف بنا رکھا ہے۔ ایران' سوڈان اور لیبیا کے علاوہ شام کو باقاعدہ دہشت گردوں کی صف میں شامل کر لیا گیا ہے۔ پاکستان' جہاد افغانستان میں حصہ لینے والے عرب مجاہدین کو گرفتار کرکے ملک بدر کرنے اور ان پر اپنے دروازے بند کر دینے کی ایمان شکن کوششوں کے علاوہ یوسف رمزی اور ایمل کانسی کی اپنی سرزمین پر سے گرفتاری کی اجازت دینے کے نتیجے میں' دہشت گردوں کی صف میں شامل ہونے سے بظاہر بچ گیا۔ اوپر جن مسلمان ممالک کا ذکر کیا گیا ہے' وہ نہ صرف امریکہ کی اسلام دشمن پالیسیوں کی شدت سے مخالفت کر رہے ہیں بلکہ وہ نفاذ اسلام' احیائے اسلام اور اتحاد عالم اسلامی کے لئے بھی پوری طرح سرگرم عمل ہیں اور یہی بات امریکہ کے لئے قابل برداشت نہیں۔ امریکہ اور پورا مغربی استعمار اسلامی تحریکوں کے علاوہ

افغان جہاد کے دوران مجاہدین کے جذبات' ان کی قربانیوں' ان کی ایمان افروز اور حیران کن جدوجہد' ان کی ناقابل یقین کامیابیوں اور روس جیسی سپر طاقت کی شکست اور ہزیمت کے مشاہدے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کا یہ جذبہ جہاد آگے چل کر پوری مغربی دنیا اور اسلام دشمن قوتوں کے خلاف ایک نیا محاذ کھل سکتا ہے چنانچہ ابھی افغان جہاد جاری تھا کہ امریکہ اور اس کے حواریوں نے اسے بے ثمر بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ روس کی شکست بلاشبہ امریکہ کا اولین ہدف تھا کہ اس طرح وہ اس سے ویت نام کا بدلہ چکانے کے ساتھ ساتھ اس کی فوجی طاقت کا بھرم ختم کرنا چاہتا تھا لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ افغان مجاہدین مکمل فاتح بن کر افغانستان میں داخل ہوں اور افغان جہاد پوری طرح ثمر آور ثابت ہو (چنانچہ افغانستان میں پیدا ہونے والی موجودہ صورت حال میں امریکہ اور مغربی استعمار کی اس سازش کا عمل دخل بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔)

افغان جہاد کی کامیابی کے بعد بوسنیا اور چیچنیا میں مسلمانوں نے اپنی آزادی کے لئے جس جدوجہد کا آغاز کیا اور اس کے لئے جو بے مثل قربانیاں دیں' انہوں نے امریکہ اور مغربی استعمار کی نیندیں حرام کر دیں۔ امریکہ نے روسی تسلط سے بالٹک کی ریاستوں کی طرف سے نکلنے کی کوشش میں ان ریاستوں کا بھرپور ساتھ دیا اور جب روسی فوجیں ان ریاستوں میں داخل ہوئیں تو امریکہ اور مغربی ممالک کی طرف سے نہ صرف مداخلت کی دھمکی دی گئی بلکہ روس کو ملنے والی غذائی اور اقتصادی امداد پر پابندی عائد کرنے کا بھی کھلا اشارہ دیا گیا جس پر روس نے بالٹک کی تینوں ریاستوں سے اپنی فوجیں واپس بلالیں لیکن انہی روسی فوجوں نے جب وسط ایشیاء کی مسلمان ریاستوں میں تشدد کا' مظاہرہ کیا آذربائیجان میں آرمینیائی فوج کے ذریعے ظلم و ستم کا بازار گرم کیا اور چیچنیا نے روسی تسلط سے آزادی کا اعلان کیا تو امریکہ اور پوری مغربی دنیا نہ صرف خاموش رہی بلکہ چیچنیا میں روسی فوج کی بدترین جارحیت اور ظلم و ستم کی حمایت کرتے ہوئے اسے روس کا حصہ قرار دیا گیا۔ انسانیت' جمہوریت اور انسانی آزادیوں کا علمبردار امریکہ اور پوری مغربی دنیا' بوسنیا کے مسلمانوں پر سربوں کے شرمناک اور وحشیانہ مظالم بلکہ

اقوام متحدہ کے فوجی دستوں کے ہاتھوں بوسنیا کی مسلمان خواتین کی عصمت دری پر مہربلب رہی۔ یہ واقعات مغربی دنیا کی شرافت' انسانیت' انسان دوستی' انسانی حقوق کی پاسداری کے سارے دعووں پر کلنک کا ٹیکہ بن گئے۔ الجزائر میں اسلامک فرنٹ کی ابتدائی کامیابی پر امریکہ بوکھلا گیا اور اس نے اس وقت کی الجزائر کی حکومت پر' چین سے ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کرنے کا الزام عائد کر دیا لیکن جونہی اسلامی قوتوں کے خلاف فوج نے کارروائی کی' ملک میں مارشل لاء نافذ کرکے فوج نے اقتدار سنبھال کر امریکی مفادات کے مطابق معاملات کو چلانا شروع کیا تو امریکہ کی ساری الزام تراشی ختم ہو گئی۔ اسلامک فرنٹ کو دہشت گرد قرار دے دیا گیا لیکن الجزائر میں اسلامی قوتوں کی جدوجہد کو دبایا نہیں جاسکا۔

طویل عرصہ کے بعد ترکی میں رفاہ پارٹی نے انتخابات میں شاندار کامیابی حاصل کی تو اس پر بھی اسلام دشمن عالمی قوتوں اور استعماری طاقتوں کا ماتھا ٹھنکا۔ قطع نظر اس سے کہ رفاہ پارٹی کا اقتدار ختم کر دیا گیا ہے' ترکی میں اسلامی قوتوں کے احیاء اور ان کی جدوجہد کو نظر انداز کرنا مشکل ہے اور سیاسی مبصرین کے ان تجزیوں کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا' ترکی میں آئندہ انتخابات اسلامی قوتوں کی پہلے سے زیادہ اور بھرپور کامیابی کی نوید لے کر آئیں گے۔

افغان جہاد' ایران کا اسلامی انقلاب' چیچنیا اور بوسنیا کی آزادی بالخصوص چیچنیا کے مسلمانوں کا جذبہ جہاد اور بوسنیا کے مسلمانوں کی بے مثال قربانیاں' سوڈان میں اسلامی قوتوں کا اقتدار اور اسلامی قوانین کا نفاذ' ترکی میں تمام تر پابندیوں کے باوجود رفاہ پارٹی کی بھرپور کامیابی' الجزائر میں فوج کے خلاف اسلامک فرنٹ کی طویل آویزش اور مغربی دنیا میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں ہونے والا حیرت ناک اضافہ' امریکہ اور اس کے حواریوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر رہا ہے کہ تمام تر منفی حربوں اور اسلام دشمنی کے باوجود مسلمانوں کی کامیابی اور اسلام کے فروغ کا سبب کیا ہے؟ انہیں یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس کامیابی کا سبب حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس سے مسلمانوں کی گہری محبت و عقیدت ہے اور یہی عقیدت اسلام سے ان کی وابستگی کا مظہر ہے۔ لہٰذا حضور نبی کریم ﷺ کی

ذات اقدس سے مسلمانوں کی عقیدت و محبت پر ضرب لگانے کے لئے امریکہ نے یہ شرمناک رویہ اختیار کیا ہے کہ عقیدت و محبت کے اس منبع و مرکز کو نشانہ بنایا جائے اور امریکہ نے مذہب اسلام سے مسلمانوں کی وابستگی کو ختم کرنے' ان کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے اور مسلمان ممالک میں رہنے والے غیر مسلموں کو مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے کے لئے تحریص دلانے' مسلمانوں اور غیر مسلموں کو آپس میں لڑانے اور اس طرح انہیں کمزور کرنے کی ایک لامتناہی سازش شروع کرنے کی کوشش کی ہے۔

امریکہ کو نہیں بھولنا چاہیے پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے اور یہاں رہنے والے مسلمان اپنی تمام تر بے عملی اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں کوتاہی اور ناکامی کے باوجود ختم نبوت ﷺ کے معاملے میں بے حد حساس ہیں۔ ختم نبوت ﷺ مسلمانوں کے ایمان کا بنیادی جزو ہے۔ کسی بھی مسلمان معاشرے میں کسی مسلمان کو دین سے برگشتہ ہونے کی اجازت نہیں۔ یہ مسلمانوں کا اپنا معاملہ ہے اور کسی کو بھی اس میں مداخلت کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ کوئی بھی غیر مسلم اقلیت یہ نہیں کہہ سکتی کہ بحیثیت اقلیت' اس کے ساتھ ناروا یا امتیازی سلوک کیا جارہا ہے۔ آئے دن بعض غیر ملکی ذرائع ابلاغ یہ دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان دعوؤں کی اصلیت اور حقیقت سے قطع نظر یہ دعویٰ اس بات کا ثبوت ہے کہ غیر مسلم اقلیتوں کے خلاف نہ کوئی تعصب ہے اور نہ ہی ان کی مذہبی سرگرمیوں پر کوئی پابندی ہے۔ ایک قادیانی پاکستان کا وزیر خارجہ اور ایک عیسائی سپریم کورٹ آف پاکستان کا چیف جسٹس رہ چکا ہے۔ آج بھی کئی کلیدی آسامیوں پر غیر مسلم اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد فائز ہیں۔ ان کا مذہبی عقیدہ' ان کی محکمانہ ترقی کی راہ میں حائل نہیں۔ امر واقع یہ ہے کہ پاکستان میں غیر مسلم اقلیتیں پوری طرح محفوظ ہیں۔ ان کے حقوق محفوظ ہیں۔ انہیں تمام شہری آزادیاں حاصل ہیں بلکہ توہین رسالت ﷺ کے قانون کے بعد غیر مسلم اقلیتوں کو پوری طرح تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ امریکہ پاکستان میں اگر اپنے جیسا مادرپدر آزاد معاشرہ دیکھنا چاہتا ہے اور اگر وہ ایسی بے حمیتی دیکھنے کا

متمنی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور بی بی مریم کی شان میں یہودیوں کی گستاخی پر بھی اس نے چپ سادھ رکھی ہے تو کم از کم پاکستان کے مسلمانوں سے وہ یہ توقع نہ رکھے۔ وہ جن انسانی حقوق اور مذہبی آزادیوں کی بات کرتا ہے' اس کے لئے اسے اسرائیل اور بھارت کی طرف بھی نگاہ دوڑانی چاہیے۔ مسجد اقصیٰ کو نذر آتش کرنے کی سازش' بھارت میں بابری مسجد کی شہادت اور تقسیم ملک کے بعد 35 ہزار مسلم کش فسادات' کشمیر میں ہونے والے مظالم' برما میں مورو مسلمانوں کا قتل عام' امریکہ کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ اس حوالے سے مولانا فضل الرحمٰن کا یہ بیان چونکا دینے والا انکشاف ہے کہ بے نظیر حکومت نے امریکی دباؤ کے تحت توہین رسالت ﷺ کا قانون ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا' لیکن اس سے پہلے وہ حکومت ہی ختم ہوگئی۔ پیپلز پارٹی کی قیادت کو اس سلسلے میں اپنے موقف کی وضاحت کرنی چاہیے۔ بہرحال امریکی دفتر خارجہ نے پاکستان کے قوانین میں مداخلت کی جو مذموم کوشش کی ہے' وہ ادنیٰ سے ادنیٰ ایمان رکھنے والے پاکستانی مسلمانوں کے لئے بھی ناقابل برداشت ہے اور جب تک ایک مسلمان بھی پاکستان میں موجود ہے' وہ اس قسم کی مداخلت برداشت نہیں کرے گا۔

(روزنامہ جنگ لاہور - 30 جولائی 1997ء)

مغرب کے پجاری اور آزادی رائے

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی الازہری

مغرب... مغربی اقدار.... مغرب کی مذہب سے لاتعلقی.... اور.... سیکولر نظریات کی خوبیوں' عظمتوں اور رفعتوں کو خوش نما انداز' انتہائی خوبصورتی اور غیر محسوس طریقے سے "چٹخارے" لے لے کر بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عام سا انسان ان "طلسماتی کہانیوں" کو سن سن کر یہ محسوس کرتا ہے کہ یورپ کی ترقی کا راز ہی مذہب سے دوری میں پوشیدہ ہے۔ اور اس طرح کے "خیالات فاسدہ" کو اپنے پرنٹ میڈیا کے ذریعے خوب خوب اجاگر کرتا ہے جس کے نتیجے میں عوام تو ایک طرف رہے' علم و آگہی سے وابستہ افراد اور حکمرانی کے "بے وفا تخت" پر "فروکش" "شخصیات" بھی اس "فریبی سحر" میں مبتلا ہو جاتی ہیں کہ ہماری فلاح بھی "سیکولر ازم" میں پنہاں ہے۔ اس لیے حکمرانوں کا انداز حکمرانی بھی سیکولر روایات کا روپ دھار لیتا ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کم و بیش آج بھی یورپ اپنے مذہبی عقائد' روایات اور افکار میں اسی قدر رجعت پسند ہے' جس قدر آج سے دو ہزار سال پہلے روم کے کلیسا کی تعلیمات کی روشنی میں رجعت پسند تھا اور جس کا مشاہدہ ہم آئے دن یورپ سے آنے والے مذہبی افراد کے ارشادات' بیانات' پیغامات اور حکمرانوں کو دیئے گئے "احکامات" سے کرتے رہتے ہیں۔ کبھی وہ اپنے مشنری اداروں کی آڑ میں اور کبھی غیر ملکی امداد سے چلنے والی "این جی اوز" کے حوالے سے ایسی کارروائیوں کو پروان چڑھاتے رہتے ہیں۔ کبھی "رشدی" کے ذریعے اور کبھی "نسرین" کے روپ میں اپنے مقاصد کو حاصل کرتے ہیں۔ کبھی وہ مذہب کو انسان کا ذاتی مسئلہ قرار دے کر اس کی اہمیت ختم کرنا چاہتے ہیں اور وہ مذہب کو انسان کا ذاتی مسئلہ قرار دینے میں حق بجانب بھی ہیں۔ کیونکہ عیسائیت' یہودیت اور دیگر تمام ادیان کی تعلیمات صرف عبادات اور اخلاقیات تک محدود ہیں اور زندگی کے دیگر شعبہ ہائے حیات کے بارے میں ان کی تعلیمات یا تو خاموش ہیں' یا اگر ہیں تو اسلام کے مقابلے میں انتہائی محدود' غیر متوازن' ناپائیدار' غیر مستقل اور غیر ابدی ہیں۔ یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے اور ان موضوعات پر علمی مواد سے معمور بہترین کتب

اس پر شاہد ہیں۔ اسلام کے احکامات بھی اگر صرف عبادات اور اخلاقیات تک محدود ہوتے تو مغرب کو اس سے خوفزدہ ہونے کی نہ کوئی ضرورت تھی اور نہ ہے۔ آخر یورپ میں دیگر ادیان والے بھی تو سرگرم عمل رہتے ہیں۔ ان کے بارے میں ان کا وہ "ترش رویہ" نہیں ہوتا جو اسلام کے بارے میں ہوتا ہے۔ آخر اس کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہے؟ اگر کہا جائے کہ اس کی وجہ مسلمانوں کے مابین مسالک کا اختلاف اور ان کے پیروکاروں کی باہمی چپقلش ہے تو جب "صلیبی جنگیں" ہوتی تھیں اس وقت تو کوئی فرقہ واریت اور مسلکی اختلاف کا وہ زور و شور نہ تھا جو آج نظر آتا ہے تو اس وقت یورپ اور روم کے کلیساؤں کے راہب اور شہنشاہ کس بناء پر اسلام سے برسرپیکار رہتے تھے؟ گویا اسلام دشمنی میں صرف طریق کار بدلا ہے' مذہبی عصبیت نہیں بدلی۔

مغرب اسلام سے خوفزدہ بھی صرف اس لیے ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات رکھتا ہے۔ اسلام کے نظام "معاشیات و اقتصادیات" کو اگر عملاً نافذ کر دیا جائے تو چند سالوں کے اندر اندر یورپ کی نام نہاد ترقی زمین بوس ہو جائے گی۔ اسلام کے نظام "حکومت و سیاست" کا جامہ زیب تن کر لیا جائے تو جمہوریت کے بڑے بڑے بت پاش پاش ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اسلام کے نظام "عدل و انصاف" کو اپنا لیا جائے تو یورپ کی نام نہاد عدل و انصاف کی کہانیاں اور مسلمان اقوام اور ملکوں کے ساتھ ان کا مظاہرہ اور سلوک ان کی دوغلی پالیسیوں کو ننگا کر دے گا۔ اسلام کے نظام عبادات کو روح جان بنا لیا جائے تو یورپ کا بے کل ہنگامہ خیز معاشرہ' سکون قلب کی دولت سے مالامال ہو جائے گا۔ اسلام کے نظام "اخلاقیات" کو حرز جان بنا لیا جائے تو یورپ کا مکروہ شیطانی معاشرہ اخلاق حمیدہ کا منبع و مرکز بن جائے گا۔ اسلام کے نظام "معاشرت" کو جاری و ساری کر دیا جائے تو طبقاتی کشمکش اپنی موت آپ مرجائے گی۔ اسلام کی کتاب ہدایت "قرآن" کو تعلیم و تعلم اور تسخیر کائنات کا سرچشمہ بنا لیا جائے تو یورپ کی سائنسی ترقی رو بہ زوال ہو کر قصہ ماضی کا ایک پارینہ جز بن جائے گی۔ غرضیکہ اسلام کی تعلیمات میں سے کسی ایک تعلیم کو بھی خلوص سے عملاً نافذ کر دیا جائے تو یورپ کے کلیساؤں کے راہب بخوبی جانتے ہیں کہ پھر وہ اسلام کے فروغ اور اس کی نشر و اشاعت کا راستہ کسی بھی طرح نہیں روک سکیں گے۔ اس لیے ہر چھ ماہ کے بعد یورپ کے مذہبی' سیاسی اور عمرانی رہنماؤں کے پیٹ میں اسلام دشمنی کے پس منظر میں "توہین رسالت ﷺ" کا مروڑ اٹھتا رہتا ہے۔

اہل حکمت جانتے ہیں کہ بعض اوقات مقاصد کو فوراً حاصل کر لیا جاتا ہے اور بعض اوقات سست روی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وقفوں کے ساتھ ساتھ' آہستہ آہستہ اذہان و قلوب کو مقاصد

کے حصول کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ دھیرے دھیرے' گاہے بگاہے کرنٹ کی خفیف شارٹوں کی صورت میں ذہن کے گوشوں میں ناپسندیدہ بات ڈال کر ارتعاش پیدا کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ذہن اس ارتعاشی کیفیت کو برداشت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ارتعاش کا زیرو بم اور مدوجزر ذہن پر بار گراں ثابت نہ ہونے کی بناء پر ایک معمول کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد عامل جس طرح کے مقاصد اور مفادات حاصل کرنا چاہے' بلا تردد حاصل کر لیتا ہے۔ کچھ اسی طرح کی صورت حال سے پاکستانی بھی دو چار ہیں۔ "توہین رسالت ﷺ " کی دفعات پر انتہائی تعصب' عصبیت اور تنگ نظری کی "خوردبین" لگا کر اس کے منفی پہلو تلاش کیے جاتے ہیں اور اگر منفی پہلو تلاش کرنے میں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑے تو اپنی خفت مٹانے کے لیے' لے دے کر یہ "نعرہ" لگایا جاتا ہے کہ یہ "آزادی رائے" کے خلاف ہے۔ "آزادی رائے" کا اطلاق کہاں کہاں ہوتا ہے' اس کی قیود کیا ہیں؟ آزادی رائے کا اونٹ بھی کیا شتر بے مہار کی مانند ہے؟ آزادی رائے کی لگامیں کسی "فیل بان" کے ہاتھ میں تھمائی جا سکتی ہیں تو اس کی حرکات و سکنات کی شرائط کیا ہیں۔ کیا "آزادی رائے" بھی مغربی تہذیب و تمدن کی عریاں "دوشیزہ" کی مانند کسی "قلوپطرہ" کی تمثیلی آئینہ کی پرتو ہے جس پر "آزادی رائے" کے "متوالے" اور "عشاق" عالم وارفتگی اور بے خودی میں ٹوٹ پڑتے ہیں اور اس آزادی کی "دوشیزہ" کے "آئینہ" کی کرچیوں سے اپنے آپ کو لہولہان کر کے شہیدوں میں نام لکھاتے جاتے ہیں۔ کیا "آزادی رائے" بھی اخلاقی اور قانونی حد بندیوں کی محتاج ہے یا نہیں۔ خود مغرب والے کشمیر و فلسطین' عراق و ایران کے "آزادی رائے" کے زخم خوردہ "مجروحین" سے سفاکانہ سلوک کا مظاہرہ کن اصولوں کے تحت کر رہے ہیں' شاید ان کے ہاں "اپنے" اور "غیروں" کے لیے آزادی کی رائے کے الگ الگ پیمانے ہیں۔

ایک مسلمان تو اس امر کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور نہ اس کے وہم و خیال میں یہ خیال آ سکتا ہے نہ اس کے مذہب کی تعلیمات ایسا کرنے کی اجازت دیتی ہیں۔ اس لیے یہ سوال مسلمان سے متعلق نہیں بلکہ کوئی اور کافر شخص یا کسی اور دین باطلہ کا ماننے والا شخص "آزادی رائے" کے حوالے سے نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اقدس میں توہین کا ارتکاب کرتا ہے (نقل کفر کفر نباشد) تو برطانوی قانون "آزادی رائے" کے حق کو پامال کرتے ہوئے حرکت میں کیوں آتا ہے؟ کیا "آزادی رائے" کے ڈھنڈورچیوں اور نام نہاد متوالوں نے اپنی تنہائیوں میں اپنے جیتے جاگتے ضمیر سے پوچھا؟

"مغرب" پروپیگنڈہ" کے بل بوتے پر "جھوٹ" کو "سچ" اور "سچ" کو "جھوٹ" ثابت کرنے کا "مشرق" کی بہ نسبت زیادہ تجربہ رکھتا ہے۔ دوسرے معنی میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ "کفر" اس "فن" کی گہرائیوں سے زیادہ آشنا ہے جس کا مظاہرہ وہ اکثر اوقات کرتا رہتا ہے اور اسی پروپیگنڈے کے ذریعے وہ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے۔ خاص طور پر جہاں کہیں اسلام کے فروغ کا معاملہ ہو یا اسلام کی حقیقی تعلیمات پر عمل کرنے کا مسئلہ ہو تو وہ اس پروپیگنڈے کے فن کے رموز کو جاننے کی بناء پر پورے "لاؤ لشکر" اور اپنے "شیطانی اسباب و آلات" کے ذریعے حملہ آور ہو جاتا ہے اور ظاہر بین افراد اس "لشکر" کی ظاہری شان و شوکت کے ساتھ جب لفظ "مغرب" کی پیوند کاری کو دیکھتے ہیں تو بلا چوں و چرا مرعوب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں یہ بات بڑے دلنشیں انداز میں بٹھا دی گئی ہیں کہ مغرب کی کوئی بات بھی "غلط"، "جھوٹ"" "باطل"" اور حقیقت سے ماورئی ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر ان کا کوئی "مذہبی راہب" ہماری کسی قانون کو "غلط" کہتا ہے تو وہ قانون یقیناً "آزادی رائے" اور "حقوق انسانی" کو پامال کر رہا ہوگا؟ وگرنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ "مغرب" کا حقوق انسانی کا علمبردار' "دینی رہنماء" اس کی مخالفت کرتا؟ اور جب "مغربی کلیسا کا پادری" اور "سیکولر معاشرے" کی ایک قابل احترام شخصیت "آرچ بشپ" ہمارے حکمرانوں کے سامنے ببانگ دہل کسی قانون کی مخالفت کر رہی ہو تو بلا ریب اس سے "آزادی رائے" جیسی "مقدس گائے" کی توہین ہو رہی ہوگی؟ ورنہ یورپ جیسے سیکولر معاشرے کا مذہبی "سیکولر" رہنماء' مخالفت میں "آداب مہمانی" کے خلاف مظاہرہ نہ کرتا تو کیا "سیکولر معاشرے" کے "سیکولر" رہنما کے قول و فعل سے خود لفظ "سیکولر" کے معنی کی دھجیاں نہیں بکھر رہی ہیں؟ کیا اس طرز عمل سے لفظ "سیکولر" کی لغت اور اصطلاح کے اعتبار سے' ان تک جو تعریفیں کی گئی ہیں' وہ سب غلط قرار نہیں ہو جاتیں۔ اس لیے "سیکولر" کی نئی تعریف وجود میں لائی جا رہی ہے اور انگریزوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس لفظ کی تعریف اور معنی جب چاہیں' بدل دیں۔ کیونکہ وہ "انگریزی" کے "مائی باپ" جو ٹھہرے۔ "بادشاہ" کو حق حاصل ہے کہ وہ "خنثیٰ" کو مذکر کہے یا مونث۔ ہم "محکوموں" کو کیا حق حاصل ہے کہ "سیکولر" کی وہ تعریف کریں جو اب تک لغت کی کتابوں میں موجود ہے۔

"مغرب" کا یہ نعرہ کہ وہ ایک "سیکولر معاشرہ" ہے اس کی حیثیت بعینہ ہے جیسی ہندوؤں کے اس نعرے کی ہے کہ "ہندوستانی معاشرہ" ایک "سیکولر معاشرہ" ہے۔ ان نعروں کی حیثیت "ڈھونگ" اور "دھوکہ" کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ مغربی معاشرہ مکمل طور پر سیکولر معاشرہ نہیں

ہے بلکہ وہ انتہائی "متعصب معاشرہ" ہے۔ یہ تعجب انگیز امر نہیں کہ جب بھی پاکستان یا کسی بھی اسلامی ملک میں کوئی قانون اسلام کی تعلیمات کے مطابق بنتا ہے یا کوئی قدم' اسلام کی تعلیمات کے مطابق اٹھایا جاتا ہے تو اس قانون کے خلاف پہلی آواز "مغرب" سے بلند ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد اپنے ملک میں موجود مغرب کے "گماشتے" بھی اپنی بے سری آوازوں کو "کوے کی آواز" میں شامل باجا بنا کر "گانے" لگتے ہیں؟

کیا وجہ ہے کہ "امتناع قادیانیت کا قانون" پاکستان کی مقننہ بناتی ہے اور اس کا "مروڑ" مغرب کے پیٹ میں اٹھتا ہے؟ "قوانین حدود" کا اطلاق پاکستان میں ہوتا ہے اور اس کے خلاف "صدائیں" یورپ میں بلند ہوتی ہیں؟ "قانون شہادت" کا اجراء پاکستان میں عمل میں آتا ہے اور اس کے خلاف "نعرے" یورپ میں لگائے جاتے ہیں؟ "عریانی اور فحاشی" پر پابندیاں یہاں عائد ہوتی ہیں اور اس کے خلاف "غم و غصہ" کا اظہار یورپ میں ہوتا ہے؟ "توہین رسالت ﷺ" کا قانون پاکستان کی عدلیہ کی ہدایات کی روشنی میں بنایا جاتا ہے اور اس کے خلاف "جلوس اور مظاہرے" مغرب میں ہوتے ہیں؟ کیا یورپ اور مغرب کی یہ تمام کارروائیاں اس امر کی غمازی نہیں کر رہی ہیں کہ مذہبی اعتبار سے اصل "متعصب معاشرہ" مغرب اور یورپ ہی ہے کہ وہ اپنے مذہبی اعتقادات اور قوانین کو دوسرے ممالک میں نافذ کرانا چاہتا ہے۔

بین الاقوامی قوانین میں سے کون سا قانون مغرب کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ دوسرے ممالک کے مذہبی اعتقادات اور قوانین میں دخل اندازی کریں۔ کیا ان ممالک میں بسنے والے افراد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے کی آزادی کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی مذہبی تعلیمات کی روشنی میں اپنی زندگی گزاریں؟ اور اپنے ملک میں اقلیتوں کو اپنے اعتقادات کے مطابق زندگی گزارنے دیں؟ کیا کسی شخص کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ برطانیہ یا امریکہ جائے؟ یقیناً نہیں لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے یا کسی بھی طریقہ سے امریکہ یا برطانیہ پہنچ جاتا ہے یا پہنچا دیا جاتا ہے تو اب اس پر لازم ہے کہ وہ اس ملک کے قوانین کی پابندی کرے' جس مقام پر وہ موجود ہے' اس کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ کہے کہ چونکہ میں پاکستانی ہوں اور میں پاکستان میں "رائٹ ہینڈ ڈرائیونگ" کرتا رہا ہوں' اس لیے میں امریکہ میں بھی "رائٹ ہینڈ ڈرائیونگ" کروں گا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو قابل گرفت قرار پائے گا۔ اب اس پر لازم ہے کہ وہ وہاں کے قوانین کی پابندی کرے یا اس کے برعکس کوئی امریکی پاکستان میں "ڈرائیونگ" کرے تو اس پر لازم ہے کہ امریکی ہونے کے باوجود پاکستانی قوانین کی پابندی کرے۔ اگر وہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا بنیادی حق ہے کہ

میں اپنی مرضی سے چلوں' چاہے دائیں طرف چلوں یا بائیں طرف' تم کون ہوتے ہو میرے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والے؟ کوئی بھی ذی شعور شخص اس کے دعویٰ کی تائید نہیں کرے گا کیونکہ اس کا یہ دعویٰ' بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے۔ بین الاقوامی قانون یہی کہتا ہے کہ جو شخص جس ملک میں ہو' اس پر لازم ہے کہ اس ملک کے قوانین کی پابندی کرے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ دین کے معاملات میں جبر نہیں۔ دین اسلام ہرگز اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی فرد کو زبردستی اور اس کی مرضی و منشاء کے خلاف اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے اور زبردستی اقرار رسالت کرایا جائے۔ یہ ہر فرد کا حق ہے کہ وہ اسلام قبول کرے یا نہ کرے۔ رسالت کا اقرار کرے یا نہ کرے لیکن دنیا کا کوئی قانون' کوئی آئین اور بنیادی حقوق کا کوئی چارٹر کسی شخص کو یہ حق بھی تو نہیں دیتا کہ وہ کسی بھی رسول کی توہین کرے اور مذہبی معاملات میں دوسروں کی دل آزاری کا سبب بنے۔ اگر وہ مسلمان ہوگیا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو' یہاں اب وہ اپنی آزادی اور حق انسانی کے اصول کا اطلاق نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس نے اپنے آپ کو اسلام میں داخل کر کے اسلام کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کا پابند کر لیا ہے اور نہ ہی کسی شخص کو یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ پاکستان میں داخل ہو کر "پاکستانی قوانین" کی خلاف ورزی کرے۔

قانون کی مخالفت کون کرتا ہے....؟ اور کیوں کرتا ہے؟ کیا قانون جرائم میں اضافہ کرنے کے لیے بنتے ہیں....؟ کیا قانون دوسرے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے....؟ اور کیا قانون مذہب کی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے....؟ یقیناً تنازعات میں تصفیہ جوئی.... حق دار کو حق دلانے.... ظالموں اور جابروں سے نجات دلانے.... برائیوں کے انسداد.... اور جذبات کو مجروح کرنے سے روکنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔

قاتل کبھی نہیں چاہے گا کہ قاتل کے خلاف قانون بنے یا قتل کی مذمت کی جائے' چور کبھی نہیں چاہے گا کہ چوری کے خلاف قانون بنایا جائے یا چور کو سرعام رسوا کیا جائے۔ زانی اور شرابی کبھی نہیں چاہے گا کہ زنا اور شراب کے خلاف قانون بنایا جائے یا وہ شخص جس نے کسی بھی قسم کی برائی کا ارتکاب کرنا ہو' اس کی کوشش ہوگی کہ اس کی خواہشوں کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ نہ بنے اور نہ کوئی آڑ بننے کی کوشش کرے۔ اس لیے وہ مختلف حیلوں اور بہانوں سے اپنے خلاف قانون نہ بننے میں ہزار جتن کرے گا۔ کبھی اپنی عادات کا سہارا لے گا' کبھی اپنے فطری تقاضوں کی تکمیل کا جواز گھڑے گا' کبھی آزاد روی کا بہانہ بنائے گا' کبھی اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے

غیر مذاہب کی غیر مصدقہ روایات کا سہارا لے گا۔ کبھی حقوق انسانی کے خلاف سازش قرار دے گا اور کبھی انسان کی آزادی کے خلاف جرم قرار دے گا۔

لیکن جس شخص نے قتل نہیں کرنا' چوری نہیں کرنی' زنا اور شراب اس کے قریب بھی نہیں جانا اور نہ کسی برائی کے ارتکاب کا خیال دل میں لاتا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کتابوں کے اندر کوئی اس قسم کا قانون بھی موجود ہے یا نہیں۔ جب اس نے ان میں سے کسی فعل کا ارتکاب ہی نہیں کیا تو اسے کس بات کا ڈر یا خوف ہو گا۔ قانون کتابوں کے اندر ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔ اسے کیا فرق پڑے گا۔ ڈر اور خوف تو اس کو ہوتا ہے جو پہلے سے اپنے آپ کو ان گندے کاموں میں مبتلا کرنے کا ارادہ کیے بیٹھا ہے۔

اسی طرح جب کسی شخص نے "نعوذ باللہ" کسی بھی "نبی مکرم" یا "مقدس ہستی" کے خلاف کچھ لکھنا یا کہنا ہی نہیں ہے تو اسے کیا فرق پڑتا ہے کہ "توہین رسالت ﷺ " کے بارے میں دفعہ 295-C (مجموعہ تعزیرات پاکستان) ہے بھی یا نہیں۔ قانون کی کتابوں میں دفعہ ۳۰۲ آج سے نہیں بلکہ ۱۸۶۰ سے موجود ہے۔ کیا اس وقت سے تمام انسانوں کو قتل کرنے کے جرم میں گرفتار کیا جا چکا ہے؟ یا تمام انسانوں کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ خدشہ ہے کہ 295-C کو غلط طریقوں سے استعمال کیا جائے گا' اس دفعہ کی موجودگی میں جس پر جب چاہیں گے' اطلاق کروا کر گرفتار کروا لیا جائے گا چونکہ مذہبی منافرت دن بدن پھیل رہی ہے اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ اس دفعہ 295-C ہی کو ختم کر دیا جائے تاکہ اس کا ناجائز اور غلط استعمال ہی نہ ہو۔ پھر ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کوشش بھی کی جانی چاہیے کہ دفعہ ۳۰۲ کو بھی ختم کروایا جائے کیونکہ دفعہ ۳۰۲ کو ایک مرتبہ نہیں ہزاروں مرتبہ غلط استعمال کروا کر ہزاروں افراد کو پھانسی کے تختوں پر لٹکایا گیا ہے اور ہر پھانسی پر لٹکنے والا تقریباً یہی کہتا رہا ہے کہ مجھے ۳۰۲ میں جان بوجھ کر ملوث کروا کر پھانسی دلائی جا رہی ہے۔ جبکہ یہ قتل میں نے نہیں کیا۔ البتہ دیگر گناہوں میں مبتلا رہا ہوں لیکن اس قتل کا ارتکاب میں نے نہیں کیا تو کیا عدالتوں نے اپنے فیصلے صادر کیے جانے کے بعد ایسے تمام قاتلوں کی سزا معاف کر دی؟ کیا عدالتوں نے بغیر ثبوت کے قاتل کے دعوئ کو قبول کر لیا؟ کیا بھٹو کو عدالت کے ذریعے پھانسی کی سزا مل جانے کے بعد شیدائیان بھٹو نے عدالت کے فیصلے کو دل سے قبول کیا ہوا ہے؟ وہاں تو بالفعل دفعہ ۳۰۲ کا غلط استعمال ہوا لیکن یہاں تو ایک شخص کو بھی 295-C کے تحت سزا نہیں دی گئی۔ صرف مقدمات ہی درج ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس امر کی چغلی کھا رہا ہے کہ ان افراد کے مقاصد کچھ اور

ہیں یا اس کے پیچھے کوئی سازش کار فرما ہے؟ اور کس ذہن کے افراد ہیں جو دفعہ 295-C کو ناپسند کرتے ہیں؟ اور غیر ملکی اسلام دشمن طاقتوں کے ایجنٹ اسے کیوں ختم کرانا چاہتے ہیں؟

اگرچہ قانون سے متعلق شخصیات کے لیے قانون کی دفعہ کا حوالہ ہی کافی ہوتا ہے لیکن اہل نظر ذرا دفعات 295' 295-A' 295-B' 295-C کو نظر انداز کر کے مشاہدہ کریں کہ اس میں کون سی چیز اور الفاظ خلاف اسلام ہیں۔

باب ۱۵: ان جرائم کے بیان میں جو مذہب سے متعلق ہیں

(Offeness Relating To Religion)

عنوان: عبادت گاہ کو نقصان پہنچانا یا نجس کرنا کسی طبقہ کے مذہب کی توہین ہو' دفعہ ۲۹۵'

جو شخص کسی عبادت گاہ یا کسی شے کو جو لوگوں کے کسی فرقہ کے نزدیک متبرک سمجھی جاتی ہو' خراب کرے یا مضرت پہنچائے یا نجس کرے (Defile) لوگوں کے کسی فرقہ کے مذہب کی توہین کرنے کی نیت سے یا اس امر کے احتمال کے علم سے کہ لوگوں کا کوئی فرقہ اسے خراب کرنے یا مضرت پہنچانے یا نجس کرنے کو اپنے مذہب کی ایک طرح توہین (Insult) سمجھے گا تو شخص مذکورہ کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی معیاد دو برس تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

ضابطہ: قابل دست اندازی پولیس سمن' قابل ضمانت' ناقابل ضمانت راضی نامہ' مجسٹریٹ درجہ اول یا دوم'

گویا "حقوق انسانیت" اور "آزادی رائے" کے "آقاؤں" یعنی "انگریزوں" کے نزدیک یہ "حقیر" سے جرائم بھی "ناقابل راضی نامہ" ہیں۔

"انسان" کی کسی شخصیت..... فرد..... قوم..... ملک... وطن.... ادارے.... اور شعبے سے الفت اور وابستگی کے اطوار مختلف زمانوں اور حالات میں مختلف انداز سے ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ تغیرات زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کے انداز میں کمی بیشی اور افراط و تفریط کے مظاہرے بھی ہوئے۔ کبھی کبھی ایسی وابستگیاں شکست و ریخت کا شکار بھی ہوئیں اور تاریخ کی کہنگی کے ساتھ ساتھ ان میں کہنہ پن بھی پیدا ہوتا رہا لیکن دین و مذہب سے باوجود تغیرات زمانہ کے وابستگی اور تعلق کا پہلو مکمل طور پر کبھی بھی ختم نہ ہو سکا اور نہ ہو سکے گا۔ معاشرہ اپنے آپ کو کتنا ہی جدت پسند قرار دینے کا دعویٰ ہی کیوں نہ کرے' لیکن پھر بھی کسی نہ کسی انداز میں اس سے وابستہ رہتا ہے۔ یہ اسی رابطے ہی کا نتیجہ ہے مغرب اپنے آپ کو کتنا ہی مذہب سے نفرت کرنے والا

اور مذہب کو افیون کی گولی قرار دینے والا ہی کیوں نہ ہو' جب بھی مواقع اور حالات میسر آئیں گے' اپنے آپ میں مضمر اور پوشیدہ وابستگی کے پردے کو چاک کر کے عریاں ہونے میں سستی کا مظاہرہ نہیں کر پاتا۔ مذہب سے دوری کے دعویٰ کے باوجود جہاں کہیں اسلام اور مسلمانوں کے بطور مذہب اور قوم' ترقی کا پہلو سامنے آتا ہے اسلام دشمنی کا آغاز بھی ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ "توہین رسالت ﷺ" کے قانون کی مخالفت بھی اسی پس منظر کی آئینہ دار ہے۔

قانون کی نگاہ میں تمام وابستگیوں سے زیادہ مضبوط وابستگی "دین و مذہب" کی قرار پاتی ہے۔ چنانچہ اس وابستگی کو حد اعتدال میں رکھنے کے لیے "انگریز" آقاؤں نے اپنے دور "بادشاہت" ۱۹۲۷ء میں دفعہ ۲۹۵- الف (ایکٹ ترمیمی فوجداری قانون ۱۹۲۷ء) کا اضافہ اسی پس منظر میں کیا جس کی عبارت سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ "توہین مذہب" کی کتنی اہمیت ہے۔

۲۹۵- الف (مجموعہ تعزیرات پاکستان) کی مکمل عبارت یہ ہے:

عنوان : بالارادہ اور عداوتی افعال کے ذریعہ سے یا کسی جماعت کے مذہبی احساسات کو بذریعہ توہین مذہب یا مذہبی عقائد کے بھڑکانا"۔

دفعہ ۲۹۵- الف۔ جو کوئی شخص ارادتاً اور عداوت کی نیت سے پاکستان کے شہریوں کی کسی جماعت کے مذہبی احساسات کو بھڑکائے (Outrage) بذریعہ الفاظ زبانی یا تحریری یا نظر آنے والی علامات' اس جماعت کے اعتقادات مذہبی کی توہین کرے یا توہین کرنے کا اقدام کرے' اس کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی۔ جس کی میعاد دو برس تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

ضابطہ : ناقابل دست اندازی' وارنٹ' ناقابل ضمانت' ناقابل راضی نامہ مجسٹریٹ اول۔

یہ دفعہ ۱۹۲۷ء میں زیادہ کی گئی تاکہ اگر کسی مذہب کے بانی پر توہین آمیز حملہ کیا جائے تو ایسا کرنے والا سزا کا مستحق قرار پائے۔

"آزادی رائے" کے "متوالے" انگریزوں کے دور سے اس دفعہ کے اضافہ کرنے پر ابھی تک کیوں خاموش رہے؟ شاید اس لیے کہ چونکہ یہ "مغرب کے آقاؤں" نے بنایا تھا اور ان کا ہر بنایا ہوا قانون چاہے وہ آزادی رائے پر پابندیاں ہی کیوں نہ عائد کرتا ہو' قابل قبول ہے۔ لیکن آزاد شدہ مملکت کے قانون ساز ادارہ کا بنایا ہوا اسی طرح کا قانون "قابل مذمت قرار" پاتا ہے جس سے مغرب کے پجاریوں کی دو رنگی اور منافقت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اور جب اس قانون کے باوجود "توہین رسالت ﷺ" و "توہین قرآن" کی مسلسل توہین

آمیز کارروائیوں پر قابو نہ پایا جا سکا تو اس امر کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ایسا قانون بنایا جائے' جس کے ذریعے ایسی توہین آمیز کارروائیوں کا انسداد کیا جا سکے اور ایسا قانون قرآن و سنت کی تعلیمات کے عین مطابق بھی ہو۔ مغرب کے پجاریوں کی اس سوچ پر تعجب ہے کہ وہ قانون سازی پر تو اعتراض کر رہے ہیں اور اسے آزادی رائے کے خلاف قرار دے رہے ہیں لیکن "کلام اللہ" کی توہین کرنے والوں کی مذمت کرنے کے لیے ان کی زبانوں پر تالے پڑ جاتے ہیں اور ان کی توہین آمیز کارروائیوں کے خلاف ایک جملہ بھی کہنا اپنی "توہین" تصور کرتے ہیں جبکہ وہ اس امر کو بخوبی جانتے ہیں کہ جرائم کا تسلسل اور توہین آمیز کارروائیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہی نئی قانون سازی کا ذریعہ بنا کرتا ہے اور نئے نئے قانونوں کو وجود میں لایا کرتا ہے۔ چنانچہ رسمی پس منظر کے اندر ۱۹۸۲ء میں دفعہ ۲۹۵ ب کا اضافہ مجموعہ تعزیرات پاکستان میں کرنا پڑا جس کی عبارت سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کے کلام کی بہ نسبت خالق کائنات کا کلام زیادہ قابل تعظیم و تکریم ہے۔

"مغرب کے پجاریوں" کی "آزاد رائے" کے حوالے سے اس سوچ پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک ایک انسان کے جملے اور الفاظ "خالق انسان" "اللہ تعالیٰ" کے کلمات سے زیادہ محترم اور قابل تکریم و تعظیم ہیں۔ نیز دفعہ ۲۹۵ ب' کے الفاظ سے اس امر کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں مقصود صرف اور صرف قرآن پاک کی حفاظت ہے۔

عنوان: قرآن پاک کے نسخے کی بے حرمتی وغیرہ کرنا۔

"جو کوئی قرآن پاک کے نسخے یا اس کے کسی اقتباس کی عمداً بے حرمتی کرے' اسے نقصان یا اس کی بے ادبی کرے یا اسے توہین آمیز طریقے سے یا کسی غیر قانونی مقصد کے لیے استعمال کرے' تو وہ عمر قید کی سزا کا مستوجب ہو گا"۔

قانون کی عبارت میں کسی قسم کی مذہبی منافرت نہیں پائی جا رہی ہے۔ کسی فرقہ' طبقہ اور مذہب کے خلاف نہیں بلکہ اس شخص کے خلاف ہے جو اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ حتیٰ کہ خدانخواستہ اگر ایک مسلمان ہونے کا دعویدار بھی کسی طرح کی ہتک آمیز حرکت کرے گا تو وہ بھی موجب سزا ہو گا۔ یہ قانون کسی بھی مذہب اور دین کے ماننے والوں کے خلاف نہیں بلکہ صرف اور صرف "قرآن عظیم" کی عظمت کو برقرار رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر اس قانون کو بھی غلط معنی پہنائے جائیں تو "آزادی رائے" کے متوالوں کی عقلوں پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔

"مغربی افکار پر آنکھیں بند کر کے "ایمان" لانے والوں نے "سیدھے سادھے" افراد اور

عوام کے ذہنوں میں اس تصور کو پختہ کرنے کی پوری کوشش کی ہے کہ مغرب کے "مذہبی رہنماء" حقائق کے خلاف کبھی نہ کوئی بات کرتے ہیں اور نہ کہتے ہیں۔ ہمیشہ ان کے اقوال اور افعال "حقائق" کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ اگر واقعتاً ایسا ہی ہوتا تو پھر ان کا دفعہ سی۔ ۲۹۵ (ت پ) کی مخالفت کرنا حیران کن ہے کیونکہ اس دفعہ کی مخالفت کرنے میں وہ "حقائق" سے اعراض اور روگردانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سی۔ ۲۹۵ کا ایک ایک لفظ اور عبارت کا ایک ایک جملہ یہ واضح کر رہا ہے کہ اس کا استعمال کسی مذہبی فرقہ 'گروہ' جماعت اور طبقہ کے خلاف اس لیے نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس کا تعلق عیسائی' یہودی' اور غیر مسلم فرقہ سے ہے اور اس لیے اس دفعہ کے مطابق کارروائی عمل میں لائی جائے بلکہ اس کے برعکس ہر اس شخص کے خلاف کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے جو "توہین رسالت ﷺ" کا ارتکاب کر رہا ہے' چاہے وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہلواتا ہو۔ "توہین رسالت ﷺ" کے ارتکاب کرنے والے میں یہ تفریق نہیں کی جا سکتی ہے کہ چونکہ وہ غیر مسلم ہے' اس لیے قانون عمل میں لایا جائے بلکہ اگر "توہین رسالت ﷺ" کا ارتکاب کرنے والا خدانخواستہ مسلمان بھی ہو گا تو اس کے خلاف بھی یہ قانون اسی طرح حرکت کرے گا جس طرح غیر مسلم کے خلاف حرکت کرتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس قانون کا اطلاق جتنی قوت سے کافر پر ہوتا ہے اتنی قوت سے "توہین" کرنے والے "نام نہاد مسلمان" کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ یہ قانون تو اندھا ہے جو صرف قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو دیکھتا ہے اس کے مذہب 'گروہ' جماعت کو نہیں دیکھتا۔

دوسری طرف حکومت کے وزراء' اسلام کی تعلیمات کے بارے میں احساس کمتری کا اس حد تک شکار نظر آتے ہیں کہ اسلام پر کی جانے والی نکتہ چینی اور دریدہ دہنی کا جواب دینے کی بجائے وہ اسلام دشمن افراد کی صفائی پیش کرنے کے سلسلے میں' ان سے بھی زیادہ پیش پیش ہوتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ دنوں قومی اسمبلی میں ایک توجہ دلاؤ نوٹس کے جواب میں وفاقی وزیر مذہبی امور نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ "آرچ بشپ آف کنٹربری" کے حالیہ ریمارکس اسلام یا مسلمانوں کے خلاف نہیں تھے' اگر واقعی "آرچ بشپ" کے ریمارکس اسلام یا مسلمانوں کے خلاف نہیں تھے تو چند دن پہلے وزیر موصوف نے کس پس منظر میں موصوف پادری سے ملاقات میں سی۔۲۹۵ کے خلاف ان کے خدشات دور کرنے کی کوشش کی تھی؟ اگر وہ اسلام یا مسلمانوں کے حق میں تھے تو "خدشات" دور کرنے کا مقصد کیا تھا؟ یہ دو متضاد دعوے کس امر کی غمازی کر رہے ہیں؟

دفعہ سی۔ ۲۹۵ کیا ہے' غالباً اس کو مکمل پڑھنے کی نہ تو مغرب کے پجاریوں نے اور نہ ہی

آزادی رائے کے متوالوں نے اور نہ ہی غیر ملکی مشنری اداروں کے کارپردازوں نے شعوری طور پر کوشش کی ہے۔ اس قانون کی پوری عبارت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس میں "عیسائی" یا "یہودی" یا "غیر مسلم" یا "مسلم" کے لفظ سے توہین کرنے والے کی تعین کی گئی ہو۔ دفعہ سی۔ ۲۹۵ (ت پ) کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

عنوان: پیغمبر اسلام کی شان میں توہین آمیز الفاظ وغیرہ استعمال کرنا۔

"جو کوئی الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہو یا تحریری' یا موئی نقوش کے ذریعے' یا کسی تہمت' کنایہ یا درپردہ' تعریض کے ذریعے' بلاواسطہ یا بالواسطہ' رسول پاک حضرت محمد ﷺ کے پاک نام کی توہین کرے گا تو اسے موت' یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانہ کی سزا کا بھی مستوجب ہو گا۔"

آپ نے قانون کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائی ہوگی کہ اس میں کسی لفظ میں بھی کسی مذہبی یا فرقہ کی تعین نہیں کی گئی تو پھر قانون کے "پجاریوں" اور "پجارنیوں" "قانون دانوں" اور "قانون دانیوں" کا اس قدر واضح قانون کے خلاف آہ و بکا اور آہ وزاری کرنا' شور مچانا' ہنگامہ آرائی کرنا کس امر کی چغلی کھا رہا ہے؟

افسوس صد افسوس ایسے مسلمان وکلاء پر جن کے نزدیک ایک "گناہ گار" انسان کی عظمت ایک "معصوم عن الخطاء نبی مکرم" سے کہیں زیادہ اور "فائق تر" ہے۔ جب ان دونوں میں وہ تقابل کرنے بیٹھتے ہیں تو انہیں "انسان" اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرستادہ "نبی مکرم" سے زیادہ باعث عزت نظر آتا ہے۔ "انسان" کی توہین تو ان کے "مزاج شاہانہ" پر "بارگراں" قرار پاتی ہے اس لیے "ہتک عزت" کا دعویٰ کرنا قانونی تقاضا ٹھہرا لیکن خالق کائنات کے آخری فرستادہ "نبی مکرم" کی توہین کرنا نہ تو "قابل نفرت" نہ "باعث ننگ و عار" نہ "خلاف انسانیت" نہ اخلاقی تعلیمات کے خلاف' نہ "عیسائیت اور یہودیت کی مذہبی تعلیمات" کے خلاف بلکہ مغربی تہذیب و تمدن کے "اخلاق عالیہ" کا "شاہکار" نمونہ قرار پاتا ہے۔

مغرب کے پجاریوں اور آزادی رائے کے علمبرداروں کی نگاہ میں "موت کی سزا" توہین انسانیت کے زمرے میں شمار ہوتی ہے۔ اس لیے صبح و شام "موت کی سزا" کے خلاف ہنگامہ آرائی کرتے رہتے ہیں اور اسے وحشیانہ' جابرانہ اور ظالمانہ سزا قرار دیتے ہیں۔ وہ "مغربی افکار" کے بوجھ تلے "مغربی فلسفہ تعزیر" کو "حقوق انسانی" کی قدروں کے حوالے سے دیکھنے میں اس قدر مستغرق رہتے ہیں کہ "حقوق اللہ" اور "حقوق العباد" میں امتیاز بھی نہیں کر پائے اسی کشمکش

میں نگاہوں سے یہ بات بھی اوجھل ہو جاتی ہے کہ خود یورپ اور مغرب میں توہین انسانیت تو دور کی بات ہے "توہین شہنشاہیت" بھی "قابل تعزیر" جرم قرار پائی جاتی ہے چنانچہ......

برطانوی رعایا میں سے جو شخص برطانوی حدوں کے اندر یا باہر رہتے ہوئے بادشاہ کے دشمنوں سے تعلق رکھے یا بادشاہ ملکہ یا ولی عہد کی موت کے درپے ہو یا اس کا تصور کرے یا بادشاہ کی رفیقہ حیات یا اس کی بڑی بیٹی یا ولی عہد کی بیوی کی بے حرمتی کرے' بادشاہ کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرے یا نشانہ تاکے یا ہتھیار اس کے سامنے لائے جس سے مقصود اس کو نقصان پہنچانا یا خوف زدہ کرنا ہو' اسٹیٹ کے مذہب کو تبدیل کرے یا اسٹیٹ کے قوانین کو منسوخ کرنے کے لیے قوت استعمال کرے' یہ سب افعال برطانوی قانون کی رو سے عذر کبیر (High Treason) ہے جس کی سزا "موت" ہے خود جمہوریت کے دوسرے بڑے علم بردار امریکہ میں بادشاہت کے نہ ہونے کی بناء پر برطانیہ میں جو مقام بادشاہ کو دیا گیا ہے' وہی مقام متحدہ امریکہ کی قومی حاکیت اور وفاقی دستور کو دے کر اسٹیٹ سے غداری کی سزا "سزائے موت" کی شکل میں روا رکھی گئی ہے۔

چونکہ یہ سب کچھ مغرب میں ہو رہا ہے' اس لیے اس کے جرم کی ہر سزا کا حکم "سر آنکھوں" پر۔ اب یہ سزائیں بھی "قابل احترام" شکل اختیار کر جائیں گی اور اسی پس منظر میں "توہین انسانیت" کا فلسفہ بھی بدل جائے گا اور ان سزاؤں کے دلائے جانے کے جواز کی ترجیحات میں مغربی اقدار کے پجاری اپنی مزعومہ "حقوق انسانی" کی قدروں کو یک لخت پس پشت ڈالتے نظر آئیں گے۔

اسی طرح کے مغربی افکار کی رنگینیوں کو ایک مشہور و معروف قانون دان نے اپنی تالیف لطیف "ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت ﷺ" میں خوب خوب روشنی ڈالی ہے۔ جس کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں جس سے یہ ثابت کیا ہے کہ "توہین رسالت ﷺ" کی سزا صرف مسلمانوں کے نزدیک قابل مستوجب نہیں ہے بلکہ خود عیسائیوں کے ہاں بھی قابل مستوجب ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

"موسوی قانون کے تحت قبل مسیح کے انبیاء کی اہانت اور تورات کی بے حرمتی کی سزا "سنگسار" مقرر تھی۔ رومن ایمپائر کے شہنشاہ جس ٹمنین (Justinian) کا دور حکومت طلوع اسلام سے چند سال قبل ۲۶۵ تا ۵۲۵ صدی عیسوی پر محیط ہے' رومن لاء کی تدوین کا سہرا بھی اسی کے سر ہے اور اس کو عدل و انصاف (Justand Justice) کا مظہر بھی سمجھا جاتا ہے۔

اس نے جب دین مسیحی قبول کر لیا تو قانون موسوی کو منسوخ کر کے انبیائے بنی اسرائیل کی بجائے صرف یسوع مسیح کی توہین اور انجیل کی تعلیمات سے انحراف کی سزا "سزائے موت" مقرر کی۔ اس کے دور سے قانون "توہین مسیح" سارے یورپ کی سلطنتوں کا قانون بن گیا۔ روس اور اسکاٹ لینڈ میں اٹھارہویں صدی تک اس جرم کی سزا "سزائے موت" ہی دی جاتی رہی ہے۔

روس میں بالشویک انقلاب کے بعد جب کیمونسٹ حکومت برسر اقتدار آئی تو سب سے پہلے اس نے دین و مذہب کو سیاست اور ریاست سے کلیتاً خارج کیا' اس کے بعد یہاں سزائے موت کی سزا برقرار رہی لیکن "اہانت مسیح" کے جرم کی پاداش میں نہیں بلکہ مسیح علیہ السلام کی جگہ اشتراکی امپریلزم کے سربراہ نے لے لی۔ اسٹالن جو' رشین ایمپائر کا سربراہ بن بیٹھا تھا' اس کی اہانت تو بڑی بات تھی' اس سے اختلاف رائے رکھنا بھی ممالک محروسہ روس کا سنگین جرم بن گیا۔ ایسے سرپھرے لوگوں کے یا تو سر کچل دیئے جاتے تھے جس کی مثال لینن کے ساتھ ٹرانسکی کی خونچکاں موت کی صورت میں موجود ہے جو اپنی جان بچانے کے لیے روس سے بھاگ کر امریکہ میں پناہ گزین ہو گیا تھا یا پھر ایسے مجرموں کو سائبریا کے بیگار کیمپوں میں موت کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔

برطانیہ میں "توہین مسیح" (Blasphamy) کامن لاء کے تحت قابل تعزیر جرم ہے جبکہ بلاس فیمی ایکٹ (Blasphamy Act) میں مجرم کے لیے جسمانی موت کی بجائے شہری موت (Civil Death) کی سزا مقرر ہے۔

انگریزی زبان کی مستند قانونی لغت بلیک لاء ڈکشنری (Black's Law Dictionary) کی رو سے بلاس فیمی ایسی تحریر یا تقریر ہے جو خدا' یسوع مسیح علیہ السلام یا انجیل یا دعائے عام کے خلاف ہو اور جس سے انسانی جذبات مجروح ہوں یا اس کے ذریعے قانون کے تحت قائم شدہ چرچ کے خلاف جذبات کو مشتعل کیا جائے اور اس سے بدکرداری کو فروغ ملے۔"

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں بلاس فیمی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

"مسیحی مذہب کی رو سے بلاس فیمی گناہ ہے اور علمائے اخلاقیات بھی اس کی تائید کرتے ہیں جبکہ اسلام میں نہ صرف خدا کی شان میں بلکہ پیغمبر السلام کی شان میں گستاخی بھی بلاس فیمی کی تعریف میں آتی ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا۔ ج ۲۔ ص ۴۷)"

اہل مغرب اور ان کے حواری اس امر کو بخوبی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو' چاہیے وہ عمل کے اعتبار سے کتنے کورے ہی کیوں نہ ہوں' انہیں اپنے مذہب حقہ اور آقائے ختم الرسل'

باعث کون و مکان، فخر کائنات محمد ﷺ سے اس قدر محبت اور عقیدت ہے کہ وہ ان کی عصمت و آبرو کی خاطر اپنی حقیر سی جان نچھاور کرنا اپنے لیے باعث سعادت خیال کرتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو؟ کیونکہ خود خالق کائنات ارشاد فرما رہا ہے۔

"نبی تو اہل ایمان کے لیے ان کی جان سے بھی زیادہ مالک (اور مقدم) ہیں"۔

اور سرور کائنات علیہ التحیۃ و الثناء نے اس آیت مبارکہ کی توضیح و تشریح حدیث مبارکہ میں اس طرح فرمائی۔

"تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔"

یہ عقیدہ محبت و الفت ہر زمانہ میں ایک زندہ و جاوید حقیقت بن کر مسلمانوں کے اذہان و قلوب میں موجزن رہا ہے اور تاریخ کے اوراق اس پر گواہ ہیں کہ عاشقان پاک طینت را ایں زخم ہائے خونچکاں سے معمور پیکر صدق و وفا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خیبر شکن قوت کے سرچشمہ کے منبع اور ابن ملجم کو واصل جہنم کرنے والے حیدر کرار اور حارث بن ابی ہالہ، حضرت خبیب، حضرت زید، حضرت سعد بن ربیع، معاذ اور معوذ، حضرت سمیہ، حضرت خنساء، حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہم و عنہن اجمعین اور برصغیر پاک و ہند میں غازی عبدالرشید شہید، غازی علم الدین شہید، غازی عبدالقیوم شہید، غازی میاں محمد شہید، غازی مرید حسین شہید، غازی محمد اسحاق شہید، غازی عبداللہ شہید، غازی معراج دین شہید، غازی امیر احمد شہید، غازی عبداللہ پشاوری شہید، غازی محمد صدیق شہید اور نامعلوم مجاہدین اور غازیین کی ایک طویل فہرست ہے جو ان اشعار کی عملی صورت کے پیکر تھے اور جنہوں نے اپنی حقیر سی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے ابدی زندگی حاصل کی۔

نماز اچھی، روزہ اچھا، حج اچھا، زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

اور حضور ﷺ کی ذات مقدسہ پر ایمان تو نام ہی اس چیز کا ہے، بقول شاعر

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس خطہ ارضی کے اوپر جہاں جہاں مسلمانوں کی حکومت رہی' وہاں وہاں گستاخان رسول کو سزائے موت بطور حد دینے کا قانون عام (Common Law) کے طور پر نافذ رہا۔ چنانچہ عراق' ایران' ترکی' شام' حجاز' سوڈان' مراکش' اسپین' ایران' بخارا' سمرقند' افغانستان اور انگریزوں کی آمد سے قبل جب تک ہندوستان میں فقہ اسلامی نافذ العمل رہا' گستاخان رسول کو موت کی سزا جاری کرنے کے قوانین موجود رہے۔

اور یہ سزا صرف اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہی درست نہیں بلکہ خود بائبل میں نہ صرف رسولوں کی شان مبارک میں گستاخی کرنے کی سزا "سزائے موت" ہے بلکہ انبیاء کرام اور رسول کے نائبین کی گستاخی کرنے کی سزا بھی واجب القتل قرار پاتی ہے۔ چنانچہ بائبل مقدس کی کتاب استثناء کے باب ۱۷ آیت ۱۲ میں ترجموں کے بار بار بدلے جانے اور آیات کے کم و بیش کیے جانے کے باوجود آج بھی یہ واضح حکم موجود ہے۔ اب یہ اہل بصیرت پر موقف ہے اور خاص طور پر اہل کتاب پر کہ اگر وہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ کتاب مقدس انجیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہی ہے تو اس میں ذکر کردہ "موت کی سزا" کی حقانیت کے بارے میں ان کی رائے کیا ہے؟ اور کیا اس آیت کا حکم ان کے آج کل کے طرز عمل کے بطلان پر ناقابل تردید ثبوت نہیں ہے؟ کیا چند دنوں کے بعد وہ نئے شائع ہونے والے اردو ایڈیشن میں اس آیت کے حکم کو حسب سابق پھر بدل تو نہیں دیں گے؟

ایک بات اور باعث تعجب ہے کہ ہر مرتبہ شائع ہونے والی کتاب مقدس "انجیل" میں یہ عبارت لکھنے کی ضرورت پیش کیوں آتی ہے؟ (The Holy Bible in Urdu Revised Version) کیا ہر نئے ایڈیشن میں اردو یا دیگر زبانیں اپنا اسلوب بدل لیتی ہیں کہ دوبارہ ترجمہ کو زبان کے جدید اسلوب میں ڈھالنا ضروری ہو جاتا ہے؟

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بائبل کا مستند ترجمہ ۱۶۱۱ء میں کیا جا چکا ہے۔"

The English Translation of The Bible completed in 1611

پھر بار بار نظر ثانی کرنا' دوبارہ غور کرنا اور ترمیم کرنے کا اختیار "کتاب اللہ میں کسی قانون کی حیثیت سے "انسان" کو حاصل ہو گیا ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس واضح حکم کا انکار کیونکر کر سکتے ہیں؟ اگر انہیں اس کتاب مقدس کی حقانیت پر اعتقاد کامل ہے؟

"تو' تو اس مرد یا اس عورت کو جس نے یہ برا کام کیا ہو باہر اپنے پھاٹکوں پر نکال لے جانا اور ان کو ایسا سنگسار کرنا کہ وہ مرجائیں" (کتاب استثناء باب ۱۷ آیت ۵)

"شریعت کی جو بات وہ تجھ کو سکھائیں اور جیسا فیصلہ تجھ کو بتائیں' اس کے مطابق کرنا اور جو کچھ فتویٰ وہ دیں' اس سے داہنے یا بائیں نہ مڑنا اور اگر کوئی شخص گستاخی سے پیش آئے کہ اس کاہن کی بات جو خداوند تیرے خدا کے حضور خدمت کے لیے کھڑا رہتا ہے یا اس قاضی کا کہا نہ سنے تو وہ شخص مار ڈالا جائے" (باب ۱۷ آیت ۱۱۔ ۱۲)

(یہ ترجمہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور کے شائع کردہ کتاب مقدس کی سیریز نمبر ۹۳ کے مطابق ہے)

محترم جناب محمد اسماعیل قریشی صاحب اپنی کتاب "ناموس رسالت ﷺ اور قانون توہین رسالت ﷺ" میں لکھتے ہیں۔

"مسیحی برادری کو تو قانون توہین رسالت ﷺ کا خوشی سے خیرمقدم کرنا چاہیے تھا کیونکہ اس قانون کی رو سے جناب مسیح علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام' جنہیں عیسائی اور مسلمان سب ہی اپنا پیغمبر برحق مانتے ہیں' کی شان میں گستاخی اور اہانت قابل تعزیر جرم بن گیا ہے اور ان کی اہانت اور توہین کی وہی سزا مقرر ہے جو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی جناب میں گستاخی کی سزا ہے۔ مسلمان ان تمام پیغمبران کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جیسے کہ یہودی اور عیسائی اپنے پیغمبروں کا احترام کرتے ہیں۔ اس لیے وہ ان کے بارے میں کسی قسم کی گستاخی کا تصور بھی نہیں کر سکتے"۔

مسیحی برادری اور اقلیتی فرقوں کے رہنماؤں اور ان کے پیروکاروں کی نیت پر ہمیں شبہ نہیں۔ جب وہ ہمارے پیغمبر کی توہین اور گستاخی نہیں کریں گے تو پھر انہیں ڈر اور خوف کس بات کا ہے؟ کیا قانون بلاوجہ ان کے خلاف حرکت میں آجائے گا؟ یا پھر پاکستان کی عدلیہ بے گناہ لوگوں کو جو توہین رسالت ﷺ کے مجرم نہیں' پھانسی کی سزا سنائے گی؟ یا کیا وہ پاکستان میں پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف گستاخی اور توہین کا لائسنس طلب کر رہے ہیں؟ ان میں جب کوئی بات بھی قرین قیاس نہیں تو پھر اس منسوخی کے مطالبہ کا آخر کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟

توہین رسالتؐ ایکٹ کا غلط استعمال اور ہمارے وزیر قانون

اعظم سلطان سہروردی ایڈووکیٹ

وزیر قانون جناب خالد انور نے توہین رسالتؐ ایکٹ میں ترمیم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ترمیمی قانون میں مخالفین پر جھوٹے مقدمات بنوانے والوں کو سخت سزائیں دی جائیں گی۔

ہمارے موجودہ قانون میں کسی بھی شخص کے خلاف جھوٹا مقدمہ بنوانے کی سزا پہلے سے موجود ہے۔ یہ سزا محض چھ ماہ قید اور ایک ہزار روپے جرمانہ ہے۔

وزیر قانون نے یہ نہیں بتایا کہ توہین رسالتؐ ایکٹ کے تحت جھوٹا مقدمہ بنوانے کی سزا کیا مقرر کی جائے گی۔ کیا یہ سزا موت کی سزا ہوگی یا عمر قید کی سزا اور یہ سزا جھوٹے مدعی کو کب دی جائے گی۔

کیا مقدمہ کے مدعی اور ملزم دونوں کے خلاف ٹرائل ساتھ ساتھ چلیں گے' یا مقدمہ کے ملزم کی بریت کے بعد جھوٹے مدعی کا مقدمہ چلے گا۔

اگر مقدمہ کے ملزم کی بریت کا حتمی فیصلہ سپریم کورٹ کے روبرو اپیل کے مواقع کے بعد ہوگا' تو کیا جھوٹے مقدمہ کے مدعی کے مقدمہ کی باری اس کے جھوٹے الزام کے حتمی فیصلہ کے کئی برسوں بعد نہیں آئے گی اور یہ کہ ہمارے موجودہ قانونی نظام میں اس سے کیا فرق پڑے گا۔

پاکستان میں صرف توہین رسالتؐ ایکٹ کے تحت جھوٹے مقدمات نہیں بنائے جاتے' زنا کے جھوٹے مقدمات بھی بنائے جاتے ہیں۔ چوری اور قتل کے جھوٹے

مقدمات بھی بنانے کا رواج ہے۔

کیا آج تک کسی جھوٹے مقدمہ کے مدعی کو پاکستان میں سزا ہوئی ہے اور اگر ماضی میں کبھی کسی جھوٹے مقدمہ کے مدعی کے خلاف کوئی مقدمہ ۱۸۲ ت پ کے تحت شاذونادر ہی چلا ہے' تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ آئندہ سے ایسی مقدمات ضرور چلیں گے۔

اگر جھوٹے مقدمات کے مدعیان کے خلاف فوری اور سخت کارروائی کا کوئی قانون بنایا جائے تو ضروری ہے کہ یہ قانون تمام اقسام کے جھوٹے مقدمات کے مدعیان کے خلاف لاگو ہو اور صرف توہین رسالتؐ ایکٹ کے تحت مقدمات پر لاگو نہ ہو۔ یہ کسی شہری کے خلاف قتل' زنا اور چوری وغیرہ کے مقدمات پر بھی لاگو ہو۔

زنا کے مقدمات کو ہی لے لیجئے۔ آج تک اس قانون کے تحت بری ہونے والے ملزمان کے مقدمات کے کسی مدعی کو قذف کی سزا نہیں ہوئی' جبکہ اس جرم کی حد قرآن پاک نے مقرر کی ہے۔ زنا کے مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت عدالتیں جھوٹے مدعی کو سزا کیوں نہیں سناتیں۔ کوئی بھی نیا قانون بنانے کے بجائے اس مسئلہ پر تحقیق کی ضرورت ہے۔

توہین رسالتؐ ایکٹ کے جھوٹے مدعیان کے لیے سزا کا کوئی خاص قانون بنانے کے بجائے ایک ایسا قانون کیوں نہ بنایا جائے جو تمام جھوٹے مقدمات کے مدعیان پر برابر لاگو ہو۔ دیگر صورت میں وزیر قانون صاحب کا اس ضمن میں کوئی بھی قدم بے کار ثابت ہوگا اور اس کا حشر وہی ہوگا جو ان کے ڈرافٹ کردہ اینٹی دہشت گردی ایکٹ کا ہوا ہے۔

(روزنامہ "خبریں" ۲۶ر مئی ۱۹۹۸ء)

کالا منہ

حامد میر

امریکہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ دفتر خارجہ کی طرف سے ایک مذہبی افسر کا تقرر کیا گیا ہے۔ یہ مذہبی افسر دفتر خارجہ کو بتائے گا کہ دنیا کے کن کن ممالک میں اقلیتوں کو مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے۔ مذہبی افسر کا تقرر امریکی کانگریس کی ایک خصوصی کمیٹی کی رپورٹ کا نتیجہ ہے۔ امریکی کانگریس کی کمیٹی برائے مذہبی امتیاز کی رپورٹ حال ہی میں دفتر خارجہ کو پیش کی گئی تھی۔ اس رپورٹ کے مطابق سعودی عرب' ایران' سوڈان' انڈونیشیا اور پاکستان وہ ممالک ہیں جہاں اقلیتوں کو مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے۔ رپورٹ میں کچھ کمیونسٹ ممالک پر بھی مذہبی آزادیاں سلب کرنے کا الزام لگایا گیا ہے جن میں چین' لاؤس' شمالی کوریا اور ویتنام شامل ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں توہین رسالتؐ کے قانون کو عیسائیوں اور احمدیوں کے خلاف انتقامی کارروائیوں کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ رپورٹ میں سفارش کی گئی ہے کہ امریکہ ایسے کسی ملک کو امداد نہ دے جہاں اقلیتوں کی مذہبی آزادی کو سلب کیا جاتا ہے۔ امریکی وزیر خارجہ میڈلائن البرائیٹ نے اس رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ امریکہ کی آئندہ خارجہ پالیسی اس رپورٹ کو سامنے رکھ کر بنائی جائے گی۔

امریکی کانگریس کی کمیٹی برائے مذہبی امتیاز کی یہ رپورٹ پاکستانی حکومت اور پورے عالم اسلام کے لیے قابل غور ہے۔ یہ رپورٹ جمہوریت اور انسانی حقوق کے لیے امریکہ کی جھوٹی محبت اور بین الاقوامی دغابازی کا پول کھولنے کے لیے کافی ہے۔ اس رپورٹ کے باعث کم از کم پاکستان میں اقلیتوں کے لیے مسائل میں ضرور اضافہ

ہوگا۔ کیونکہ امریکی کانگریس کی کمیٹی برائے مذہبی امتیاز نے پاکستان میں اقلیتوں کے بعض جائز مسائل کو بھی انتہائی نامناسب انداز میں پیش کیا اور پاکستانی اقلیتوں کے کیس کو کمزور کر دیا ہے۔

امریکی کانگریس کی کمیٹی برائے مذہبی امتیاز کا دائرہ کار صرف اقلیتوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کمیٹی نے دنیا بھر میں مذہبی امتیاز کی نشاندہی کرنی تھی لیکن یہ کمیٹی بڑی ڈھٹائی سے ایسے ممالک کے نام گول کر گئی' جہاں اقلیت کی بجائے اکثریت کی مذہبی آزادی سلب کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں تازہ ترین مثال ترکی کی ہے جہاں عورتوں کو اسلامی لباس پہننے سے روک دیا گیا ہے۔ الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ انتخابات میں کامیابی حاصل کیے بیٹھی ہے' لیکن وہاں کی امریکہ نواز فوجی حکومت انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے والی جماعت کو اقتدار منتقل کرنے سے گریزاں ہے بلکہ مساجد میں نماز ادا کرنے والوں اور داڑھی رکھنے والوں کو غدار سمجھتی ہے۔ کانگریس کی کمیٹی برائے مذہبی امتیاز کو اسرائیل کی طرف سے فلسطینیوں کے ساتھ کیا جانے والا ظلم بھی نظر نہیں آیا۔ حالانکہ اسرائیلی فوج آئے دن فلسطینیوں کی مساجد پر حملے کرتی ہے اور بعض مساجد میں فلسطینیوں کو نماز ادا کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اس کمیٹی کو بوسنیا کے مسلمانوں کے ساتھ سربیا کا ظلم بھی نظر نہیں آیا۔ سربیائی عیسائیوں نے مسلمانوں کی مساجد کو جگہ جگہ شہید کیا۔ اور تو اور امریکی کانگریس کی اس کمیٹی کو بھارت میں مسلمانوں کے ساتھ کیا جانے والا سلوک بھی نظر نہیں آیا۔ کون نہیں جانتا کہ بھارتی ریاست اتر پردیش کا موجودہ وزیر اعلیٰ بابری مسجد پر حملے کے مقدمے میں ملوث ہے اور بھارت کی انتہا پسند ہندو جماعت بی۔ جے پی مسلمانوں کو مزید مساجد شہید کرنے کی دھمکیاں دے رہی ہے۔

امریکی کانگریس کی کمیٹی برائے مذہبی امتیاز کو ترکی اور الجزائر میں اکثریت کے ساتھ مذہبی امتیاز پر مبنی سلوک اس لیے نظر نہیں آیا کہ کمیٹی کے ارکان نے اپنے مفادات اور تعصب کی عینک لگا رکھی ہے۔ اس کمیٹی کو پاکستان میں عیسائیوں اور احمدیوں کے ساتھ زیادتی تو نظر آتی ہے لیکن اسرائیل اور بھارت میں مسلمانوں کے ساتھ زیادتی نظر نہیں آتی۔ کمیٹی کے ارکان کی یہی بددیانتی پاکستانی اقلیتوں کے لیے نقصان کا باعث بنے گی۔ اب ان اقلیتوں کے حقوق کے لیے آواز اٹھانے والوں کو

امریکی ایجنٹ کہا جائے گا۔ امریکی دفتر خارجہ کا تعصب اور بددیانتی صرف امریکی عوام کے لیے بدنامی کا باعث نہیں بن رہا۔ بلکہ اسلامی ممالک میں جمہوریت اور انسانی حقوق کے علمبرداروں کے لیے بھی نقصان کا باعث بن رہا ہے۔ وہ وقت قریب ہے جب امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کے تعصب اور بددیانتی کے باعث جمہوری اسلامی ممالک میں جمہوریت کا تصور بدلنے کی ضرورت محسوس ہوگی۔

امریکی دفتر خارجہ کو چاہیے کہ وہ مذہبی امتیاز کو چھوڑے اور نسلی امتیاز کے بارے میں ایک کمیٹی قائم کرے۔ یہ کمیٹی صرف ایک سوال کا جواب دے او وہ یہ کہ کیا امریکہ میں کسی کالے کو صدر بنایا جا سکتا ہے؟ امریکی دفتر خارجہ کو کمیٹی برائے نسلی امتیاز کی رپورٹ کو غائب کرنا پڑے گا۔ کیونکہ امریکہ میں کبھی کوئی کالا صدر نہیں بن سکتا۔ امریکہ کی جعلی جمہوریت پسندی اور انسانی حقوق کے لیے چیخ و پکار کا بھانڈا پھوڑنے کے لیے یہی ایک سوال کافی ہے کہ کیا کوئی کالا امریکہ کا صدر بن سکتا ہے؟ یہ ایک سوال فوراً امریکی دفتر خارجہ کے کالے منہ سے نقاب ہٹا دیتا ہے۔

(روزنامہ "اوصاف" ۲۷ جنوری ۱۹۹۸ء)

قانون توہین رسالتؐ کے خلاف
مسیحی احتجاج کے محرکات

محمد عطا اللہ صدیقی

بشپ جان جوزف کی مبینہ خودکشی کے بعد بعض مسیحی تنظیموں نے جس طرح مسلح غنڈہ گردی کے ذریعے امن عامہ کو تہ و بالا کیا' مسلم اکثریت کی املاک کو نقصان پہنچایا اور مسلمانوں کی مساجد پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کی مذموم جسارت کی' اسے پاکستان کے ذرائع ابلاغ نے بھی نہایت افسوسناک اور قابل مذمت قرار دیا۔ اس فساد اور بلاجواز شرانگیزی کے پس پشت محرکات کی نشاندہی اور ان اسباب و عوامل کا معروضی جائزہ لینا ضروری ہے کہ جو اس افسوسناک صورتحال کے رونما ہونے کا باعث بنے۔ نہایت اہم عوامل درج ذیل ہیں:

(ا) گزشتہ ۱۰ برسوں کے دوران پاکستان میں مغربی سرمایہ کے زور پر بے شمار مسیحی تنظیمیں قائم کی گئی ہیں' جن کی قیادت بعض جنونی اور جذباتی عیسائی نوجوانوں کے ہاتھوں میں رہی ہے۔ ان نوجوانوں کی غالب اکثریت کا تعلق معاشی اعتبار سے نہایت پسماندہ طبقہ سے رہا ہے۔ مسیحی حقوق کے تحفظ کی آڑ میں یہ تنظیمیں امریکہ اور یورپ کی مسیحی تنظیموں سے کروڑوں روپے کے فنڈز وصول کرتی رہی ہیں۔ ان فنڈز کو انہوں نے پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کی پامالی کے خلاف چلائی جانے والی بلاجواز تحریک کے لیے استعمال کیا۔ انہوں نے پرامن مسیحی اقلیت کے اندر اپنے مذموم پراپیگنڈہ کے ذریعے اس احساس کو ابھارنے میں اہم کردار ادا کیا ہے کہ ان کے حقوق کا تحفظ نہیں کیا جا رہا۔ ان مسیحی تنظیموں کا مزاج جارحانہ عسکریت پر مبنی رہا ہے۔ الغـــــ

تنظیموں سے بعض کے ناموں مثلاً "کرسچین لبریشن فرنٹ" "کرسچین سالویشن آرمی" "اقلیتی محاذ برائے مساوی حقوق" وغیرہ سے ان کی سرگرمیوں کی نوعیت کا اندازہ کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ قانون توہین رسالتؐ ان غیر ذمہ دار شرپسند عناصر کے ہاتھ میں پرامن مسیحی اقلیت کے اندر بے چینی اور اپنے عدم تحفظ کا احساس پیدا کرنے کے لیے ایک آسان جواز بن گیا۔ حالانکہ اس قانون میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیگر انبیاء علیہم السلام کی توہین بھی شامل ہے۔ مذکورہ مسیحی تنظیموں کے راہنما' جو چند سال قبل نہایت کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے تھے' آج عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں' مثلاً ان میں سے ایک مسیحی راہنما فرانسس جوزف' جو کچھ عرصہ قبل YMCA ہال میں چپڑاسی کے طور پر کام کر رہا تھا' آج لاکھوں کی پجارو پر سفر کرتا ہے۔ پاکستان میں حالیہ مسیحی فسادات کے پس پشت اس طرح کی تنظیموں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

(۲) پاکستان میں انسانی حقوق کی نام نہاد تنظیموں نے مسیحی اقلیت کو قانون توہین رسالت کے خلاف ابھارنے میں بے حد افسوسناک کردار ادا کیا ہے۔ اس ضمن میں عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ کی زیر سرپرستی چلنے والے پاکستان انسانی حقوق کمیشن کا کردار بے حد مجرمانہ اور غیر ذمہ دارانہ رہا ہے۔ اس نام نہاد انسانی حقوق کمیشن نے اپنی سالانہ رپورٹوں میں پاکستان کی اقلیتوں کے خلاف امتیازی سلوک کے من گھڑت واقعات کو بے حد مبالغہ آمیز طریقہ سے بیان کیا۔ یورپی سرمایہ سے چلنے والی ان نام نہاد انسانی حقوق کی تنظیموں اور چرچ کے درمیان بہت قریبی گٹھ جوڑ رہا ہے۔ باخبر ذرائع کے مطابق پاکستان میں کام کرنے والی انسانی حقوق کی تنظیموں کو مغرب کی طرف سے فنڈز کی فراہمی پاکستان میں موجود بعض مسیحی راہنماؤں کی سفارش پر ہی کی جاتی ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں میں کام کرنے والے افراد کی اکثریت' قادیانی اقلیت سے ہے۔ قانون توہین رسالتؐ کے خلاف احتجاجی مہم کا آغاز سب سے پہلے قادیانی اقلیت نے کیا تھا۔ اپنے احتجاج کو موثر بنانے کے لیے شرپسند قادیانیوں نے بے حد چالاکی سے مسیحی اقلیت کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ حالیہ افسوسناک واقعات مسیحی قادیانی اشتراک عمل کا نتیجہ ہیں' پاکستان میں امن عامہ کے مسائل پیدا کرنا قادیانیوں کا ترجیحی ایجنڈا رہا ہے۔ انہوں نے ہر مناسب موقع کو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے

استعمال کیا ہے۔ سلامت مسیح کیس ہو یا شانتی نگر کا واقعہ یا پھر حالیہ ایوب مسیح کی بات ہو، عاصمہ جہانگیر، آئی اے رحمان اور دیگر قادیانیوں نے ہمیشہ مسیحی اقلیت کے حقوق کے تحفظ کی آڑ میں فساد برپا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

(۳) گزشتہ ۱۰ برسوں کے دوران امریکہ اور یورپ میں خاندانی اداروں کی تباہی کے بعد وہاں مذہب کے احیاء کی ضرورت کو بے حد شدت سے محسوس کیا جاتا رہا ہے۔ مغرب میں مذہب کے خلاف جذبات میں پہلے جیسی شدت باقی نہیں رہی، ان بدلے ہوئے رجحانات میں چرچ نے مغربی معاشرے میں اپنے کھوئے ہوئے مقام کی بحالی کے لیے طویل ایجنڈا مرتب کیا ہے۔ اک نئے جوش اور ولولے کے ساتھ کیتھولک چرچ کی طرف سے دنیا کے تمام ملکوں میں عیسائی مشنری ارسال کیے جا رہے ہیں، ان کے اہداف میں افریقہ اور ایشیاء کے مسلم ممالک کی غریب آبادی بالخصوص شامل ہے۔ ترقی اور امداد کے نام پر مسیحی تنظیمیں ان آبادیوں میں اپنی جڑیں قائم کرتی ہیں اور بعد میں ان کی معاشی بدحالی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں عیسائیت کو قبول کرنے پر مائل کرتی ہیں۔

کیتھولک چرچ نے افریقہ میں اسلام کو ختم کرنے کے لیے بہت تیز رفتار منصوبے شروع کر رکھے ہیں۔ موزمبیق جیسے مسلمان ملک کی کثیر آبادی کو عیسائی بنا دیا گیا ہے۔ موزمبیق کے ایک پڑوسی ملک میں ۷۵ فیصد مسلمان آباد تھے اور آج سے بارہ سال پہلے کوئی ایک چرچ بھی نہ تھا مگر اب وہاں سینکڑوں کی تعداد میں چرچ قائم ہو چکے ہیں اور مسلمانوں کی آبادی کم ہو کر ۳۵ فیصد رہ گئی ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں پناہ گزین افغان مہاجرین کے ۲۰۰ خاندان عیسائیت قبول کر چکے ہیں۔ ایک اطلاع کے مطابق مغربی مشنری ادارے پاکستان کے اندر "تاکستان" کے نام سے ایک عیسائی خطہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ بائبل میں "تاک" انگور کو کہا گیا ہے۔ بائبل کے حوالے سے "تاک" عیسائیوں کے لیے مقدس نام ہے۔ سیالکوٹ اور گوجرانوالہ کے جن علاقوں میں عیسائیوں کی تعداد زیادہ ہے، ان مشنری اداروں نے ان کا نام "تاکستان" رکھ دیا ہے اور اس کے لیے کام بھی شروع کر دیا ہے۔ (بحوالہ "دید شنید" کالم رفیق ڈوگر "نوائے وقت" ۱۴ر مئی ۱۹۹۸ء)

پاکستان میں مسیحی اقلیت کی غیر معمولی فعالیت چرچ کے مذکورہ منصوبے کو عملی

شکل دینے کی سازش کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔ قانون توہین رسالتؐ کی موجودگی میں مسیحی اقلیت کے حقوق کی پامالی کا واویلا کر کے پاکستان میں مسیحی ریاست کے قیام کے لیے زمین تیار کی جا رہی ہے۔

(۴) امریکہ اور یورپ کا ایک خاص طبقہ اپنی تہذیبی برتری کے زعم میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین پر مریضانہ حظ اٹھاتا رہا ہے۔ ملعون سلمان رشدی اور بدبخت تسلیمہ نسرین جیسے اسلام دشمن افراد کی سرپرستی اور تحفظ کے لیے اہل مغرب نے جس جوش و خروش کا مظاہرہ کیا ہے' وہ ان کی اسلام دشمنی کا بین ثبوت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یورپ ابھی تک صلیبی جنگوں کے دور سے باہر نہیں نکلا۔ مسلمان ممالک میں شاتمان رسولؐ کی مالی سرپرستی کے ذریعے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنا بظاہر مغرب کا ایجنڈا معلوم ہوتا ہے۔ بشپ جان جوزف کی خودکشی کے بعد امریکی وزارت خارجہ کا یہ بیان کہ "کسی کو عقیدے کے اظہار کی بناء پر سزائے موت دینا بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے" ظاہر کرتا ہے کہ گویا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا نعوذ باللہ وہ اپنے عقیدے کا حصہ سمجھتے ہیں۔

(۵) ۱۹۷۸ء کے بعد سے انسانی حقوق' امریکہ کی خارجہ پالیسی کا اہم جزو رہا ہے۔ انسانی حقوق کے تحفظ کے معاملات کو امریکہ نے ہمیشہ اپنے سیاسی' استعماری اور معاشی مفادات کے تابع رکھا ہے۔ انسانی حقوق کے نام پر امریکہ ترقی پذیر بالخصوص مسلمان ملکوں کے اندرونی معاملات میں جواز کی شکلیں ڈھونڈتا رہتا ہے۔ انسانی حقوق کے نام پر امریکہ نے مسلمان ملکوں میں بسنے والی اقلیتوں بالخصوص عیسائیوں کے حقوق کے تحفظ کے بارے میں غیر معمولی حساسیت اور جلد بازی کا مظاہرہ کیا ہے۔ مغرب کی یہ عمومی حکمت عملی رہی ہے کہ مسلمان ملکوں میں این جی اوز کے نام پر اپنے گماشتوں کے گروہ قائم کیے جائیں' جن کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ اقلیتوں کے حقوق کے متعلق اکا دکا واقعات کو لے کر ذرائع ابلاغ میں ان کے حقوق کی پامالی کی بے حد بھیانک اور مبالغہ آمیز تصویر کھینچی جائے۔ یکطرفہ زوردار پراپیگنڈے کے زور پر ایسی اعصاب شکن فضاء قائم کی جائے کہ مسلم ممالک کے حکمران ناکردہ گناہوں کے "احساس جرم" کا شکار رہیں' ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو اپنے مطلب کی پالیسی

بنانے پر آمادہ کیا جائے۔ جب بھی کوئی واقعہ پاکستان میں ہوتا ہے' امریکہ کی طرف سے غیر معمولی سرعت کے ساتھ اس پر احتجاج کیا جاتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ امریکی وزارت خارجہ کی طرف سے دیا گیا احتجاجی بیان پہلے سے تیار شدہ تھا۔ امریکہ جیسی سپرپاور جو بظاہر سیکولر ہونے کی دعویدار ہے' اس کی طرف سے پاکستان کی مسیحی اقلیت کے حق میں آواز اٹھانا حیران کن امر بھی ہے۔ اس معاملے میں امریکی وزارت خارجہ ویٹی کن سٹی سے بھی دوچار ہاتھ آگے ہے۔ بشپ جان جوزف کی خودکشی کے واقعے کے بعد پاپائے روم ابھی اپنی پالیسی پر غور ہی کر رہے تھے کہ امریکی وزارت خارجہ کے نمائندے نے بے حد اشتعال انگیز بیان داغ دیا۔ امریکی حکومت کی اس غیر دانشمندانہ پالیسی نے پاکستان میں این جی اوز کو غیر ضروری طور پر فعال بنا دیا ہے۔

(روزنامہ "دن" لاہور' ۳۰ر جون ۱۹۹۸ء)

توہین رسالتؐ کا پس منظر

سبط الحسن ضیغم

بیسویں صدی ختم ہونے والی ہے۔ جس کے بارے میں ہم وہم کا شکار ہیں کہ انسان ذہنی طور پر اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ اب اس کے لیے مثبت اقدار ہی سب کچھ ہیں۔ کیونکہ فکری طور پر ابن آدم بالغ ہوچکا ہے اور ایسی بلوغت کی سطح پر فائز ہے' جہاں منفی اقدار دم توڑ جاتی ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے "بھوں چھوں دیکھیا کھوتی بوڑھ ہیٹھاں" اگر کوئی فرد یا افراد کا گروہ یہ مطالبہ کرے گا کہ اسے ہر فرد' ہر معزز' ہر بزرگ' ہر نبی اور ہر پیغمبر خاص طور پر سرور کائناتؐ کی توہین کرنے' انہیں گالی دینے کا حق دیا جائے تو خود یہ مطالبہ کرنے والے کی ذہنی سطح کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ ایسے مطالبات وہی کر سکتے ہیں' جن کی ذہنی سطح کسی ایسی ہیجانی مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں اسے ذہنی امراض کے ڈاکٹروں کے پاس لے جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ پادری صاحب جنہوں نے گزشتہ دنوں مبینہ طور پر خودکشی کی' وہ حقیقت کے کس حد تک مطابق ہے یا نہیں۔ لیکن ایسا فرد اگر اس لیے خودکشی کا مرتکب ہوتا ہے کہ کسی ایسے فرد کو سزا دی گئی جس نے حضور پاکؐ کی توہین کی یا گالی دی تو پھر اس معاملہ کو اور نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی فرد کسی عام شخص کی بھی توہین کرنے' اسے گالی دینے کا حق مانگتا ہے' تو کوئی سماج بھی اسے یہ حق نہیں دے گا اور نہ ہی اس کے اس مطالبہ کی تائید کرے گا اور جسے گالی سے نوازنے یا جس کی توہین کرنے کے حق کی مانگ کی جا رہی ہو' وہ کسی کا باپ ہو' کردار میں کوتاہ قد ہو' اس کے باوجود اس مطالبہ کرنے والے کی کوئی تائید و حمایت نہیں کرے گا اور

اگر جس کی توہین کی جا رہی ہو اور گالی کا حق دار بنایا جا رہا ہو' وہ کوئی بزرگ' کوئی درویش' کوئی روحانی رہنما ہو' یہاں تک آخری پیغمبر کی ذات ہو تو بات برداشت سے باہر ہو جائے گی۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ مطالبہ اس عظیم ترین معلم اخلاق کی ذات کے بارے میں کیا جا رہا ہے' جو اس بات کے مدعی ہیں کہ کسی کے جھوٹے خدا کو بھی گالی نہ دی جائے کیونکہ وہ ردعمل اور غصہ میں آپ کے سچے خدا کو گالیاں بکنے نہ لگ جائے۔ یہ مطالبہ افسوسناک بھی ہے اور شرمناک بھی۔ ہاں! دیکھنے کی بات یہ ہے' جسے اس بات کا ملزم قرار دیا جا رہا ہو' واقعی وہ اس جرم کا مرتکب ہوا ہے یا کسی سازش' ذاتی دشمنی کے تحت اسے کٹہرے میں لا کھڑا کیا گیا ہے۔ وہاں کسی ایسے قانون کا ہونا ضروری ہے اور اس کا عملی اظہار بھی ہونا چاہیے تاکہ انصاف ہوتا دکھائی دے کہ جھوٹا الزام لگانے والے کو بھی وہی سزا ملنی چاہیے' جو متعلقہ دفعہ میں توہین رسالت کے مرتکب کے لیے درج ہے۔ ذاتی دشمنی کے طور پر ایسا کرنے والا خود بدکردار شخصیت کا حامل ہے اور اسے اس کی بدترین سزا دینا انتہائی ضروری ہے۔ ورنہ "ہلکا ہلکا" نعرہ لگا کر کسی کو ہلاک کرنا آسان سی بات ہے۔ اس ساری تمہید کے بعد ہمیں اس پس منظر کے اندر جھانکنا چاہیے کہ اس دال میں کالا کیا ہے اور پوری عیسائی دنیا اور یورپ کی قائم کردہ این جی اوز اور ان کے پروردگان اور لے پالک ان کے سرپرست اس میدان میں ہاہاکار کیوں مچا رہے ہیں اور ان کے ایجنڈا میں توہین رسالت کو اولیت کیوں دی جا رہی ہے۔ یورپی تہذیب کا کھوکھلا پن اب اس سماج کو مکمل تباہی کے دھانے پر لے چکا ہے جو انہوں نے عیسائیت کے نام پر قائم کر رکھا ہے جو فرد عیسائیت کی توہین ہے کیونکہ جو کچھ یورپ میں عیسائیت کے نام پر کیا جا رہا ہے' وہ عیسائیت دین عیسیٰؑ سے قطعی طور پر الٹ ہے۔ جس کے نتیجہ میں اسلام وہاں امن و امان عائلی برابری ذہنی سکون کا ذریعہ بنتا جا رہا ہے۔ نئی نسل اور خاص طور پر نوجوان تعلیم یافتہ خواتین میں یہ اپیل دن بدن بڑھ رہی ہے۔ جنسی فواحش و منکرات کی کوئی دعوت بھی انہیں یورپی سماج کی مکروہات کی جانب راغب نہیں کر پا رہی کیونکہ اس کی تباہی و بربادی نے نہ خاندان رہنے دیا نہ سماج' سب کچھ اس جنسی انارکی کی بھینٹ چڑھ چکا ہے۔ یورپ کا قدیم ایجنڈا ہے کہ عیسائیت کے فروغ سے یورپی سماج کی حدود میں اضافہ کیا جائے۔

نوآبادیات عہد میں جب ایشیاء' افریقہ' لاطینی امریکہ' شمال و مشرق پر یورپی سامراجی قابض تھے۔ تو اس سے بھی پہلے ہراول کے طور پر **مبلغین** وہاں پہنچتے وہ مقامی آبادی کو غلام بناتے' فروخت کرتے' اپنی دھرتی سے محروم کرتے اور اسے خدائی فلسفہ قرار دیتے۔ لیکن اس وقت بھی ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام تھا۔ کیونکہ ترقی پسند اور مثبت قوموں کا امین ہونے کی وجہ سے اسلام دنیا بھر میں لوگوں کو جو دیتا ہے وہ نہ یورپی تمدن دے سکتا ہے اور نہ ہی ان کا مبینہ مذہب۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے ان کی حکمت عملی وضع کرنے والوں نے مدتوں پہلے فیصلہ کیا کہ اسلامؑ کی رکاوٹ دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی ذات میں توہین آمیز پہلو وضع کر کے آپؐ کی ذات کا حصہ بنا کر اسے چھوٹا کر دیا جائے اور نابالغ اور نوجوان نسل میں ایسی غلط باتوں کی تشہیر کر کے اسے فروغ دیا جائے اور یہ سلسلہ عرصہ سے جاری ہے۔ متحدہ ہندوستان میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی باقاعدہ حکمران بن گئی اور ہر صوبہ میں اسے تمام چھوٹے بڑے حکمران تعینات کرنے کا حق مل گیا تو اس زمانہ میں REV. G. G. PFANDER. D. D. ہندوستان میں پہنچا اور انگریز افسروں اور پادریوں کو اس طرف راغب کیا کہ اگر ہندوستان پر قبضہ کو دوام بخشنا ہے تو عیسائیت کو فروغ دیا جائے۔ اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ' اسلام پر یلغار کی جائے اور اس مقصد کے حصول کے لیے ہندوستانی زبان میں ایسی کتابیں لکھوائی جائیں' جن میں حضور پاکؐ کی سیرت کے بارے میں توہین آمیز مواد اکٹھا ہو۔ سر ولیم مور نے جو اس وقت یوپی کا گورنر تھا "حیات محمدؐ" اسی مقصد کے لیے لکھی۔ جس کی رد میں سر سید احمد خان مرحوم نے لندن کا سفر اختیار کر کے وہاں کی لائبریریوں سے استفادہ کیا اور ۷۰-۱۸۶۹ء میں ۱۲ مقالات لکھے اور اس کا انگریزی ترجمہ "دی لائف آف پرافٹ محمدؐ" کے نام سے کروا کر طبع کیا۔ سترہ سال بعد ۱۸۸۷ء میں یہی مقالات "**الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ**" کے نام سے طبع ہوئے۔ اسی عہد میں رائٹ آنریبل جسٹس سید امیر علی نے "سپرٹ آف اسلام" کے نام سے سیرت طیبہ رقم کی اور "نوٹس آن ہسٹری آف سیراسان" بھی لکھی' جو یورپی حملہ کا مدلل اور صحیح جواب تھا۔ انگریز کی ترغیب اور ہلاشیری پر سوامی دیانند سرسوتی نے "ستیارتھ پرکاش" ایسی بدنام زمانہ کتاب لکھی' جس میں آریہ سماج کے علاوہ اسلام' عیسائیت اور سکھ دھرم

اور اس کے رہنماؤں کے خلاف زہریلا مواد تخلیق کیا گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولوی چراغ علی، مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ان کے جواب لکھے مگر آزادی کی تحریک میں شدت نے اس فرنگی محاذ کو کمزور کر دیا مگر پادری صاحبان، برطانوی حکمرانوں کی سرپرستی میں اس میدان میں ڈٹے رہے۔

نوآبادیاتی نظام کے خاتمے کے بعد جب دنیا کے نقشہ پر ۴۵ کے قریب مسلمان ممالک سامنے آئے اور احیائے اسلام کی تحریکوں نے زور پکڑا تو یورپ نے امریکہ کی قیادت میں مسلمہ دشمنی کا محاذ کھڑا کیا۔ جو ملک امریکی قرضوں سے دیس کو مقروض کرتا، اسے یہ بھی اقرار کرنا پڑتا کہ وہ عیسائیت کی فروغ میں معاونت کرے گا۔ پی ایل ۴۸۰ کے تحت معاہدہ کے مطابق اس فنڈز کے خاصے بڑے حصہ کو ان تبلیغی اداروں کی مالی سرپرستی کا حق بھی تسلیم کیا گیا اور سوشلسٹ قوتیں بھی اسی فنڈ سے متمتع ہوئیں۔ پاکستان میں تو عیسائی مشنری اداروں کو ٹرانسمیٹر لگا کر تبلیغ کرنے کا حق بھی تسلیم کر لیا گیا، جس میں تبلیغ کے نام پر توہین اسلام و رسالتؐ ہر روز کی جاتی۔ اس محاذ پر سلمان رشدی کی کتاب اس لیے طبع کی گئی کہ مسلمانوں کی مذہبی سطح، اسلام دوستی اور عشق محمدؐ کو ماپا جا سکے۔ ابتداء میں تو مسلم دنیا نے نوٹس لے لیا مگر امام خمینی کے فتویٰ نے کیفیتی تبدیلی پیدا کر دی اور اس طرح یہ سلسلہ رک گیا۔ مگر عارضی طور پر پاکستان میں مذہب تبدیل کرنے کی سزا موت ہے۔ عیسائیت کی ہر سال طبع ہونے والی رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں ہر سال مسلمان مذہب تبدیل کر کے عیسائی مذہب قبول کرنے والے موجود ہیں اور وہ بھی بھاری تعداد میں۔ مگر آج تک اسلام ترک کر کے عیسائی ہونے پر نہ کسی کو مرتد قرار دیا گیا اور نہ ہی کسی کو سزائے موت کا مستوجب قرار دیا گیا۔ جس کا مطلب صرف اور صرف رواداری ہی ہے لیکن احیاء اسلام کی تحریک میں جس قدر تیزی آتی جا رہی ہے، مسلمانوں سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف توہین آمیز تقریریں کرنے اور کتابیں چھاپنے کی کھلی چھٹی ہونا چاہیے، جو سراسر غیر انسانی مطالبہ ہے۔ مطالبہ تو یہ ہونا چاہیے کہ سزا صرف اور صرف اس فعل کے مرتکب کو ملنی چاہیے۔ جھوٹی گواہی دینے والوں کو سزا ملنا ضروری ہے جو اس کے مرتکب کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ صیہونی ریاست میں ایسے کئی قوانین ہیں، جو قطعی طور پر غیر انسانی ہیں۔ امریکہ اور

اس کے حلیفوں نے انہیں تبدیل کرنے کا مطالبہ تو نہیں کیا۔ لاٹھی لے کر مسلم دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ کیونکہ کوتاہ فکر مبلغ یہی خیال کرتا ہے کہ مذہب گالی گلوچ کے خلاف جھوٹی روایات سے فائدہ اٹھا کر ہی تبدیل کرایا جا سکتا ہے۔ اس کی بہرصورت مذمت ہونی چاہیے' یہی راست فکری ہے۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۱۰ر جون ۱۹۹۸ء)

حکومت کے لیے رسوائی کا سامان

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی الازہری

شاید حکومتوں کا مزاج ہی کچھ اس قسم کا ہوتا ہے کہ وہ ماضی کی حکومتوں کی غلطیوں سے عبرت حاصل کرنا اپنی توہین تصور کرتی ہیں۔ نہ کبھی وہ گزشتہ حکومتوں کی ناکامیوں پر غور و فکر کرنے کے لیے تیار ہوتی ہیں اور نہ ہی آنے والی حکومتوں کی قسمت میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ وہ گزشتہ واقعات اور غلط پالیسیوں سے سبق حاصل کرنے کی جستجو کریں۔ البتہ اگر جماعتی مفادات ٹکراتے ہوں تو پالیسیوں میں تبدیلیوں کے امکانات پیدا ہوتے ہیں اور ہوسکتے ہیں۔ لیکن اگر دینی و مذہبی معاملات ہوں تو تقریباً تقریباً سب کی پالیسیاں ایک جیسی ہی رہتی ہیں۔ یہی کچھ صورتحال دفعہ ۲۹۵ سی سے درپیش ہے۔ ماضی اور حال کی حکومتوں میں اتنی ایمانی جرات نہیں کہ وہ ببانگ دہل اعلان کریں کہ ہمیں اس کی پرواہ نہیں کہ ہماری حکومت باقی رہتی ہے یا نہیں' ہم کسی حال میں بھی دفعہ ۲۹۵ سی کو تبدیل کرنے یا ختم کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہر مملکت کے باشندوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مذہبی' دینی' ملی' تاریخی اور معاشرتی روایات کی روشنی میں قانون سازی کر سکیں۔ بین الاقوامی قوانین میں سے کون سا قانون کسی بڑی طاقت کو یہ حق دلاتا ہے کہ وہ کسی ملک کے اندر اپنی مرضی کا قانون بنوانے کے لیے چالبازیوں کا جال پھیلائے؟ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا قانون نہ کبھی ماضی میں مانا گیا ہے اور نہ ہی مستقبل میں مانا جا سکتا ہے۔

ہم اپنے دنیاوی آقاؤں سے اس قدر خوفزدہ رہتے ہیں کہ ہمیں ''حقیقی آقا'' کا حکم بھی یاد نہیں رہتا۔ دفعہ ۲۹۵ سی انتظامی معاملات کو سرانجام دینے کے لیے اور

ان میں نظم و ضبط کو پیدا کرنے کا صرف ایک لائحہ عمل ہی نہیں ہے بلکہ یہ وہ قانون ہے جس پر ایمان و اعتقادات کی بنیاد قائم ہے۔ حقوق انسانی کی دعویدار تنظیموں اور داعین کو برطانیہ، فرانس، اٹلی، امریکہ اور دیگر ممالک کے موضوعہ قوانین میں سے وہ قوانین کن کن مفادات کے حصول کی بناء پر نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، جن میں ان ممالک میں رہنے والے افراد کے مذہبی عقائد اور ان کی جلیل القدر شخصیات کی توہین کیے جانے کو قابل جرم قرار دیا گیا ہے۔ کیا کبھی پاکستان کے علماء اور عوام نے حکومت برطانیہ سے احتجاج کیا ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام کی عصمت کے بارے میں جو قانون بنایا ہوا ہے، وہ برطانیہ میں رہنے والے ہندوؤں، سکھوں، یہودیوں، مجوسیوں، آتش پرستوں اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی تعلیمات کے خلاف ہے، اس لیے اس کو بدل دیا جائے اور اس قانون سے مذکورہ مذاہب کے پیروکاروں کی مذہبی تعلیمات کی خلاف ورزی پائی جاتی ہے جس سے ان کے آزادی کے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ کیا کبھی برطانیہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اہانت کے قانون کے بارے میں کسی حقوق انسانی کی دعویدار جماعت، گروہ، انجمن اور این جی اوز نے کوئی جلوس نکالا؟ آخر وہاں حقوق انسانی کی پامالی انہیں برانگیختہ کیوں نہیں کرتی؟

کیا امریکہ بہادر اپنی قانون سازی میں دنیا کے دوسرے چھوٹے اور بڑے ملکوں سے مشورے طلب کرتا ہے؟ کیا امریکہ کسی ملک کو یہ حق دینے کے لیے تیار ہے کہ وہ اس ملک کے مشورہ کے مطابق امریکہ میں قانون سازی کرے؟ کیا پاکستانیوں کے مطالبہ پر امریکہ اپنے ہاں یہ قانون بنانے کے لیے تیار ہے کہ آئندہ اس کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا؟ اور اس کی تمام قانون سازی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہوگی؟ آخر کیا وجہ ہے کہ امریکہ اور اس کے حواریوں یا اس کے رزق پر پلنے والی این جی اوز یا پاکستان میں حقوق انسانی کے نام نہاد علمبرداروں کے پیٹوں ہی میں ۲۹۵سی کا مروڑ کیوں اٹھتا ہے؟ آخر پاکستان میں ہندو، سکھ، پارسی، مجوسی، بہائی اور دیگر مذہب کے پیروکار بھی بستے ہیں۔ وہ اس قدر جوش سے ۲۹۵سی کے خلاف جلوس کیوں نہیں نکالتے؟ ان کے مذہبی رہنماؤں میں سے اب تک کتنے افراد نے خودکشی کا ارتکاب کیا ہے؟ جس شخص نے کبھی چوری نہیں کی یا کبھی چوری نہیں کرنی، اسے

اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ قانون میں چور کی سزا کیا ہے؟ جب اس نے اس جرم کا ارتکاب ہی نہیں کرنا' تو وہ کیوں چوروں کی حمایت میں جلوس نکالے گا؟ بیانات دے گا؟ جس شخص نے کبھی زیادتی کا ارتکاب ہی نہیں کرنا اسے اس سے کیا غرض کہ زانی کو رجم کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ یا قانون زانی کی کیا سزا مقرر کرتا ہے؟ یا اس کے دل کا چور اسے مجبور کرے گا کہ خدانخواستہ اس سے کہیں یہ فعل صادر نہ ہو جائے' اس لیے پیش بندی کے طور پر وہ زانی کی سزا کے خلاف جدوجہد کرے تاکہ برے وقتوں میں قانون کا نہ ہونا اسے جرم کی سزا سے بچالے؟ بین الاقوامی طاقتوں اور خاص طور پر امریکہ سپرپاور کی یہ "پھرتیاں" کس امر کی غمازی کر رہی ہیں؟

جب خودکشی ہر مذہب میں حرام ہے تو پھر آخر ایک مذہب کے علمبردار' داعی اور مبلغ (بشپ جان جوزف) کا یہ قدم اٹھانا کس امر کی چغلی کھا رہا ہے؟ کہ کہیں اسے اگلے منصوبوں کی تکمیل کے لیے بنیادی مواد فراہم کرنے کی ذمہ داری تو نہیں سونپی گئی کہ وہ ایک دفعہ اپنی جان کی قربانی پیش کر کے مستقبل میں اٹھانے والے اقدامات کے لیے بنیادی وجوہات مہیا کر جائے؟ بڑی بڑی طاقتیں اپنے عظیم مستقبل کے منصوبوں کے لیے اپنے سفیروں اور وزیروں تک کی قربانیاں پیش کرنے میں کبھی عار محسوس نہیں کرتیں۔ وہ ظاہر بین افراد کی آنکھوں میں اس طرح کے "کارنامے" سرانجام دے کر بہ آسانی خاک ڈال دیا کرتی ہیں۔ قانون کی حفاظت کی ذمہ داری جس طرح انتظامیہ اور عدلیہ کے کندھوں پر عائد ہوتی ہے' اسی طرح حکمرانوں اور خاص طور پر وزارت قانون کے عہدیداروں پر بھی لازم ہوتی ہے کہ وہ اپنی مقننہ اور عدلیہ کے احکامات کی روشنی میں بنائے جانے والے قوانین کی حفاظت کرے۔ آج تک وزارت قانون اور نوکرشاہی کے افراد نے کبھی بھی خلوص نیت کے ساتھ دفعہ ۲۹۵سی کی افادیت کو نہ سمجھا ہے اور نہ سمجھنے اور نہ ہی سمجھانے کی کوششیں کی ہیں بلکہ ہمیشہ غیروں کی آنکھوں سے اس دفعہ ۲۹۵سی کو پڑھنے کی کوشش کی ہے۔

اگر حکومت واقعی ۲۹۵سی کی بقا چاہتی ہے تو اسے فوری طور پر فیصل آباد کے واقعہ کی عدالتی انکوائری اس انداز سے کروانی چاہیے جس میں صرف چند محدود سوالات کے جوابات کے حصول کی پابندی عائد نہ کی جائے' بلکہ اس عدالتی انکوائری کے ذمہ دار افراد کو معاملہ کی چھان بین کے لیے مکمل خودمختاری بھی دی جائے کہ وہ

جن جن رموز کے بارے میں تحقیقات کرنا اپنے لیے مناسب سمجھیں' اسے اپنے دائرہ اختیار میں لے آئیں۔ انہیں اندرونی اور بیرونی امداد سے چلنے والی این جی اوز کو طلب کرنے کا بھی اختیار حاصل ہو۔ اسے دنیا بھر میں دفعہ ۲۹۵سی کے خلاف کام کرنے والے اداروں کی کارگزاریوں میں تسلسل قائم کرنے کا اختیار بھی حاصل ہو اور ان کی تہ میں چھپے ہوئے منصوبوں سے آگاہی کا حق بھی حاصل ہو۔

دوسری طرف حکومت' پاکستان میں موجود عیسائی مشنریوں کے ذمہ دار پادریوں اور مسلم مفکرین و علماء کی ایک گول میز کانفرنس بلائے' جس میں دونوں مکتبہ ہائے فکر کے جید علماء آمنے سامنے بیٹھ کر اس دفعہ کے فوائد اور نقصانات پر سیرحاصل گفتگو کریں کیونکہ یہ ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے اس لیے اسے مذہبی رہنماؤں ہی کی طرف سونپا جائے تو بہت مثبت نتائج حاصل ہوں گے۔ وگرنہ این جی اوز تو اپنے مالی مفادات کے تابع ہر معاملہ کو اچھالتی یا بٹھاتی ہیں۔ نیز حکومت اپنی رسوائی کا وہی سامان مہیا نہ کروائے جو ماضی کی حکومت کروا چکی ہے کہ نہ حکومت رہی اور نہ فیصلہ کرنے والے جج اپنے عہدوں پر رہے۔ عبرت مگر کس کے لیے؟

حکومتیں "ہم چو دیگرے نیست" کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ خیال کرتی ہیں کہ پچھلی حکومتوں نے جو غلطیاں کیں اور اس کے جو نتائج نکلے تھے ممکن ہے کہ اسی غلطی کا نتیجہ اب وہ نہیں نکلے گا جو پہلے نکلا تھا۔ ان کے خیال میں حکومتی منصوبے' پالیسیاں اور تدبیریں' سائنسی اصولوں کے مانند نہیں ہوتیں کہ تمام غلطیوں کا نتیجہ ایک ہی نکلے' اس لیے وہ اپنے آپ کو سائنسی دنیا سے نکال کر حکومتی خوابوں کی دنیا میں بسیرا کرتے ہوئے بار بار انہی غلطیوں کو دہراتے رہتے ہیں۔ پس پردہ یہ سب کچھ وہ قوتیں بھی کرا رہی ہوتی ہیں' جنہیں عوام "نوکر شاہی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ نوکر شاہی کا مزاج اور عادات اب بھی وہی ہیں جو انگریزوں کے دور حکومت میں ہوا کرتی تھیں۔ تبدیلی صرف چہروں کی ہوتی رہتی ہے' اندر سے ذہنی کیفیت وہی ہے جو قبل از آزادی تھی اور موروثی عادتیں اتنی جلدی تھوڑا ہی بدلا کرتی ہیں' انہیں بدلتے بدلتے صدیاں گزر جاتی ہیں اور ابھی تو صرف نصف صدی گزری ہے۔ آخر اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ چنانچہ اب بھی نوکر شاہی اور انگریزی قانون کے پروردہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ جب انگریز "آقا" نے پینل کوڈ میں دفعہ ۲۹۵ شامل کر رکھی تھی تو

خوامخواہ ۲۹۵ میں ۲۹۵اے' ۲۹۵بی اور ۲۹۵سی کا اضافہ کیا اور اب جو کچھ صورتحال پیش آ رہی ہے اور حکومت کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے اور خاص طور پر بین الاقوامی سطح پر حکومتوں کی جو سبکی اور رسوائیاں اور حکمرانوں کو جو "جھاڑیں" پڑتی رہتی ہیں' وہ سب کچھ ان اضافوں کا نتیجہ ہیں' نہ یہ اضافے کیے جاتے اور نہ ان حالات سے دوچار ہوا جاتا۔ اس لیے "نوکر شاہی" کے خیال میں اب بھی اس کا یہی حل ہے کہ کیوں نہ ان اضافوں کو ختم کر دیا جائے؟ یا اگر ختم نہ کیا جا سکے تو ایسی ترامیم کر دی جائیں جن سے ان اضافہ شدہ قوانین کی روح ختم ہو جائے' جس کا ناقابل تردید ثبوت پاکستان لاء کمیشن کا وہ مراسلہ ہے جو اس نے اسلامی نظریاتی کونسل کو بھیجا۔ چنانچہ پاکستان لاء کمیشن نے اپنا پہلا مراسلہ نمبر ایف 1/87/PLS-LEG مورخہ ۲۰ر دسمبر ۱۹۹۳ء کو بھیجا اور جب اس پر "نوکر شاہی" کی خواہش پر کارروائی نہ ہوئی تو دوبارہ مراسلہ نمبر ایف 1/87/PLS-LE-6 مورخہ ۱۶ر فروری ۱۹۹۸ء کو آخری یاددہانی کے طور پر بھیجا گیا گویا اس کے درمیان بھی وہ مراسلے بھیجتی رہی جن میں اس امر کا مشورہ طلب کیا گیا کہ "کیوں نہ قانون توہین رسالتؐ میں اس جرم کو ناقابل دست اندازی پولیس قرار دے دیا جائے"۔

بیوروکریٹس کے "گڑھ" پاکستان لاء کمیشن نے اپنی شاطرانہ چالبازیوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے کس قدر "معصومانہ" سوال کیا ہے کہ آپ صرف اتنی اجازت دے دیں کہ اس مجرم جس نے توہین رسالتؐ کا ارتکاب کیا ہو' اس سے "مادرانہ شفقت" کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور پولیس کے ظالمانہ رویوں سے اس "معصوم" کو بچانے کے لیے "پولیس کی دست اندازی" سے نکال کر "ناقابل دست اندازی" قرار دلایا جائے اور لاء کمیشن نے کیا خوب دلیل پیش کی۔ ملاحظہ ہو:

"گوجرانوالہ کے توہین رسالتؐ کیس (زیر دفعہ ۲۹۵سی) (P.P.C) کے سلسلے میں بین الاقوامی سطح پر عیسائی اداروں کی شکایات کے پیش نظر ضابطہ فوجداری کی اس دفعہ میں ترمیم کر کے اسے ناقابل دست اندازی پولیس بنا دیا جائے۔ اس ترمیم کے نتیجے میں یہ جرم استغاثہ کا کیس بن جائے گا جس کی سیشن کورٹس سماعت کریں گی اور ملزم کے خلاف قانونی اتھارٹی کے غلط استعمال کا موقع نہیں رہے گا"۔ (سبحان اللہ! کس خوبصورتی سے ۲۹۵سی کی ساری عمارت کو ڈھایا جا رہا ہے)

چنانچہ لاء کمیشن کی طرف سے یہ ریفرنس موصول ہونے کے بعد پہلی مرتبہ ۱۶ر فروری ۱۹۹۴ء کو اس وقت کے چیف جسٹس اور چیئرمین کمیشن جسٹس سید نسیم حسن شاہ کی زیر صدارت میٹنگ ہوئی' جن میں **منجملہ** دیگر اراکین کے' مولانا کوثر نیازی بطور چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل بھی شریک ہوئے۔

اس میٹنگ میں چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ:

۱ - اسلام تمام انبیاء کرام کی توہین کے لیے وہی سزا تجویز کرتا ہے' اس لیے دوسرے انبیاء کا نام بھی اس دفعہ میں شامل کیا جانا چاہیے۔

۲ - اس دفعہ میں ارادہ (نیت) کا کوئی ذکر نہیں جو ہر جرم کا لازمی عنصر ہے۔

۳ - قانون شہادت ناقص ہے کیونکہ اس جرم کو ثابت کرنے کے لیے گواہوں کا جو معیار درکار ہے' اس کا قانون میں کوئی ذکر نہیں۔

۴ - ہمارے ملک میں مختلف فرقوں کے درمیان اختلافات موجود ہیں' اس لیے اس دفعہ کا غلط استعمال کیا جا سکتا ہے۔

بادی النظر میں توہین رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف یا اس جرم کے ارتکاب کی سزا میں کوئی تبدیلی مطلوب نہیں' بلکہ پولیس کی زیادتی سے ملزم کو تحفظ دینے کے لیے اس جرم کو ناقابل دست اندازی پولیس بنانے کی سفارش کی گئی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تفتیش کے ضابطہ اور طریق کار میں ایسی تبدیلی صرف توہین رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کے ملزم کے تحفظ کے لیے کیوں ضروری ہے؟

قتل کے ملزم کے لیے بھی سزائے موت مقرر ہے' کیا اسے بھی ایسا ہی تحفظ دے کر اس جرم کو ناقابل دست اندازی پولیس نہ بنا دیا جائے؟

کیا ایسا کرنے سے قانون کی منشاء یعنی مجوزہ سزا کو سبق آموز بنانے اور ایسے جرم کا ارادہ رکھنے والے کو اس ارادے سے روکنے کا مقصد فوت نہیں ہو جائے گا؟

بیوروکریٹس کے نمائندوں یعنی لاء کمیشن نے تو باقاعدہ مجوزہ قانون میں تبدیلی کا ڈرافٹ بھی بنا دیا تھا اور اسے ۱۹۹۳ء ہی سے قابل نفاذ قرار دے دیا تھا۔ چنانچہ لاء

کمیشن کی مجوزہ قانون سازی کا نمونہ ملاحظہ ہو:

مختصر عنوان اور نفاذ

ا۔ ایکٹ ہذا کو مجوزہ ضابطہ فوجداری کا قانون ۱۹۹۳ء کہا جائے گا۔

۲۔ یہ فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔

۳۔ ۱۸۹۸ء کے قانون ۵ کی دفعہ ۲۹۵سی کے خلاف جدول ۲ کے کالم ۲ میں اندراج کی تبدیلی۔

محولہ ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء میں ۲۹۵سی میں اس طرح تبدیلی کی جائے۔

"وارنٹ گرفتاری کے بعد گرفتار نہیں کیا جائے گا" سے بدل جائے گا۔

مقاصد اور وجوہات

مجوزہ ترمیم کا مقصد پولیس کے بغیر وارنٹ گرفتاری کے گرفتار کرنے کے اختیارات کو کم کرنا ہے۔ ماسوائے اس کے کہ سیشن عدالت کی طرف سے تحقیقات کے بعد کوئی کارروائی ہو۔

اگر لاء کمیشن کے اختیار میں قانون سازی یا آئین میں تبدیلی کا اختیار ہوتا تو یہ تبدیلی ۱۹۹۳ء ہی میں عمل میں آچکی ہوتی۔ لیکن افسوس اس معاملہ میں بیوروکریٹس کے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں تھا اور حقیقت میں یہی وہ طبقہ ہے جو "مدعی سست اور گواہ چست" کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے حکومت کے لیے اللہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں رسوائیوں کا سامان مہیا کرنے کے درپے ہے۔

پاکستان کے بیوروکریٹس اور دیگر ممالک کے بیوروکریٹس میں ایک نمایاں فرق یہ بھی ہے کہ دیگر ممالک کے بیوروکریٹس اپنے اپنے وطن' اپنے اپنے مذہب اور اپنے اپنے ملک اور عوام کے مفادات کو پیش نظر رکھ کر پالیسیاں بناتے ہیں جبکہ بدقسمتی سے ہمارا بیوروکریٹ طبقہ اپنے ذاتی مفاد اور اپنے "آقا" کے مفادات کو ترجیح دیتے ہوئے پالیسیاں مرتب کرتا ہے۔ اگرچہ اس میں حکمرانوں کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے لیکن اہم کردار درپردہ بیوروکریٹس ہی کا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس وقت ۲۹۵سی کے بارے میں جو دھمکیاں اور ہدایات دی جا رہی ہیں وہ غیر ملکی وزارتوں اور ان کے مختلف ادوار کے سربراہ اور عہدوں پر متعین بیوروکریٹس ہی کے ذریعے دی جا رہی ہیں اور

اس کے جواب میں چاہیے تو یہی تھا کہ ہمارا بیوروکریٹ طبقہ ہی سرکاری طور پر اسی انداز' لہجہ اور زبان میں انہیں جواب دیتا اور انہیں دفعہ ۲۹۵سی کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہ کرتا لیکن اس کے برعکس آپ پاکستان کے بیوروکریٹس کے ''کارنامے'' جو پاکستان لاء کمیشن کے ذریعے سرانجام دلانے کی کوشش کی گئی مندرجہ بالا سطور میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

بیوروکریسی کی درپردہ سازشوں کے طفیل دفعہ ۲۹۵سی کے بارے میں دینی اور لادینی قوتوں میں کشمکش جاری ہے' جو اب فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہوا چاہتی ہے۔ بیوروکریسی کی پوری کوشش ہے کہ وہ ۲۹۵سی کو غیر موثر کر دے' اس لیے وہ اس ادارے' فورم' انجمن' این جی اوز اور افراد کی مرئی اور غیرمرئی انداز میں متحرک رہی ہے' جو اس دفعہ کو ختم کرنے کے درپے ہیں اور صرف ۲۹۵سی کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ایک طرف وہ اپنی خفیہ رپورٹوں اور مشوروں میں حکمرانوں کو اس انداز سے خوفزدہ کر کے بتاتی ہے کہ ان کی حکمرانی کی بقا کا انحصار اسی پر ہے کہ وہ مغربی آقاؤں کے نقطہ نظر کے سامنے سرتسلیم خم کر لیں۔ مغرب اپنے لیے جس قدر بھی سیکولر اقدار کی علم برداری کا دعویٰ کرتا رہے لیکن بباطن حکمرانوں سے لے کر بیوروکریٹس تک اور سیاست دانوں سے لے کر ایک عام آدمی تک اسلام دشمنی میں سب ایک ہی نقطہ پر متفق ہیں اور دوسری طرف پاکستانی بیوروکریٹس اور اس کے نمائندے پاکستانی سیاستدانوں' سیکولر افراد' حقوق انسانی کے دعویداروں اور قانون دانوں کو یہ پٹی پڑھاتی ہے کہ کس کے حکم اور فیصلہ سے پی پی سی میں دفعہ ۲۹۵سی کو داخل کیا گیا ہے؟ کیونکہ یہ شریعت کورٹس کے حکم اور فیصلہ کی بناء پر داخل کی گئی ہے اور شریعت کورٹس کو آٹھویں ترمیم کی رو سے تحفظ حاصل ہے اور اس کا وجود آٹھویں ترمیم کے مرہون منت ہے اور آٹھویں ترمیم کو ایک جابر' ظالم اور مارشل لاء کے حکمران نے اپنے ناجائز اور بزور طاقت حاصل کردہ اختیارات کے زور پر آئین کا حصہ بنایا ہے' اس لیے آٹھویں ترمیم غیر قانونی' غیراخلاقی اور غیر آئینی ترمیم ہے جو ناقابل قبول ہے۔

تعجب ہے کہ جب وہی ''آمر'' آٹھویں ترمیم کے بل بوتے پر جونیجو حکومت کو ختم کر دے اور اس آٹھویں ترمیم کا سہارا لیتے ہوئے الیکشن کا اعلان کرے اور اس

آٹھویں ترمیم کی روشنی میں اور اختیارات کے دائرے میں پھر الیکشن ہوں اور الیکشن میں کامیاب ہونے والے حکمرانوں کو اقتدار کی جنگ میں استعفیٰ دے کر یا دلا کر پھر الیکشن کرائے جائیں اور اس الیکشن میں اسلام دشمن طاقتیں برسراقتدار آ جائیں تو یہ سب پراسز' طریق کار اور الیکشنوں کا چکر وکر یکدم آئینی اور قانونی صورت میں تبدیل ہو کر ہر عمل درست قرار پا جائے۔ ایک عام فہم آدمی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب بنیاد ہی غیر آئینی اور غیر قانونی ہے تو اس پر تعمیر ہونے والی عمارت کس طرح اچانک آئینی اور قانونی ہوگی؟ اور عوام کے ووٹوں کے نام پر ہر غیر آئینی برائی کو آئین کا تحفظ حاصل ہو جائے گا؟ لاکھ قانونی نکات ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس الیکشن کو آئینی روپ میں ڈھالیں۔ لاکھ آئینی نکتہ سنجیاں پیش کی جائیں' لاکھ تاویلات کا سہارا لے کر غیر آئینی کو آئینی قرار دیں' لاکھ حیلہ جوئیاں کی جائیں کہ "اس میں" اور "اس میں" یہ "فرق" ہے اور اس "فرق" کی "گردانیں" کی جائیں لیکن یہ اپنی جگہ ٹھوس اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ وہ الیکشن آٹھویں ترمیم ہی کی بدولت ہوئے تھے۔

ایک عام فہم آدمی کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آ سکی کہ "آٹھویں ترمیم" کی روشنی میں "شریعت کورٹس" تو غیر آئینی اور غیر قانونی ہو جائیں اور اس آٹھویں ترمیم کی روشنی میں ہونے والے الیکشن آئینی اور قانونی ہو جائیں اور جب قانونی باریکیاں اور نکتہ آرینیاں اس "جاہل" شخص کی سمجھ میں نہیں آتیں تو وہ یہ کہہ کر اپنے آپ کو خوش کر لیتا ہے کہ "میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو!" حقوق انسانیت کی آزادی کے پرستاروں سے کوئی یہ پوچھے کہ ایک ایسا انسان جسے نہ شعور انسانیت حاصل ہے' نہ انسانیت کی قدر و منزلت سے آگاہی ہے' نہ دوسروں کے جذبات کی پاسداری کا احساس ہے' نہ انسان انسان میں امتیازات میں تفریق کا علم ہے' نہ حق و باطل میں معرکہ آرائی کی خبر ہے' نہ عصمت انبیاء کی تعلیم سے آگاہی ہے' اسے تو حقوق انسانی کے نام پر تمام تحفظات حاصل ہو جائیں کہ وہ جو چاہے لکھتا رہے لیکن محسن انسانیت' باعث تخلیق کائنات' افضل الرسل اور جان جاناں انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عصمت' مقام و مرتبہ' عظمت و جلالت کی توہین کرنے والے کے لیے ہر قسم کا تحفظ حاصل ہو اور اگر اس تحفظ کے لیے قانون بنایا جائے تو وہ یکسر حقوق انسانی کے خلاف ہو جائے۔

اقلیتوں کی جس قدر پاکستان میں قدر و منزلت ہے اور تحفظ حاصل ہے' اس قدر دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے جمہوری ملک میں حاصل نہیں۔ یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ برطانیہ جو اپنے آپ کو جمہوریت کی "ماں" کہتا ہے کیا کوئی ایسی مثال پیش کر سکتا ہے کہ اس نے اپنی دو سو سالہ جمہوریت کی تاریخ میں اقلیت کے نام پر اپنے کسی بھی قانون ساز ادارے میں چاہے وہ دارالعوام ہو یا دارالامراء ہو اقلیت کے کوٹے سے کسی ایک مسلمان کو بھی وزارت عظمیٰ پر فائز کیا ہو؟

امریکہ جو اپنے آپ کو جمہوریت کا "باپ" کہلاتا ہے اپنے صدارتی جمہوری دور سے کسی ایک دور میں بھی اقلیت کے کوٹے سے کسی مسلمان کو صدر بنانا تو دور کی بات ہے' صدارتی امیدوار ہی بنایا ہو؟ دنیا کے کسی بھی براعظم کے کسی بھی غیر مسلم مملکت کو آپ لے لیں' آپ کو وہاں اقلیتی کوٹے کے نام پر کسی ایک مسلمان کو بھی اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے کی مثال نہیں ملے گی اور اگر کہیں کوئی مسلم نام کا شخص نظر آئے گا تو وہ اقلیتی کوٹے سے نہیں بلکہ وہ عوامی انتخاب میں حصہ لینے کی بناء پر ہوگا' چاہے کوئی پارٹی اسے اپنا نمائندہ بنائے یا وہ اپنی ذاتی قابلیت' جدوجہد' محنت' شخصیت اور شہرت کی بناء پر منتخب ہوا ہو۔ اس کی کامیابی کی وجوہات اور اسباب میں اقلیتی عنصر شامل نہیں ہوگا بلکہ کچھ اور اسباب اور وجوہات ہوں گی۔

جبکہ پاکستان میں اقلیتوں کو جو مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ آج سے نہیں بلکہ مملکت پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے پہلے دن ہی سے حاصل ہے۔ بانی پاکستان قائداعظمؒ کی کابینہ میں انتہائی اہم وزارت سے لے کر دفاع' عدلیہ' انتظامیہ میں کمانڈر انچیف' چیف جسٹس' چیف سیکرٹریوں تک اقلیتی نمائندوں کی ایک طویل فہرست نظر آتی ہے اور اقلیتی کوٹے سے مقننہ یا قانون سازی کے اداروں میں چاہے وہ قومی اسمبلی ہو یا صوبائی اسمبلیاں ہر مقام پر آپ کو اقلیتی نمائندے اور وزراء' اسمبلی سپیکر اور خصوصی کمیٹیوں کے چیئرمینوں کی ایک لمبی فہرست نظر آئے گی' حتیٰ کہ آج کے نصف پاکستان کے اندر بھی باقاعدہ اقلیتی وزارت کا وجود اس کا واضح ثبوت ہے کہ اقلیتی کسی اعتبار سے بھی پاکستان میں دوسرے درجے کے شہری نہیں رہے ہیں۔

۲۹۵سی کی آڑ میں یہ ساری ہنگامہ آرائی پاکستان کے مذہبی طبقہ میں اشتعال انگیزی کر کے ان کی توجہات کسی اور طرف مبذول کر کے ہمسایہ ملک میں دھماکہ

خیزیاں کرانا' یہ سب کچھ "الکفر ملتہ واحدہ" کی شاہکاریاں ہیں جس کی کڑیاں تلاش کرنا پاکستانی بیوروکریٹس طبقہ کی دسترس سے باہر ہے اور جس کے نتیجہ میں حکومت کو رسوائیوں کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوگا اور "آقا" تو یہی چاہتے ہیں کہ بھاری مینڈیٹ کے ہاتھوں معرض وجود میں آنے والی حکومت دن بدن عوام میں اپنے لیے رسوائیاں سمیٹتی چلی جائے اور آہستہ آہستہ رہے سہے مذہبی طبقے کی ہمدردیاں بھی ختم ہوتی چلی جائیں۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ۱۵ر - ۱۶ر - ۱۷ر مئی ۱۹۹۸ء)

گستاخی اور اہانت' ایک مستقل عالمی مہم

پروفیسر کریم بخش نظامانی

"کروڑوں مسلمان روزانہ دن میں پانچ مرتبہ ہر نماز میں انؐ پر درود و سلام پڑھتے ہیں۔ انؐ کا اسم پاک سن کر "صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کہتے ہیں' آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر زیر لب عرض کرتے ہیں کہ "آپؐ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ دنیا بھر کے شہروں' قصبوں اور دیہات کی مساجد سے لاؤڈ اسپیکر چیخ چیخ کر روزانہ پانچ مرتبہ ان کے منصب کا اعلان کرتے ہیں اور دنیا کو بتایا جاتا ہے کہ وہ کیا ہیں یعنی : "**اشھد ان محمد رسول اللہ**"۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ **محمدؐ** اللہ کے رسول ہیں"۔ یوں دنیا پر اتمام حجت ہوتی رہتی ہے کہ وہیؐ نوع انسانی کے رہبرو رہنما ہیں اور ساتھ ہی اللہ پاک کے اس قرآنی وعدہ کے پورے ہونے پر مہر تصدیق ثبت ہوتی رہتی ہے کہ "**ورفعنا لک ذکرک**"۔ "اور تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا"۔ وہ دنیا بھر کے ایک ارب مسلمانوں کے دلوں میں بسے رہتے ہیں۔ مسلمان کتنا ہی گنہگار سہی' انؐ کی غلامی کا قلاوہ اپنی گردن سے نکالنے پر موت کو ترجیح دے گا کہ وہی شافع محشر اور اس دنیا میں ہماری شناخت کی کسوٹی ہیں----- اور آپ ہیں کہ انؐ کی شان میں نازیبا کلمات بکنے کو معمول کی گفتگو سمجھتے ہیں؟ ہوش کے ناخن لیجئے! کالی کملی والےؐ کی ناموس کا معاملہ ہے۔ ایک پلڑے میں ان کی ناموس رکھئے اور دوسرے میں ایک ارب مسلمانوں کی جانیں----- انؐ کا پلڑا بھاری رہے گا۔

ہم بارہ کروڑ پاکستانی ہیں جن میں ۹۷ فیصد انؐ کی غلامی پر فخر کرتے ہیں اور آپ ہیں کہ انؐ کی شان میں گستاخی کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ گستاخ کو اگر سزا دی جائے تو فوراً "انسانی حقوق" کی دہائی دینے لگتے ہیں۔ آپ کو معلوم بھی ہے کہ انؐ کی شان مبارک میں گستاخی کرنے سے پونے بارہ کروڑ پاکستانی مسلمانوں کے دل کباب ہو جاتے ہیں؟ اتنی بھاری اکثریت کے جذبات کو مجروح کر کے آپ نے ان کے انسانی حقوق پامال نہیں کئے؟ یا

ہے کہ انسانی حقوق صرف آپ کی حقیر سی اقلیت (Microscopic minority) کے ہوتے ہیں اور اس ملک کی اصل مالک بھاری اکثریت کے کوئی حقوق نہیں ہیں؟

ہوش کے ناخن لیجئے! وہ زمانہ لد گیا جب پورا عالم اسلام' عیسائیوں کا غلام تھا۔ اب ہم ساٹھ ستر آزاد ریاستیں ہیں۔ دنیا بھر کا ساٹھ فیصد تیل اور نوے فیصد ربڑ ہمارے پاس ہے۔ کمی صرف احساس زیاں کی تھی' وہ بھی آہستہ آہستہ ابھر رہا ہے۔ جب دنیا پر عیسائیوں کا تسلط تھا تو اس وقت انہوں نے انؐ کے اسم مبارک کو بری طرح مسخ کر دیا مثلاً انگریزی زبان میں "محمدؐ" (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو بگاڑ کر Mohomet بنا دیا۔ اس سے بھی بڑھ کر ان خبیثوں (خبیث کوئی گالی نہیں ہے' ایک شرعی اصطلاح ہے) Muhammaed (محمدؐ) کو Mahound (ماہاونڈ) بنا دیا۔ ماہاؤنڈ کا اشتقاق ہے Me-Hound می ہاؤنڈ۔ ہاؤنڈ کے معنے ہیں۔ شکاری کتا اور می کے معنے ہیں میرا۔ فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں عیسائی حضرات یہ گستاخی صدیوں سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ "Mahound" کا لفظ اب بھی انگریزی زبان کی بڑی بڑی لغات میں موجود ہے۔ میں تمام مسلمان ممالک کے سربراہوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں یہ احتجاج کریں کہ انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں حضورؐ کے اسم گرامی کے جو بھی گستاخانہ ہجے موجود ہیں' ان کو ان زبانوں کی لغات سے نکال دیا جائے۔

سولھویں صدی کے ڈرامہ نویس کرسٹافر مارلوو (۱۵۹۳ء - ۱۵۶۴ء) کا ڈرامہ "ٹمرلین" انگریزی ادب میں بڑا مقام رکھتا ہے۔ خود مارلوو کو بھی شیکسپیئر کے بعد دوسرا بڑا ڈرامہ نگار سمجھا جاتا ہے۔ "ٹمرلین" میں حضورؐ کی شان میں انتہائی گستاخانہ کلمات موجود ہیں۔ لیکن یہ ڈرامہ ہماری جامعات کی لائبریری میں موجود ہے اور مجھے بھی یہ ڈرامہ نہ صرف پڑھنا' بلکہ اس پر تنقید بھی لکھنا پڑی۔ سروالٹر اسکاٹ کے ناول ٹیلسمان یا آئی ون ہو (اب یاد نہیں رہا کہ کس ناول میں ہے) میں بھی رسالت مآبؐ کی شان مبارک میں انتہائی گستاخانہ کلمات موجود ہیں اور دکھ کی بات یہ ہے کہ ٹیلسمان ناول ہمارے ایم اے فائنل (انگریزی ادب) کے نصاب میں شامل تھا۔ سید مودودیؒ کی تحریریں پڑھنے سے ہماری دینی غیرت جاگ اٹھی تھی۔ اس لئے ایسے خرافات پر کلاس روم ہی میں تنقید کر دیتے۔ ورنہ عام طلبہ و طالبات کے کانوں پر جوں تک نہ رینگتی اور وہ "ادب میں سب چلتا ہے" کہہ کر ان گستاخیوں کو نظرانداز کر دیتے۔

ادب (لٹریچر) میں بے ادبی تو نہیں چلنی چاہئے۔ ادب کی ایک تعریف (بقول ذراتی

ذن) یہ بھی ہے کہ وہ حظ (Pleasure) پہنچا کر ہمارے علم میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ جب کہ فخر موجوداتؐ کی شان میں گستاخی تو روحانی اذیت (Torment) کا ہی ذریعہ بنتی ہے۔ ایسا ادب' علم میں خاک اضافہ کرے گا۔

پاکستان میں اقلیتوں کو جو حقوق حاصل ہیں' وہ شاید ہی دنیا کی کسی اور اقلیت کا نصیب ہوں۔ ہمارے پڑوس میں سینکڑوں نہیں' ہزاروں مرتبہ مسلم کش فسادات ہوئے۔ بھارت میں "۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۰ء تک ۷۵۰۰ فسادات ہوئے جن میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا (دکن بھارت پارلیمنٹ مسٹر اسحاق کا پریس بیان بحوالہ وکٹمز آف انڈین سیکولر ازم)۔ ۱۹۶۱ سے لے کر ۱۹۷۶ تک کے عرصہ میں وہاں ۳۲۲۱ فسادات ہوئے جن کا واحد نشانہ مسلم اقلیت ہی تھی۔ (امپیکٹ انٹرنیشنل لندن' ستمبر۱۹۷۹ء)۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۸۲ء تک' ۳۵ سال کے عرصے میں بھارت میں کل ۱۵۵۲۳ مسلم کش فسادات ہوئے ہیں۔ ان میں مسلمان بچوں' بوڑھوں' عورتوں اور جوانوں کو انتہائی سنگدلی کے ساتھ جانوروں کی طرح ذبح کیا گیا' جن کی تفصیلات پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وقت کے حساب سے ۳۵ سال کے عرصہ میں اوسطاً ہر ۱۹ گھنٹہ بعد ایک مسلم کش فساد ہوا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو وکٹمز آف انڈین سیکولر ازم۔ لندن ۱۹۸۱ء) احمد آباد میں ۱۹۶۹ء کے فسادات کے دوران' بقول پروفیسر شانتی ماراؤ' چار ہزار مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔ (ایضاً) اس سے پہلے کے فسادات پر ایک تبصرہ یہ بھی موجود ہے کہ "احمد آباد میں جو کچھ ہوا' وہ عام نوعیت کے فسادات نہیں تھے۔ رانچی' روکیلا اور کلکتہ کے فسادات ان کی نسبت کچھ بھی نہیں ہیں۔ لوگوں کو زندہ جلایا گیا۔ فسادی یوں کرتے تھے کہ اقلیت (مسلمان) کے پورے محلّہ کو آگ لگا دیتے۔ جان بچانے کے لیے لوگ اپنے گھروں سے بے تحاشا بھاگ کر نکلتے تو ان کو دہکتی ہوئی آگ میں پھینک کر بھسم کر دیا جاتا۔ ایسے واقعات کرفیو ہی کے دوران پیش آتے۔ (گریش ماتھرپیٹریاٹ دلی مورخہ ۶۸۔ ۸۔ ۲۸ وکٹمز آف انڈین سیکولر ازم)

آسام میں ۱۴ فروری ۱۹۸۳ء کو چاول خانہ نائی گاؤں سے شروع ہونے والے فسادات "اس صدی کا سب سے بڑا قتل عام" شمار کئے جا سکتے ہیں۔ ان فسادات پر تبصرہ کرتے ہوئے شیکھر گپتا' انڈین ایکسپریس مورخہ ۸۳۔ ۳۔ ۱۴ میں لکھتے ہیں: "یہاں کچھ بھی نہیں بچا۔ صرف بھوکے گدھ ہیں' جن کے جھنڈ کے جھنڈ انسانی ڈھانچوں میں سے بچے کھچے گوشت کی بوٹیاں نوچ رہے ہیں"۔ (بحوالہ ایضاً) یہ بھارت کا حال ہے۔ ہمیں اس بات پر خوشی اور فخر ہے کہ یہاں غیر مسلم اقلیت کی کبھی (۱۹۴۷ء کے ایک معمولی واقعے کو

چھوڑ کر خود قائداعظمؒ نے اس کا نوٹس لیا تھا) کوئی نکسیر بھی نہیں پھوٹی۔ حالانکہ بھارت میں جب بابری مسجد کو شہید کیا گیا تو اس وقت بھی ہمارے عوام نے (معمولی ردعمل کو چھوڑ کر) صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا اور ہماری حکومت نے بھی حالات کو سنبھال لیا۔ اس وقت کشمیر میں کیا کچھ نہیں ہو رہا؟ کہاں ہیں ہمارے انسانی حقوق کے وہ نام نہاد علمبردار جو آج دہائی دے رہے ہیں کہ پاکستان میں اقلیتیں (عیسائی' قادیانی اور ہندو وغیرہ) غیر محفوظ ہیں؟ یہ سب کچھ ہمیں بدنام کرنے اور کشمیر میں مسلم اکثریت پر بھارتی فوج کے ڈھائے جانے والے مظالم سے دنیا کی توجہ ہٹانے کی ایک بھونڈی کوشش ہے۔ بڑے بڑے انگریزی اخبارات میں بڑے بڑے اشتہارات دے کر واویلا مچایا جا رہا ہے کہ پاکستان کی مسلم اکثریت بڑی ظالم ہے۔ پروپیگنڈا کے لیے اتنی ساری رقم کہاں سے آتی ہے؟

بھارت کی مسلم اقلیتوں کو معاشی طور پر بھی قتل کیا جا رہا ہے۔ صرف چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ ڈاکٹر ایم کے شاستری سنسکرت میں پی۔ ایچ ڈی ہیں' ملازمت کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے کے بعد بالآخر دلی کے شیوا جی کالج میں ان کو لیکچرار مقرر کیا گیا۔۔۔۔ اور پانچ ماہ کے بعد بغیر نوٹس کے ملازمت سے نکال دیئے گئے۔ وجہ صرف یہ تھی کہ کالج والوں پر منکشف ہوا کہ ایم کے شاستری حقیقتاً محمد خان درانی ہے اور کالج انتظامیہ کے نزدیک مسلمان ہونا شاید مہاپاپ تھا' محمد خان' سنسکرت میں phd تھا' اس لئے وہ اپنے نام کے ساتھ شاستری لکھ سکتا تھا ____ اور M.K اس کے اصل نام کا مخفف ہے۔ "وہ آج کل ایک ادارہ میں کلرکی کر رہا ہے....."

(Passive voices By K.L.Gauba) اور یہاں لیاقت میڈیکل کالج ہی کے ہسپتال میں کئی غیر مسلم ڈاکٹر ہیں۔ سندھ کے شہروں' قصبات اور دیہات میں ہندو اقلیت کی بڑی بڑی دکانیں' تجارتی کوٹھیاں اور بڑی بڑی زمینداریاں ہیں۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں' بلکہ خوشی اور فخر ہے کہ ہم بڑا ظرف رکھنے والی ایک اصیل قوم ہیں۔ لیکن بھارت میں صورت حال کیا ہے؟ ایک ہلکی سی جھلک پیش خدمت ہے:

ستر کی دہائی میں مرکزی حکومت کے دلی کے دفتروں میں سیکرٹریوں کی کل تعداد ۲۰ تھی جن میں مسلمان صرف ایک تھا۔ یعنی پانچ فی صد۔ ۲۴ ڈپٹی اسپیکر سیکرٹریوں میں سے ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔ مختلف شعبوں کے ۵۹ سربراہوں میں سے مسلمان صرف ایک تھا۔ ۳۶ نائب سربراہوں میں ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔ ۴۷۸ انڈر سیکرٹریز میں صرف دو مسلمان تھے۔ مختلف مناصب پر فائز ۲۲۸۸ افسران بالا میں مسلمان صرف ۲۰ تھے۔ (منارنیز:

کمیشن رپورٹ بحوالہ وکٹمز آف انڈین سیکولرزم)۔ مذکورہ رپورٹ کے بہت سے اعداد و شمار میرے سامنے ہیں جن میں سے یہ صرف نمونے کے طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ فوج اور بینکوں کی ملازمتوں میں مسلمانوں کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب ہے۔

ہم یہاں بینکوں کا مختصر حال بیان کرتے ہیں۔ انڈسٹریل اوورسیز بینک کے ۱۳ ڈائریکٹرز میں ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔ بینک آف مہاراشٹر ۲۸ میں کوئی مسلمان نہیں۔ اسی طرح انڈسٹریل بینک کے ۱۳ ڈائریکٹر' یونین بینک آف انڈیا کے ۱۴ ڈائریکٹر' سینٹرل بینک کے ۲۲' بینک آف انڈیا کے ۲۷' پنجاب بینک کے ۲۸ اور پنجاب اینڈ سندھ بینک کے ۱۳ ڈائریکٹروں میں سے ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔ (تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو وکٹمز آف انڈین سیکولرزم۔ لندن ۱۹۸۱ء پہلا ایڈیشن)

ان حالات میں ہم اگر اف بھی کرتے ہیں تو فوراً جواب ملتا ہے کہ "یہ بھارت کا اندرونی معاملہ ہے"۔ سوال یہ ہے کہ ہماری کوئی عدالت اگر کسی شاتم رسولؐ کو سزا دیتی ہے تو لاہور سے لندن تک آپ کیوں چیختے ہیں؟ یہاں تو آپ کو "انسانی حقوق" کا درد اٹھتا ہے (حالانکہ معاملہ عدالتی فیصلہ کا ہے) اور وہاں کے متعلق چپ سادھ لینا آپ کا معمول کیوں بن گیا ہے؟

شاتم رسولؐ کی سزا بالاتفاق قتل کر دینا ہے۔ صحابہ کرامؓ اور علمائے سلف و خلف کا اس پر اجماع ہے۔ ایسا فتویٰ سب سے پہلے ثانی اثنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین اور ختم نبوت کے منکرین سے زبردست جنگیں لڑیں اور ان کا مکمل خاتمہ کر دیا۔ اسی سلسلہ میں آپ نے مہاجرؓ بن ابی امیہ کو کندہ پہنچ کر باغیوں کی سرکوبی کا حکم دیا۔ مہاجر صنعاء (یمن) سے کندہ پہنچے اور تمام باغی قبائل کو اسلامی حکومت کے زیر نگیں کر دیا۔

کندہ ہی کا واقعہ ہے کہ وہاں دو گانے والیاں تھیں۔ ایک مغنیہ اپنے اشعار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیتی تھی اور دوسری مسلمانوں کی ہجو کرتی تھی۔ مہاجر نے دونوں کے ہاتھ کاٹ دیئے اور اگلے دانت نکلوا دیئے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے مہاجر کو خط لکھا کہ "تمہارا یہ فیصلہ غلط ہے۔ جو مغنیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھی' اسے قتل کرنا چاہئے تھا کیونکہ شتم انبیاءؑ (انبیاءؑ کو گالی بکنا) کی سزا دوسری سزاؤں سے مشابہ نہیں ہو سکتی اور دوسری مغنیہ' اگر وہ ذمی ہے تو اس سے درگزر کرنا مناسب تھا"۔ (بحوالہ ابوبکر صدیقؓ از محمد حسین ہیکل)

یہ فیصلہ ابوبکر صدیقؓ کا ہے' کسی میں اگر ہمت ہے تو اس فیصلہ پر "اظہار افسوس" کی جسارت کر دکھلائے تو مانیں۔ کوئی حقوق انسانی اور خواتین کے حقوق کا نام نہاد چیمپئن بن کر ذرا اس فیصلہ کی مذمت کرنے کی جرات تو کرے؟ یہاں کی ۹۶ فیصد مسلم آبادی اس کو دن میں تارے دکھا دے گی' خواہ وہ کتنے ہی اعلیٰ منصب پر فائز کیوں نہ ہو"۔

(ماہنامہ "فاران" کراچی' مارچ ۱۹۹۵ء)

قانون ناموس رسالتؐ..... تصویر کا دوسرا رخ

سید محمود احمد رضوی

"محترم ارشاد احمد حقانی نے روزنامہ "جنگ" کی اشاعت ۳۱ مئی ۱۹۹۵ء میں ناموس رسالتؐ کے قانون سے متعلق گفتگو فرمائی ہے۔ فقیر بھی اس مسئلہ سے متعلق چند گزارشات پیش کرنا اپنا دینی' ایمانی اور ملی فرض سمجھتا ہے۔

(۱) لکھتے ہیں کہ گستاخ رسولؐ کی سزا موت ہے یہ اسلامی قانون کا ایک محکم اصول ہے اور بشمول حکمران جماعت ملک کے ہر طبقے کا اس پر اتفاق ہے لیکن ملک میں اقلیتوں کی بڑی تعداد آباد ہے اور ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں کہ بعض لوگوں نے بدنیتی' ذاتی مخالفت اور بغض و عناد کی بنا پر کسی پر توہین رسالتؐ یا قرآن کی بے حرمتی کا الزام لگایا اور مناسب قانونی کارروائی کے بغیر ملزم کو انتہائی سزا دے دی گئی۔ سوال یہ ہے بدنیتی یا ذاتی مخالفت کی بناء پر الزام لگانے پر ملزم کو انتہائی سزا کس نے دی؟ اگر جذباتی عوام نے دی تو بلاشبہ اچھا نہیں کیا۔ شرعاً و اخلاقاً یہ ایک بھیانک جرم کے مرتکب ہوئے۔ ایسے افراد کو ان کے جرم کی حسب ضابطہ سزا ملنی چاہیے اور اگر یہ انتہائی سزا کسی عدالت کے جج نے دی تو یہ عدالت کا معاملہ ہے۔ عدالت کے فیصلہ کے خلاف اپیل ہو سکتی ہے۔

(۲) نیز یہ بھی امر واقعہ ہے کہ بدنیتی' ذاتی بغض و عناد کی بنا پر پورے ملک میں سینکڑوں سنگین سے سنگین جرم کے الزام لگائے جاتے ہیں مثلاً قتل' ہیروئن' اغواء' دہشت گردی وغیرہ کے حکومت بھی الزام لگاتی ہے اور ایف آئی آر بھی فوراً درج ہو جاتی ہے اور محض الزام کی بنیاد پر گرفتاری بھی ہو جاتی ہے اور جب یہ کہا جائے کہ الزام بدنیتی اور ذاتی مخالفت کی بناء پر لگایا گیا ہے تو جواب دیا جاتا ہے کہ انصاف کا دروازہ کھلا ہے عدالت میں اپنی بے گناہی ثابت کیجئے یا پھر ضمانت کے لیے عدالت سے رجوع کیجئے۔ اب عدالت کی مرضی ہے کہ وہ غور و فکر کے بعد ضمانت قبول کر لے یا نہ کرے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بدنیتی' ذاتی عداوت اور غلط الزام کی بنیاد پر ملک میں بہت سے بے گناہ افراد

پھانسی پا گئے۔ یا عمر قید کی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ حتی کہ بعض مظلوم خواتین کی جائیداد غصب کرنے کے لیے ان کے متعلق جنون کا پروانہ جاری کرا کر انہیں عمر بھر کے لیے پاگل خانہ کی اذیت سے دوچار کر دیا گیا تو جہاں تک ذاتی بغض و عناد اور غلط الزام لگانے کا تعلق ہے تو اس کا تعلق تو پاکستان کے ہر قانون کے ساتھ ہو سکتا ہے اور اس ظلم و ستم اور غلط الزام لگانے کا تعلق ہے تو اس کا تعلق تو پاکستان کے ہر قانون کے ساتھ ہو سکتا ہے اور اس ظلم و ستم اور غلط الزام لگانے کے سدباب کے لیے کسی مفکر، کسی دانشور نے آج تک یہ نہیں کہا، نہ یہ تجویز دی کہ کسی بھی شخص پر باقاعدہ الزام عائد کرنے سے پہلے کسی مجاز حاکم یا عدالت کے ذریعہ ابتدائی تحقیقات کا اہتمام کر لیا جائے۔ آخر کیوں؟ جبکہ ہمارے ملک میں تو محض قتل کے شبہ میں بھی ایف آئی آر میں نام درج ہو جاتا ہے۔ تو عرض یہ ہے الزام عائد کرنے سے پہلے حاکم مجاز کے ذریعہ تحقیق کرانے کا ترجیحی ضابطہ اللہ کے محبوب اور ساری کائنات کے مطلوب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہی کے جرم کے ساتھ کیوں خاص کیا جا رہا ہے۔ اگر ارباب اختیار اپنے موقف میں مخلص ہیں تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر جرم کے ارتکاب کے الزام پر یہی ضابطہ لاگو کیا جائے۔ خصوصاً ان جرائم کے لیے جن کی سزا موت ہے۔

(۳) یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ محض الزام لگانے سے خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا۔ کوئی شخص شرعاً و اخلاقاً و قانوناً مجرم قرار نہیں پاتا اور نہ محض الزام لگ جانے کی بنیاد پر اس کو سزا دی جا سکتی ہے۔ شریعت اسلامیہ نے مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ نہ جھوٹا الزام لگائیں نہ جھوٹا دعویٰ کریں ایسا کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے مگر بااین ہمہ شریعت اسلامیہ نے کسی کو کسی پر الزام لگانے یا دعویٰ کرنے سے روکنے کا قانون نہیں بنایا اور دنیا کے کسی بھی ملک میں ایسا قانون نہیں ہے کیونکہ ایسا قانون، انصاف و دیانت اور حقوق انسانیت کے خلاف ہے۔ ہر شخص کو یہ حق ہے کہ جس بات کو وہ صحیح سمجھتا ہے یا وہ صحیح ہے اس کے متعلق دعویٰ کرے، الزام لگائے جب معاملہ عدالت میں جائے تو یہ عدالت کا کام ہے کہ وہ اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کرے۔

(۴) یہ کہنا کہ کسی شخص پر توہین رسالتؐ کے ارتکاب کا باقاعدہ الزام عائد کرنے سے پہلے کسی حاکم مجاز یا جج سے ابتدائی تحقیقات کا اہتمام کر لینا اسلام کے مقدس اصول کی پابندی کا ہم معنی ہے۔ ہماری ناقص رائے میں صرف باقاعدہ الزام عائد کرنے سے پہلے کسی حاکم مجاز یا جج سے تحقیق کرانے کی شرط اول تو کسی آیت یا حدیث یا فقہ کے کسی جزیہ

کا مفاد نہیں ہے۔ اگر کسی کے علم میں کوئی دلیل شرعی ہو تو پھر بات ہو سکتی ہے۔ نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ باقاعدہ الزام عائد کر دینے سے کوئی مجرم نہیں ہو جاتا۔ مدعی جو دعویٰ کرتا ہے یا الزام لگاتا ہے دعویٰ اور الزام کی حد تک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ہاں دعویٰ یا الزام کی حیثیت اس وقت واضح ہوتی ہے جبکہ وہ جج تحقیق کرے جس کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا ہے اسلامی قانون کے مطابق مدعی کو اپنے دعویٰ یا الزام کے ثبوت کے لیے جو دو معتبر گواہ پیش کرنے ہوتے ہیں اور جج ان گواہوں اور حقائق و شواہد کی روشنی میں مقدمہ کا فیصلہ کرتا ہے' اس لیے محض باقاعدہ الزام عائد کرنے سے قبل کسی حاکم مجاز یا جج سے ابتدائی تحقیقات کی شرط بالکل بے معنی اور بیکار ہے۔ عام خیال یہ ہے اور واقعات و حالات سے بھی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ ابتدائی تحقیق کرانے کی شرط غلط فکر کی آئینہ دار ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی توہین رسالتؐ کا مقدمہ آئے تو ابتدائی تحقیق ہی میں یہ کہہ کر اس کو ختم کر دیا جائے کہ واضح ثبوت نہ ہونے کی بنا پر یہ مقدمہ قابل سماعت ہی نہیں ہے اور اس طرح اہل ایمان کو اس بہانہ سے کسی حد تک مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے اور گستاخ رسولؐ کو کھلی چھٹی دے دی جائے۔ واللہ اعلم

(۵) کتاب و سنت کا حکم یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کے خلاف کوئی الزام قطعی طور پر درست ثابت نہ ہو جائے' اسے مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ حق و صواب ہے۔ کسی مسلمان کو اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ الزام کے درست یا نا درست ہونے کا فیصلہ تو عدالت مجاز ہی کرے گی مگر حکومت کی مجوزہ ترمیم کا مفاد یہ ہے کہ مقدمہ عدالت عالیہ میں جانے سے قبل حاکم مجاز یا جج سے ابتدائی تحقیق کرائی جائے۔ کیا دنیا میں اور پاکستان میں کسی بھی مقدمہ کے متعلق یہ طریق کار اپنایا گیا ہے یا اپنانے کی تجویز ہے اگر نہیں تو صرف توہین رسالت کے جرم میں ابتدائی تحقیق کرانے کی پابندی' عدل و انصاف کے خون کرنے کے مترادف نہیں ہے؟

(۶) اس مضمون میں یہ لکھا گیا ہے کہ توہین رسالتؐ کی سزا موت ہے حکومت اس میں تبدیلی نہیں چاہتی حکومت صرف یہ چاہتی ہے کہ کسی شخص کو مجرم قرار دینے کے لیے ایسا طریق کار وضع کیا جائے جو ہر قسم کی غلطی کے امکان اور اندیشہ کا ازالہ کر سکے۔ حکومت نے اس کا طریق کار یہ مقرر کرنا تجویز کیا ہے کہ ابتدائی تحقیق کسی افسر مجاز یا جج سے کرائی جائے تو ابتدائی تحقیق کے بعد حاکم مجاز یا جج یہ ہی تو بتائے گا کہ الزام درست ہے' اس کی ایف آئی آر درج کی جائے اور ملزم کو گرفتار کیا جائے۔ کیا جج کی تحقیق کے

بعد پولیس کا تفتیش و تحقیق کرنا مضحکہ خیز نہیں ہے؟ جج یا حاکم مجاز ابتدائی تحقیق ہر قسم کی غلطی کے امکان اور اندیشہ سے پاک ہے تو جرم ثابت ہو گیا۔ ایسی صورت میں افسر مجاز یا جج ہی کو سزا سنا دینی چاہیے۔ عدالت عالیہ میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

(روزنامہ "جنگ" لاہور ۱۵ جون ۱۹۹۵ء)

توہین رسالتؐ اور اہل مغرب کا منافقانہ رویہ

پروفیسر سید محمد سلیم

مغرب جو نصف صدی پہلے مساوات انسانی کا قائل ہوا' وہ آج اسلام پر اعتراض کرتا ہے جو ڈیڑھ ہزار سال سے مساوات انسانی کی عملاً اشاعت کر رہا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا مرتکب ہوتا ہے تو مغرب اس کو عزاہم قرار دیتا ہے۔ بلکہ اس دریدہ دہن شخص کو اخبارات میں اچھالتے ہیں۔

دنیا میں سینکڑوں ریاستیں قائم ہیں۔ ان میں مغرب کا تجویز کردہ یہ قانون نافذ ہے کہ صدر مملکت اور وزیراعظم کسی مقدمہ کے سلسلہ میں کسی عدالت میں حاضر ہونے سے مستثنیٰ ہیں گویا وہ عام انسانوں سے برتر ہیں۔ انگلستان کے قانون میں تو بادشاہ کے لیے تحریر ہے۔

"بادشاہ سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوتا" گویا ریاستوں کے صدر اور وزراء عام انسانوں سے مافوق ہیں' ان کے لیے عام ملکی قانون میں استثنیٰ ہے۔ کیا حقوق انسانی میں یہ صریح رخنہ نہیں ہے؟ کیا کسی شخص کو حقوق انسانی کی خلاف ورزی نظر نہیں آتی۔ کسی حقوق انسانی کے علمبردار کے دل میں کوئی خلش پیدا نہیں ہوئی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ارب ۴۰ کروڑ انسانوں کے ہادی اور رہنما ہیں ساحل اوقیانوس سے لے کر بحرالکاہل تک ۶۰ مسلمان ملکوں میں ان کا عطا کردہ قانون شریعت نافذ ہے۔ ایسی مقدس اور محترم ہستی کے متعلق اہل مغرب کہتے ہیں کوئی بھی عامی ان کی شان میں توہین آمیز الفاظ کہہ سکتا ہے اور ایک ارب انسانوں کی دل آزاری کر سکتا ہے۔

(ماہنامہ "افکار معلم" لاہور جون ۱۹۹۵ء)

قانون توہین رسالتؐ...... معذرت خواہانہ رویہ کیوں؟

نسیم شاہد

"امریکہ کو مطلوب رمزی یوسف کی گرفتاری کے ساتھ ہی مغربی میڈیا نے ایک بار پھر بنیاد پرستی کا نام لے کر مسلمانوں کے خلاف منفی پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے۔ مثلاً امریکی جریدے "ٹائم" نے رمزی یوسف کی گرفتاری کے بارے میں تفصیلات شائع کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے اسلام آباد یونیورسٹی کے طالبعلموں سے رابطے تھے جو اپنی بنیاد پرستانہ فضا کی وجہ سے مشہور ہے۔ "ٹائم" نے جس انداز سے اس بات کو نمایاں کیا ہے' وہ واضح طور پر اس بات کی چغلی کھاتی ہے کہ یہودی اور امریکی میڈیا کے نزدیک دہشت گردی میں ملوث ہر شخص بنیاد پرست مسلمان ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا زہریلا اور متعصبانہ پروپیگنڈہ ہے کہ جس کی ہر سطح پر اسلامی ممالک کی طرف سے مذمت کی جانی چاہیے۔

یہ حقیقت اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کا بنیادی ہدف اب ملت اسلامیہ ہے' پورے مغربی' امریکی اور یہودی میڈیا پر صرف اسلام کا خوف مسلط ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کمیونسٹ بلاک کی کمر توڑنے کے بعد اب دنیا میں صرف دو ہی بلاک باقی بچے ہیں۔ ایک اسلامی اور دوسرا غیر اسلامی بلاک۔ امریکہ کی حتی الامکان کوشش اب یہ ہے کہ اسلامی بلاک کو بے دست و پا کیا جائے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ اسلامی دنیا کو اقتصادی لحاظ سے زیر دام لانا چاہتا ہے' وہ تو پہلے ہی اپنے حکمرانوں کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے امریکہ کے زیر نگیں آ چکی ہے۔ امریکہ کا اصل مسئلہ اسلامی روح اور اسلامی تحریکوں کا خاتمہ ہے کیونکہ یہ بات اسے بھی معلوم ہے کہ مومن بے تیغ بھی لڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ اسلامی ممالک میں ایک سیکولر نظام زندگی چاہتا ہے جس میں افراد روح کی بجائے جسم کے غلام بن کر زندگی گزاریں۔ اس مقصد کے لیے اسلامی بنیاد پرستی کی گمراہ کن اصطلاح استعمال کر کے امریکہ اور اس کے حواری اسلام کو ایک ایسا مذہب بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں جو مذہبی جنونیت اور دہشت گردی کو

جنم دیتا ہے۔ امریکہ ملت اسلامیہ کو' اس کی بنیاد سے دور کرنا چاہتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک یہی ایک راستہ ہے جس کے ذریعے وہ مسلمانوں کو جسمانی کے ساتھ ساتھ ذہنی غلام بھی بنا سکتا ہے۔ امریکہ کے نزدیک ایک آئیڈیل اسلامی معاشرہ ترکی سے ملتا جلتا ہے جہاں مذہب کو ثانوی حیثیت حاصل ہے اور وہاں سیکولرازم کی چھتری تلے اسلامی روح ناپید ہوتی جا رہی ہے۔

اگر تمام مسلمان ممالک اس قسم کی دنیاوی ترقی کی خواہش کریں تو امریکہ یقیناً پوری شد و مد سے ان کی مدد و اعانت پر کمربستہ ہو جائے لیکن چونکہ مسلمان کا کام صرف دو وقت کی اچھی روٹی کا حصول ہی نہیں بلکہ غلبہ اسلام کے لیے جدوجہد کرنا بھی اس کا فریضہ ہے۔ اس لیے اسلامی دنیا میں بسنے والے کروڑوں مسلمان اپنے اندر دین سے فطری اور دلی لگاؤ رکھتے ہیں۔ یہ فطری اور دلی لگاؤ ہی امریکہ کا اصل ہدف ہے اور اس کو بنیاد پرستی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہاں ایک اور نکتہ بھی بطور خاص اجاگر کرنا ضروری ہے کہ خود مغربی اور امریکی معاشروں میں بھی بنیاد پرستی یعنی عیسائیت اور یہودیت سے دلی وابستگی موجود ہے۔ چرچ کی اہمیت سے نہ جان میجر انکار کر سکتے ہیں اور نہ کلنٹن' پوپ کا مقام و مرتبہ آج بھی سربراہان مملکت سے زیادہ ہے لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ اس عیسائیت زدہ بنیاد پرستی کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھاتا اور نہ ہی اسے کچلنے کے لیے کوئی کارروائی ہوتی ہے' بلکہ صدر کلنٹن بڑے فخر سے یہ بیان دیتے ہیں کہ انہوں نے گناہ آلود زندگی سے توبہ کرکے مذہب میں پناہ لے لی ہے اور اب ان کی زندگی بہت پرسکون ہو گئی ہے۔

ایک طرف امریکی صدر کے منہ سے مذہب کی حمایت میں نکلنے والے الفاظ فخر کی علامت بن جاتے ہیں لیکن دوسری طرف ہمارے ارباب اختیار مذہب کے نام پر معذرت خواہانہ طرز عمل اختیار کرتے ہیں کیونکہ وہ اسی امریکی پروپیگنڈے سے متاثر ہیں جس کے ذریعے مذہبی وابستگی کو بنیاد پرستی کا نام دے کر ایک منفی عمل ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ معذرت خواہانہ رویہ قانون تحفظ رسالتؐ کے سلسلے میں بھی اختیار کیا جا رہا ہے اور ارباب اختیار مذہب یہ کہہ کر جان چھڑا رہے ہیں کہ یہ قانون انہوں نے نہیں بنایا' یہ سب کچھ امریکہ کے خوف کی وجہ سے کیا جا رہا ہے حالانکہ مسلمان کے لیے خدا کے سوا کسی کا خوف ایک شرک کی حیثیت رکھتا ہے اور ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ناموس رسالتؐ کا تحفظ کرکے ہم خدا کے جس غضب کو آواز دے رہے ہیں وہ کچھ جلا کر راکھ کر سکتا ہے۔

یہ ایک سوچی سمجھی سازش ہے کہ ناموس رسالتؐ کے قانون کو انسانی حقوق کا متضاد بنا کر پیش کیا جا رہا ہے حالانکہ اس قانون کے ذریعے انسانی حقوق کو یقینی بنایا گیا ہے کیونکہ کسی کے مذہبی جذبات کا احترام بھی انسانی حقوق کے زمرے ہی میں آتا ہے' البتہ اس سلسلے میں ذیلی قوانین بنائے جا سکتے ہیں تاکہ اس قانون کو غلط انداز میں استعمال نہ کیا جا سکے' اسے ہم قومی بدقسمتی ہی کہیں گے کہ ہماری مذہبی جماعتیں فرقہ داریت میں الجھ کر اسلام دشمن طاقتوں کو مسلمانوں کے خلاف منفی پروپیگنڈے کا موقع دے رہی ہیں اور مغرب کی طرف سے بنیاد پرستی کو مذہبی جنونیت کے مترادف قرار دیا جا رہا ہے حالانکہ بنیاد پرستی ایک قابل فخر رویہ ہے کیونکہ جس قوم کی نظریاتی بنیاد ہی کمزور ہو' وہ اپنی سلامتی اور تشخص کو کیسے یقینی بنا سکتی ہے؟"

(روزنامہ "خبریں" لاہور ۲۰ فروری ۱۹۹۵ء)

توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے.....؟

ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ

توہین رسالتؐ ثابت ہو جائے تو سزا موت ہے' تاہم اسے ثابت کرنا ایک کام ہے جو عدالت کو کرنے دینا چاہیے' کسی کو کسی صورت میں عدالتی عمل پر اثرانداز ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی' خواہ وہ ملک کی کتنی بڑی موثر شخصیت کیوں نہ ہو۔ جہاں تک یہ معاملہ ہے کہ توہین رسالتؐ کی کوئی تعریف آئین میں نہیں کی گئی ہے تو اس ضمن میں یہ کہوں گا کہ توہین رسالتؐ کی تعریف کی ہی نہیں جا سکتی۔ یہ نامعقول بات ہے۔ آپ جو کوئی ہیں' سامنے ہیں' یہ حقیقت ہے' اس کی اس سے جامع تعریف نہیں ہو سکی۔ اگر کسی کو اس کی تعریف کرنا ہے تو وہ معاملہ کو الجھانے کے مترادف ہے۔

ہماری عدلیہ کی تاریخ میں جسٹس منیر(ر) وہ شخص تھا جس نے قادیانی کیس کو سب سے زیادہ الجھانے کی کوشش کی۔ وہ ہر عالم دین سے جو عدالت میں گواہی کے لیے یا بیان ریکارڈ کروانے کے لیے آتا' پوچھتا' مسلمان کی تعریف بتاؤ' اب مسلمان کی تعریف کیسے ہو سکتی ہے' سوائے کلمہ طیبہ پر ایمان لانے کے' اس سے بڑی واہیات بات کیا ہو گی۔ اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ یہ جسٹس منیر کی کوشش تھی کہ ۱۹۷۴ء تک مقدمہ سدھر ہی نہ سکا۔ اب جو لوگ توہین رسالتؐ کی تعریف کرنے کی بات کرتے ہیں' وہ بھی ویسی ہی حرکت کر رہے ہیں اور اس مقدمہ کو خواہ مخواہ الجھانا چاہتے ہیں۔ توہین رسالتؐ تو بس توہین ہے' کوئی بھی اتنا احمق نہیں ہے کہ اسے یہ نہ علم ہو کہ یہ الفاظ آقائے سرور کی شان میں گستاخی ہیں یا نہیں۔ مجھے اس قانون میں کوئی قید نظر نہیں آتی۔ ذہنوں کو الجھانے کی کوشش ہے جو مخصوص طبقہ کی طرف سے چلائی جا رہی ہیں' اگر حکومت سمجھتی ہے کہ اس میں کوئی قید ہے تو وہ اس معاملہ کو پہلے علمائے دین کے سامنے رکھے اور انہیں اس پر غور کی دعوت دے۔ ''ان لوگوں'' کو اس کے بارے میں کیا پتہ مگر چونکہ ملک میں جمہوریت ہے اور ملکی قانون بننے کے لیے ضروری ہے کہ اسے پارلیمنٹ کی منظوری حاصل ہو تو بے

شک اسے پارلیمنٹ میں لے جائیں۔ مگر پہلے اسے علمائے کرام سے رائے لے لینی چاہیے۔ امریکہ اور اس کے حواری مغربی ممالک کے پیٹ میں اس کیس کے حوالہ سے جو مروڑ اٹھ رہے ہیں وہ بے معنی ہیں' ان کا اپنا ریکارڈ' انسانی حقوق کے حوالے سے صاف نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے حالیہ اقدام میں ڈیوڈ کے ساتھ کیا کیا ہے۔ اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کے اندر عیسیٰؑ کی روح حلول کر گئی ہے۔ امریکی حکومت نے اسے کسی بھی عدالت میں کسی بھی فورم میں صفائی کا موقع دیئے بغیر اس کے خلاف فوجی آپریشن کیا اور اس کے "معبد" کو آگ لگا دی۔ اس آگ میں اس کے ۳۰۰ سے زائد افراد جل بسے۔ ان ۳۰۰ افراد میں اس کے باورچی' چوکیدار' مالی اور معصوم بچے بھی شامل تھے جو اس کے نظریات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ مگر انسانی حقوق کے اس چیمپئن نے اتنا بڑا ایکشن کیا اور اس پر کسی کو ایک حرف کہنے کی بھی جسارت نہ ہوئی۔ ایسی صورت میں تو وہ ہم سے بھی زیادہ (Fundamentalist) بنیاد پرست ہوئے۔

مسلم بنیاد پرست نہیں ہوتا' وہ صرف مسلمان ہوتا ہے۔ یہ دراصل انہی کا نظریہ ہے جو انہوں نے ہم پر تھوپ دیا ہے۔ یہ ۱۹۲۰ء کی تحریک تھی جو عیسائیت کے بنیادی نظریات کی حفاظت کے لیے شروع کی گئی۔ ان کا ایک فرقہ تھا جو اس کے پیچھے تھا' انہیں خطرہ تھا کہ عیسائیت اور جدید علوم ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ اس لیے انہوں نے مذہب کو بچانے کے لیے تحریک چلائی۔ ہمارے ملک میں رول آف لاء کی یہ حد ہے کہ ان ملزموں کو باقاعدہ عدالت میں لایا گیا' انہیں صفائی کا موقع دیا گیا' ڈیوڈ کی طرح صفائی کا موقع دیئے بغیر زندہ نہیں جلایا گیا۔ ہمارے ہاں چونکہ قانون موجود تھا اور یہ قانون ہی دراصل ان کی حفاظت کا ضامن ہے۔ ہمارے ہاں تو ان کے حقوق زیادہ محفوظ ہیں' ان کے لیے تعلیمی اداروں میں داخلہ کے کوٹے مخصوص ہیں' ان کو بیرون ملک تو اپنی جگہ' اندرون ملک وظائف دیے جاتے ہیں۔ متروکہ وقف املاک بورڈ ان کو وظائف مہیا کرتا ہے۔ اسلامی مملکت کی حد میں عیسائی اقلیت یا کوئی دوسری اقلیت اس قسم کی حرکت نہیں کرتی تھی۔ یہ باتیں موجودہ دور کی پیداوار ہیں۔ یہ لوگ آپے سے باہر ہو رہے ہیں۔ انہیں باز رکھنا چاہیے کہ اگر توہین رسالتؐ کا قانون ختم ہوا تو پھر یہ عدالت میں نہیں' قبرستان میں جایا کریں گے۔

(روزنامہ "خبریں" لاہور ۲۸ فروری ۹۵ء)

مسیحی بھائیوں کی طرح
مسلم بھائیوں کو بھی مذمت کرنی چاہیے

ابو نثر

"ہم دیکھ تو نہیں سکے--- اور بھلا ہی ہوا کہ دیکھ نہیں سکے--- مگر اخبارات میں مسیحی بھائیوں کے ایک احتجاجی بیان کی اشاعت سے معلوم ہوا کہ

"۱۳ مئی ۱۹۹۶ء کو شالیمار ٹیلی ویژن نیٹ ورک (STN) سے ایک اشتہاری فلم دکھائی گئی' جس میں ایک ماڈل گرل کو نازیبا لباس پہنے ہوئے بدنام زمانہ میڈونا کے ایک ناشائستہ گانے کی دھن پر رقص کرتے ہوئے ہولی ٹرنٹی چرچ سے نکلتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ مسیحی بھائیوں نے اپنی عبادت گاہ کی اس توہین پر شدید غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے زبردست احتجاج کیا۔"

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے (اب تک) واحد پرائیویٹ ٹی وی چینل سے پروگرام "پام آلیو فیش وژن" میں ایک مسیحی عبادت گاہ کو بیہودگی اور ناچ گانے کا منبع دکھانے کی اشتعال انگیز اور گھناؤنی حرکت پر مسیحی بھائیوں کے ساتھ ساتھ تمام مسلم عبادت گزاروں کو بھی سخت اور شدید احتجاج کرنا چاہیے۔

کلیسا' صوامع اور مساجد سب کی بنیاد اللہ کی عبادت ہی پر رکھی گئی ہے۔ اہل کتاب کے مابین بنیادی عقائد کا اختلاف تو موجود ہے' اس بات پر شدید اختلاف ہے کہ ان عبادت گاہوں میں ایک اکیلے اللہ کے سوا کسی کی بھی پوجا اور پرستش نہ کی جائے۔ خواہ وہ اللہ کا کیسا ہی برگزیدہ بندہ اور اللہ کی کیسی ہی پاک بندی کیوں نہ ہو--- ہم مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق--- اور خود بعض مسیحی بھائیوں کے اعتراف کے مطابق بھی--- سیدنا مسیح علیہ السلام اور بی بی مریم علیہا السلام نے بھی نہ صرف خود ایک اللہ کی بندگی اختیار کی بلکہ اپنے پیروکاروں اور نام لیواؤں کو

بھی اپنے خداوند ایک خدا کے سوا کسی کی بھی پرستش نہ کرنے کی ہدایت کی---
گویا بنیادی طور پر کلیسا کی بنیاد بھی اللہ کی عبادت کے لیے رکھی گئی تھی' فرق اب یہ ہے کہ مساجد کے اندر انبیائے کرام اور اولیاء اللہ تک کی پوجا پاٹھ "صریحاً شرک" ہے اور کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ جبکہ ہمارے مسیحی بھائیوں کو اس "شرک" میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا۔ وہ "باپ' بیٹا اور روح القدس" تینوں کو "ایک" گردانتے ہیں اور "حق عبادت" میں شریک جانتے ہیں--- ہمارا اور ان کا یہ اختلاف ڈیڑھ ہزار برس سے قائم ہے اور قائم رہے گا۔

اس اختلاف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسیحی بھائیوں کو "اقلیت" میں پاکر' جس کا جی چاہے' ان کی عبادت گاہوں کی اہانت کے درپے ہو جائے اور ہم محض اس وجہ سے خاموش بیٹھے رہیں کہ یہ توہین' یہ اہانت یا یہ بے ادبی ہماری عبادت گاہ کی نہیں کی گئی۔ اس کے برعکس یہ ہمارا دینی فریضہ ہے کہ ہم غیر مسلموں اور بالخصوص اہل کتاب بھائیوں کے "حق عبادت" کی حفاظت کریں اور ان کی عبادت گاہوں کو بے حرمتی سے بچائیں۔ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسجد نبویؐ کے ایک گوشے میں نجران کے مسیحیوں کو اپنے طریقے پر (جو یقیناً اسلام سے مختلف طریقہ تھا) عبادت کرنے کا موقع فراہم فرمایا تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یروشلم کے ایک کلیسا میں محض اس وجہ سے نماز ادا کرنے کی پیشکش اور مشورے کو رد فرمایا کہ کہیں مسلمان اس عبادت گاہ پر اپنا حق نہ جتانے لگیں اور اسے "مسجد" میں تبدیل نہ کرڈالیں۔ ایسی متعدد مثالیں ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ غیر مسلموں کے "حق عبادت" کا اور ان کی "عبادت گاہوں" کا تحفظ مسلمانوں کا دینی اور مذہبی شعار ہے۔ اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کسی نے نہیں کی۔

جو لوگ دین و عقائد کو نجی معاملہ سمجھتے ہیں اور مذہب کو اجتماعی زندگی سے خارج رکھنے کے قائل اور وکیل ہوتے ہیں' ان کے اندر کسی قسم کا کوئی اخلاقی ضابطہ اور کوئی شرم و حیا نہیں ہوتی۔ ہو بھی کیسے؟ جب وہ اجتماعی امور میں کسی

گرفت' کسی نگران' کسی جوابدہی' کسی مواخذہ' کسی عقیدہ کے نفاذ اور کسی ایمان پر عمل پیرا ہونے کے قائل ہی نہیں۔ نتیجہ یہ کہ وہ جو چاہے کرتے پھریں۔ انہیں ڈر صرف اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں کوئی ان کی اس حرکت کے سبب مشتعل ہو کر خود ان کے کسی نقصان کا باعث نہ بن جائے۔ ورنہ اگر ان کو یہ ڈر بھی نہ ہو تو ان کے اندر سے اٹھنے والی کوئی صدا ایسی نہیں ہوتی جو انہیں کسی مذموم حرکت سے باز رکھے۔ جن ممالک میں دین اور مذہب قطعاً" نجی معاملہ ہے' وہاں ایسی حرکات عام ہیں۔

چند برس پہلے کی بات ہے کہ بی بی سی ٹیلی ویژن سے سیدنا عیسیٰؑ مسیح علیہ السلام کی "جنسی زندگی" کے موضوع پر ایک بیہودہ فلم دکھائی گئی۔ دنیا نے حیرت سے دیکھا کہ اس فلم کی نشر و اشاعت پر پورے برطانیہ میں سے صرف "مسلم کمیونٹی" نے احتجاج کیا اور ایسا زبردست احتجاج کیا کہ نہ صرف اس فلم کی مزید نشر و اشاعت روکنی پڑی بلکہ اس حرکت کے ذمہ داروں کو اپنے "مسلم ناظرین" سے معافی بھی مانگنی پڑی۔ مسلمان اللہ کے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کی توہین برداشت نہیں کرسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے پر' سب و شتم کرنے پر یا آپ ﷺ کی نسبت سے کسی بھی نازیبا معاملہ کے مرتکب کو (اپنی جان دے کر بھی) جیتا چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔ واضح رہے کہ مسلمانوں کا یہ رویہ صرف "گالی دینے والوں" کے ساتھ ہے۔ ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپؐ کی تعلیمات سے محض اختلاف پر مبنی اظہار خیال کرنے والوں سے ہر دور کے مسلمانوں کا رویہ یہ رہا ہے کہ دلائل و شواہد کی مدد سے ان کے خیالات کی تردید کی گئی ہے اور ان کی تحریفوں کا بہترین جواب بھی تحریروں ہی سے دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کا--- ہر دور کا--- لٹریچر ایسی " جوابی تحریروں" سے بھرا پڑا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ آخر وہ لوگ' وہ عناصر اور وہ قوتیں جو محسن انسانیت اور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) "گالی دینے" کا حق حاصل کرنے کے لیے ہم سے "قانون توہین رسالتؐ" کا خاتمہ کرنے کا

مطالبہ کرتی ہیں' وہ کس قدر گھٹیا اور پست ذہنی ذلالت کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ انہیں "منشور حقوق انسانی" کا محافظ تو کجا "شرف انسانی" کا حامل کہنا بھی توہین انسانی ہے۔ ان کی اس وکالت میں یہ تہمت پوشیدہ ہے کہ صرف "مسیحی" برادری نبی پاکؐ کو "گالی" دینے کا حق چاہتی ہے۔

ہمیں توقع ہے کہ ہمارے مسیحی بھائی بھی دینی اور اخلاقی اقدار کے تحفظ کے لیے' عریانی' فحاشی اور بیہودگی کے کلچر کے خاتمہ کے لیے اور آسمانی و الہامی ہدایات' تعلیمات اور عقائد کو معاشرے میں رائج اور نافذ کرنے کے لیے ان تمام کاموں میں اپنے مسلم بھائیوں کے شانہ بشانہ جدوجہد کریں گے اور مسلمانوں کی دینی تحریکوں کا ساتھ دیں گے' کیونکہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کا کام کرنے والے ہی دوسرے ادیان کا احترام کرنے کے بھی پابند ہوتے ہیں۔"

(جسارت' فرائیڈے اسپیشل ۳۱ مئی تا ۶ جون ۱۹۹۶ء)

برطانیہ بھی دفعہ 295 سی کے خلاف میدان میں کود گیا

حشمت حبیب ایڈووکیٹ

"غازی علم الدین شہید" ناموس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوا اور ایک صدی پر پھیلی ہوئی تاریخ شاہد ہے کہ آتش نمرود میں بے خطر کودنے والے عشق کو شہید کہلوانے کے لیے کسی سرکاری سرپرستی کی ضرورت نہیں تھی اور وہ عاشقان رسول کے دلوں پر حکمران ہوا۔ جب بھی سرفروشان ناموس رسول پاک" کا ذکر آئے گا' بات اس عظیم مجاہد کے بغیر مکمل نہیں ہوگی۔ آج بھی اس خطہ پاک میں ایک گہری سازش کے تحت سو سالہ جدوجہد کے نتیجہ میں احکام الٰہی کی روشنی میں شاتم رسول کے خلاف جو قانونی سزا کو تعزیرات پاکستان کا حصہ بنایا گیا ہے' اسے بے اثر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حقوق انسانی کی آڑ میں مسلمانوں کے ایمان کے بنیادی جزو کو ختم کرنے کی اس سازش کی ایک کڑی دفعہ ۲۹۵ سی تعزیرات پاکستان کو ختم یا بے اثر کرنے کی ہے۔ پورے ملک میں ہر وہ شخص جو بنیادی حقوق کے اسلامی تصور سے بھی ناواقف ہے' اپنے نام نہاد اداروں کے وسائل کے ساتھ شور مچا رہا ہے کہ یہ دفعہ اقلیتوں کے حقوق کی نفی کرتی ہے لہٰذا اسے ختم کیا جائے اور ایک طبقہ بڑی معصومیت کے ساتھ اس میں ترمیم کرنے کا کہہ رہا ہے کیونکہ سازشی ٹولہ یہ جانتا ہے کہ اس طرح عملاً یہ دفعہ بے اثر ہو جائے گی۔

قتل ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ اس کی مذمت کرنا ہم سب پر لازم ہے لیکن جب قاتل پھانسی چڑھتا ہے تو وہ اپنے جرم کی سزا پاتا ہے۔ اس لیے ہر قتل کی تفتیش کے دوران یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس قتل کا فائدہ کس کو پہنچا اور پھر تفتیش کی تکمیل آسان ہو جاتی ہے۔ اس طرح سازش کے تحت کیے جانے والے قتل سازش کی نذر ہو جاتے ہیں اور لوگوں کے ذہنوں میں وسوسے چھوڑ جاتے ہیں لہٰذا دفعہ ۲۹۵ سی کو ختم کرنے یا اس میں ترمیم کر کے ریاستی جبر کے تحت سازش کا مفاد کون حاصل کرے گا' یہ جاننے کے لیے ہمیں

دیکھنا ہے کہ دفعہ ۲۹۵ سی تعزیرات پاکستان کیا ہے؟

دفعہ ۲۹۵ سی---- مذہب سے متعلق جرائم کے سدباب کے لیے ۱۹۸۶ء میں اس دفعہ کا اطلاق ہوا تاکہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف توہین آمیز کلمات کہنے والوں کی سرکوبی ہوسکے۔ اس دفعہ کے تحت سزا کا تعین کیا گیا ہے یعنی جو کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس نام کی الفاظ سے' چاہے زبانی ہوں یا تحریری یا ظاہری اشاروں یا الہام' طعن زنی یا درپردہ تعریض سے' بلاواسطہ یا بالواسطہ بے حرمتی کرے' اسے سزائے موت یا عمرقید جرمانے کی سزا دی جائے گی۔ اس قانون کے اطلاق کے بعد قرآن اور سنت کی روشنی میں پرکھا گیا تو پتہ چلا کہ ایسے جرم کی سزا کا تعین تو قرآن اور سنت کے تحت پہلے سے ہے اور یہ حد کے زمرے میں آتا ہے لہٰذا قرآن اور سنت کی رو سے اس جرم کی کم سے کم سزا موت ہوسکتی ہے۔ اس فیصلے کے لیے وفاقی شرعی عدالت سے رجوع کیا گیا۔ اس وقت کے چیف جسٹس جناب گل محمد کی سربراہی میں فل بنچ نے ۳۰ر اکتوبر ۱۹۹۰ء کو ایک تفصیلی فیصلے میں یہ حکم دیا کہ دفعہ ۲۹۵ سی میں عمرقید کی متبادل سزا کی گنجائش قرآن اور سنت میں دیے گئے احکام اسلام سے متصادم ہے۔ لہٰذا اس دفعہ میں سے عمرقید کے الفاظ نکال دیے جائیں۔ اگر حکومت نے ۳۰ر اپریل ۱۹۹۱ء تک ایسا نہیں کیا تو ہر عمرقید کے الفاظ خودبخود بے اثر ہو جائیں گے۔ یہ مشہور مقدمہ محمد اسماعیل قریشی بنام پاکستان کے نام سے مشعل راہ بنا کیونکہ عدالت نے حکومت کو یہ ہدایت بھی دی کہ عملاً تمام فقہائے کرام اور اسکالر اس بات سے متفق ہیں کہ تمام نبیوں کا مقام اور رتبہ یکساں ہے' اس لیے ان کے خلاف توہین آمیز الفاظ کہنے پر بھی یہی سزا دی جانی چاہیے' لہٰذا دفعہ ۲۹۵ سی میں ایک شق کا اضافہ کر کے دوسرے تمام نبیوں کی شان میں گستاخی کے مرتکبین کے لیے یہی سزا یعنی موت مقرر کی جائے۔ اس فیصلے کے خلاف حکومت وقت نے ۱۹۹۰ء میں سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی تاکہ فیصلے پر عمل درآمد خودبخود رک جائے۔ مسلمانان پاکستان نے اسلامی ریاست میں توہین رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتکبین کو سزا دینے کے فیصلے کے خلاف اپیل پر احتجاج کیا' جس کے نتیجہ میں بعد میں آنے والی نواز شریف حکومت نے یہ اپیل واپس لے لی۔ اس طرح وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ حتمی ہوسکا جس کے تحت اس جرم کی سزا ازخود کم از کم سزا موت مقرر ہوگئی۔ اس قانونی صورت حال کی روشنی میں دیکھا جائے تو ۱۹۸۶ء سے لے کر اب تک چند گنے چنے افراد کے خلاف کارروائی ہوسکی۔ قادیانیوں نے اقلیت قرار دینے کے فیصلے کو ہی ابھی تک تسلیم نہیں کیا' وہ

باقی قوانین کی پرواہ کیسے کرتے' تاہم مولانا احمد میاں حمادی اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں سے قادیانیوں کی غیر اسلامی سرگرمیوں کو روکنے میں قدرے کامیابی ہوئی تو قادیانیوں نے جداگانہ انتخاب کے خلاف اپنے زیر اثر حقوق انسانی کے نام نہاد علمبرداروں اور بعض عیسائی تنظیموں کے ذریعے واویلا مچایا اور پاکستان کو بدنام اور بلیک میل کرنے کی ناکام کوشش کی اور اب منظور مسیح کے قتل کی آڑ میں پھر سازش کا جال پھیلانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ ان کی مدد کے لیے برطانوی سرکار بھی آگئی ہے۔

امریکہ کا معاملہ تو سب کے سامنے ہے۔ یہ سازش کامیاب کرانے کے لیے قادیانیوں کے رسہ گیر برطانوی آقا میدان میں اتر کر سرگرم عمل ہوگئے ہیں' جن کی سرپرستی میں قادیانی اپنی اسلام دشمن سرگرمیاں جاری رکھنے میں کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔ برطانوی سازش کا انکشاف پاکستان لاء کمیشن کے اجلاس کے دوران ہوا۔ اجلاس میں بتایا گیا کہ پاکستان میں متعین برطانوی ہائی کمشنر نے چیف جسٹس پاکستان سے ملاقات کے دوران انہیں باور کرایا کہ دفعہ ۲۹۵ سی تعزیرات پاکستان سے مذہبی جذبات مشتعل ہو رہے ہیں جس سے حقوق انسانی کے تحفظ کے سحر میں مبتلا افراد اپنا مقام اور اس دفعہ کی اہمیت بھول گئے اور انہوں نے کوشش کی کہ ۲۹۵ سی کے تحت سزا پانے والے جرم کو ناقابل گرفت پولیس بنا دیا جائے۔ اس تجویز پر آواز حق بلند ہوئی اور پھر برطانوی ہائی کمشنر کے ذریعے جو وار کیا گیا تھا' وہ بے اثر ہوا تاہم لاء کمیشن نے یہ اہم معاملہ اسلامی نظریاتی کونسل کو بھیج دیا ہے۔ حالانکہ کوئی ایسا جرم جس کی سزا موت ہے' ناقابل دست اندازی پولیس نہیں ہے۔ لاء کمیشن ہو یا اسلامی نظریاتی کونسل' یہ سازش کامیاب نہیں ہوسکتی لیکن اس حقیقت سے بے خبر افراد نے اپنا کردار ادا کرنے کے لیے سرگرمیاں شروع کر دی ہیں۔ یہ بات پاکستان حقوق انسانی کمیشن کے نام سے سابق جج سپریم کورٹ مسٹر دراب پٹیل کے بیانات اور پریس کانفرنس سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ موصوف نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ۲۹۵ سی سے اشتعال پھیل رہا ہے اور جنونیت میں اضافہ ہو رہا ہے' لہٰذا اس دفعہ کو ختم کر دیا جائے۔ انہوں نے مذہب سے متعلق قوانین کے لیے Blasphemy قانون کی اصطلاح استعمال کی حالانکہ ان قوانین میں مغرب کے ممالک مذہب اسلام کے تحفظ کے لیے کوئی تعزیر مقرر نہیں کرتے اور کہا کہ اس جرم کے سدباب کے لیے دفعہ ۲۹۵ اے ہی کافی ہے اور ضروری ہو تو اس میں سزا کا اضافہ کر لیا جائے۔ دفعہ ۲۹۵ اے پر بھی ایک نظر ڈالی جائے تو صورت حال مزید واضح ہو جائے گی۔

دفعہ ۲۹۵ اے--- جو کوئی دانستہ یا معاندانہ نیت سے پاکستان کے شہریوں کے کسی فرقے کے مذہبی احساسات کی تذلیل کی غرض سے بذریعہ الفاظ، خواہ تقریری ہوں یا تحریری یا اشاروں سے اس فرقے کے مذاہب یا مذہبی عقاید کی توہین کا اقدام کرے، اسے دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دو سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ یا دونوں سزائیں----- مسٹر دراب پٹیل نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی موجودگی میں ان خیالات کا اظہار کیا جس پر پی پی پی کے بعض وکلاء نے بھی فوری ردعمل ظاہر کیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ دفعہ ۲۹۵ سی ختم نہ کی جائے، اس میں ترمیم کی جائے کہ دوسری جانب قانون کے بڑے ادارے کے ذریعے اس جرم کو ناقابل دست اندازی پولیس بنانے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ قومی اسمبلی میں فادر جولیس اور وفاقی وزیر قانون کے متضاد بیانات کے ساتھ بیرون ملک ایس ایم ظفر کا بیان کہ اب پولیس افسر اس جرم کے تحت مقدمہ درج نہیں کرے گا، یہ سب کچھ ایک ہی سازش کی کڑیاں دکھائی دیتی ہیں تاکہ حقوق انسانی کی آڑ میں شیطان رشدی جیسے دوسرے شاتمان رسول کو بھی بچایا جا سکے اور مسلمانوں کے جذبات سے کھیلا جائے۔

مسٹر پٹیل کے بیان کے بعد متعدد تنظیموں کی جانب سے ردعمل میں بیانات بھی سامنے آ چکے ہیں۔ لاہور ہائیکورٹ کے ڈویژن بنچ نے بھی اپنا فیصلہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی روشنی میں دے دیا کہ سزائے موت سے متعلق فیصلہ ہی حتمی فیصلہ ہے۔ ہم نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مشیر قانون اور اینٹی انٹرنیشنل پاکستان کے بانی سیکرٹری کی حیثیت سے تفصیلی بیان میں جناب پٹیل کو خبردار کیا کہ وہ مسلمانوں کے جذبات سے مت کھیلیں۔ ان کا بیان توہین عدالت کے ارتکاب کے زمرہ میں آتا ہے جس کا فیصلہ حتمی ہو چکا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ منظور مسیح کے قتل کا دفعہ ۲۹۵ سی سے کوئی تعلق نہیں اور حکومت اس واقعہ سے نمٹنے کے وسائل رکھتی ہے، اس لیے مسٹر پٹیل کا بیان قابل مذمت ہے اور انہیں قادیانیوں اور پی پی پی کے مقاصد پورے کرنے کے لیے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ وہ حقوق انسانی کے نام پر اپنی مذموم سرگرمیاں جاری نہیں رکھ سکتے اور جو تعزیری قانون نافذ کرایا گیا ہے، اسے Blasphemy قانون کا نام دے کر ختم نہیں ہونے دیا جائے گا۔ یہ اصطلاح چرچ سے متعلق قوانین کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ مسٹر پٹیل کو یاد دلایا کہ مسیحی عقاید کے خلاف اللہ، حضرت عیسیٰ، چرچ وغیرہ کے خلاف کلمہ کفر کہنے کی سزا بھی موت مقرر تھی، جو بعد میں تبدیل کی گئی۔

اسلام میں قرآن اور سنت کے مطابق مقررہ سزا حد میں کوئی طاقت تبدیلی نہیں کر سکتی۔ چونکہ توہین رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جرم پر حد کا نفاذ ہے' اس لیے اس کی سزا موت کے سوا کچھ اور نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جو شخص یا اتھارٹی اس قانون کی آڑ میں بے بنیاد اور جھوٹی کارروائی کرنے کا مرتکب ہو' اسے قذف کی طرح سخت سزا دی جائے نہ کہ ایسی مہم چلائی جائے جو عفو و درگزر کی تعلیم دینے والے مذہب اسلام کے پیروکار کی برداشت کو آزمائش میں ڈال دے--- کیونکہ

مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

اور جب عدالت کے دروازے بند ہوں گے تو احکام الٰہی کے پابند اپنا کردار ادا کرنے میں آزاد ہوتے ہیں"۔ (ہفت روزہ "تکبیر" کراچی' ۲۸ر اپریل ۱۹۹۴ء)

تحفظ ناموس رسالتؐ' رواداری اور یورپ

ڈاکٹر محمد صدیق شاہ بخاری

جس طرح تحفظ ناموس رسالتؐ کے لیے اپنی جان نچھاور کرنا ہمیشہ سے مسلمان کی شان رہی ہے اسی طرح "روح محمدؐ" کو تن مسلم سے جدا کرنے کی آرزو ہمیشہ سے دنیائے کفر کی پہچان رہی ہے کیونکہ تمام باطل قوتیں اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ نام محمدؐ ہی وہ منبع عزم و ہمت ہے جو مسلمان کو باطل سے نبرو آزما رہنے کی جرات عطا کرتا ہے اور یہی وہ مرکز عشق و محبت ہے جس کے لیے مسلمان یہ تو برداشت کرلیتے ہیں کہ ان کے جواں جسم تختہ دار پر جھولتے ہیں' تو جھول جائیں مگر یہ گوارا نہیں کرتے کہ وہ اس نام مقدس کو کبھی' کسی لمحے بھول جائیں۔

جسد امت کی رگوں میں موجود یہی جوہر' غیروں کی حیرانی و پریشانی کا بنیادی سبب بنتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر گستاولی نے اپنی کتاب "تمدن عرب" میں لکھا "اس وقت بھی وہی نبی امی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگان خدا کو کلمہ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہے" اس لئے باطل کی تمام اسلام دشمن سرگرمیوں کا نہ صرف حرف اول بلکہ حرف آخر بھی یہی ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے دل مسلم کی اس تمنا کو مردہ اور اس شعلہ جوالہ کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا جائے۔ اس کے لئے ہسپانوی مجلس مواخذہ جیسے بد ترین ظلم و ستم سے لے کر شراب و شباب اور طاؤس و رباب تک سارے حربوں کے سنگ آج کے باطل اداروں اور ان کے وفاداروں کی طرف سے اک نیا حربہ سامنے آیا ہے جس کا نام "رواداری" ہے۔ وہی رواداری جو امت مسلمہ کی تاریخ کی اک روشن روایت ہے۔ آج اسی رواداری کے نام پر امت کی رگوں سے جوہر غیرت اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ختم کرنے کی بھیانک سازش ہو رہی ہے۔ اور امت کو اس بات کا درس دیا جارہا ہے کہ جس طرح اقوام عالم اور ادیان عالم سے رواداری مسلمانوں کا شیوہ ہے اسی

طرح گستاخ رسولؐ کو بھی رواداری کی وجہ سے برداشت کرلینا چاہیے کیونکہ یہ گستاخی آزادی تحریر و تقریر کے انسانی حق کی رو سے اس کا حق بنتا ہے۔ کتنی عجیب منطق ہے۔ گستاخی کہیں ہو، کسی کی ہو، کیسی بھی ہو اسے آج تک تہذیب و تمدن کی تاریخ نے انسانی حق میں شمار نہیں کیا۔ چہ جائیکہ وہ گستاخی ایک ارب انسانوں کی جاں سے عزیز تر ہستی کی ہو اور صرف انسانوں کی ہی نہیں بلکہ خود خالق کائنات کی بھی محبوب ترین ہستی ہو جس کے لئے خالق نے اتنا بھی گوارا نہ کیا کہ مسلمان "راعنا" کہیں۔ اگرچہ اس سے مسلمانوں کی نیت تو گستاخی اور توہین کی نہ تھی۔ اس لفظ پہ پابندی نے یہ مسئلہ بھی ہمیشہ کے لئے حل کردیا کہ توہین رسالت میں نیت کا بھی اعتبار نہیں۔ توہین کی نیت کے بغیر بھی گستاخی، گستاخی ہی ہے توہین کا حکم ظاہری الفاظ پہ ہی لگایا جائے گا اور اس میں توہین کرنے والے کی نیت کی تحقیق نہ کی جائے گی ورنہ تو توہین رسالتؐ کا دروازہ کبھی بند نہ ہو سکے گا کیونکہ ہر گستاخ یہ کہہ کر چھوٹ جائے گا کہ میری نیت اور ارادہ تو توہین کا نہ تھا۔ اور علمائے کرام نے یہ صراحت بھی کردی ہے کہ الفاظ توہین کا جو مفہوم ہے وہی اختیار کیا جائے گا جس طرح "ولد الحرام" بطور گالی استعمال ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی اس کی یہ تاویل کرنا چاہے کہ میں نے تو اس لفظ کو "مسجد الحرام" کی طرح حرمت اور محترم کے معنوں میں لیا ہے تو اس کی یہ تاویل کسی بھی ذی شعور کے نزدیک قابل قبول نہ ہوگی۔

یہ تو محض ایک لفظ کو اس کے غلط مفہوم میں استعمال کرنے کی بات تھی، ناموس رسالتؐ کے بارے میں تو غیرت رب ذوالجلال اس قدر حساس ہے کہ قرآن کریم کی کئی آیات صرف گستاخان رسولؐ کے بارے میں نازل فرمائی گئیں جن میں ان کی گستاخی کا نہ صرف سخت لہجے میں جواب دیا گیا بلکہ ان پہ لعنتیں بھی برسائی گئیں اور انہیں عذاب الیم و عظیم کی وعید بھی سنائی گئی مثلاً ابو جہل کے بارہ میں سورہ دخان کی آیات ۴۳ سے ۵۰ تک، ابو لہب کے بارہ میں پوری سورہ لہب، امیہ بن خلف کے بارہ میں سورہ ھمزہ، ابی بن خلف کے بارہ میں سورہ یٰسین کی آیات ۷۸ سے ۸۳ تک، عقبہ بن ابی معیط کے بارہ میں سورہ فرقان کی آیات ۲۷ سے ۳۱ تک، ولید بن مغیرہ کے بارہ میں سورہ زخرف کی آیت نمبر ۳۱ اور ۳۲ اور سورہ القلم کی آیات ۸ سے ۱۶ تک جس میں اسے زنیم یعنی حرامزادہ بھی کہا گیا، نضر بن حارث کے بارہ میں سورہ لقمان کی آیات ۶

اور ۷ اور عاص بن وائل سہمی کے بارہ میں سورہ الکوثر کی تیسری آیت نازل کی گئی۔

یہ تو رب ذوالجلال کا توہین رسالت کے بارے میں رد عمل تھا۔ خود پیغمبر رواداری حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے بھی یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انکار رسالت تو برداشت کیا گیا مگر توہین رسالت کی اجازت آپؐ نے بھی نہ دی۔ مکہ مکرمہ میں ابوجہل ' ابولہب وغیرہ کے علاوہ پانچ اشخاص یعنی اسود بن عبد یغوث' ولید بن مغیرہ' اسود بن عبدالمطلب' عاص بن وائل اور حارث بن قیس وہ بد بخت تھے جو نبی کریمؐ کی توہین و استہزاء میں باقی سب سے آگے تھے۔ ایک بار آپؐ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ جبرائیل امین آگئے آپ نے جبرائیل سے ان لوگوں کے استہزاء اور تمسخر کی شکایت کی۔

جبرائیل نے ولید کی شہ رگ کی طرف' اسود بن عبدالمطلب کی آنکھوں کی طرف' اسود بن عبد یغوث کے سر کی طرف' حارث کے پیٹ کی طرف اور عاص بن وائل کے پاؤں کے تلوے کی طرف کچھ اشارہ کیا۔ آپؐ نے دریافت کیا کہ یہ کیا کیا۔ جبرائیل نے کہا کہ آپ ان سے کفایت کئے گئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ولید کا گزر قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کے پاس سے ہوا جو تیر بنا رہا تھا۔ اتفاق سے ولید کا پاؤں اس کے تیر پر پڑ گیا جس سے خفیف سا زخم ہوا مگر اس سے اتنا خون جاری ہوا کہ اسی سے مر گیا۔ اسود بن عبدالمطلب ایک کیکر کے درخت کے نیچے جاکر بیٹھا ہی تھا کہ اپنے لڑکوں کو آواز دی کہ مجھ کو بچاؤ' مجھ کو بچاؤ میری آنکھوں میں کوئی شخص کانٹے چبھو رہا ہے لڑکوں نے کہا کہ ہمیں تو کوئی نظر نہیں آتا۔ اسی طرح کہتے کہتے اندھا ہو گیا۔ اسود بن عبد یغوث کے سر کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ تمام سر میں پھوڑے پھنسیاں نکل آئیں اور اسی تکلیف میں مر گیا۔ حارث کے پیٹ میں دفعتہً ایسی بیماری پیدا ہوئی کہ منہ سے پاخانہ آنے لگا اور اسی میں مر گیا (تاریخ میں اس قسم کی دو شخصیات اور بھی گزری ہیں جن کی موت کے وقت ان کے منہ سے پاخانہ جاری تھا۔ ایک طوسی اور دوسرا مرزا غلام قادیانی۔ اور مرزا غلام قادیانی کا بیٹا مرزا محمود موت سے قبل دیوانگی کے عالم میں اپنی نجاست خود کھاتا تھا) عاص بن وائل کا حشر یہ ہوا کہ گدھے پر سوار ہو کر طائف جارہا تھا کہ راستہ میں کسی خار دار گھاس پر جاگرا جس سے پاؤں میں معمولی سا کانٹا لگا مگر اس کانٹے سے اس قدر شدید زخم ہوا کہ جانبر نہ ہو سکا اور اسی میں مر گیا۔

ہمیں یہ بسرو چشم تسلیم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ شفقت و رحمت' عفو و درگزر' محبت و مودت' اخلاق کریمانہ اور خصائل رحیمانہ کا بہترین نمونہ ہے مگر ان تمام صفات مبارکہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کی سیرت طیبہ میں جو دینی غیرت کا روشن باب ہے اس پہ بھی رواداری کا پردہ ڈال کر ڈھانپ دیا جائے۔

یہ بجا کہ آپؐ نے اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہ لیا لیکن جب منصب رسالت پہ حملہ ہو یا محرمات الٰہی پر زد پڑے شعائر اللہ کی بے حرمتی ہو یا حق و باطل کے خلط ملط ہوجانے کا اندیشہ ہو' وہاں آپؐ سے کسی قسم کی رواداری منقول نہیں بلکہ باطل کے ساتھ ادنیٰ سا Compromise بھی آپ نے برداشت نہ فرمایا۔ ایسے ہی ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم کچھ یوں ہے۔ کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب بھی رکھ دیں تب بھی میں تبلیغ حق سے باز نہ آؤں گا چاہے اللہ مجھے سرخرو فرمادیں یا اسی کوشش میں میری زندگانی کی شام ہوجائے۔

مدینہ طیبہ میں کعب بن اشرف' عصماء یہودیہ' ابی عفک یہودی' ابو رافع اور خالد بن سفیان کا قتل اور جھوٹے مدعی نبوت اسود عنسی کے قتل کے احکامات اور فتح مکہ کے موقع پر عام معافی و درگزر کے باوجود پندرہ اشخاص کو اس معافی سے مستثنیٰ فرمانا آپؐ کی اسی دینی غیرت کا مظہر تھا۔ ان لوگوں میں عبداللہ بن خطل تو وہ شخص تھا جسے حرم مکہ میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان قتل کیا گیا۔ یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے یا تو منصب رسالت کی توہین کی تھی یا حدود اللہ توڑنے پر قصاص کے مستحق تھے یا جن کا چھوڑ دینا شریعت اسلامیہ میں کسی شک و شبہ پیدا کرنے یا فساد کا موجب ہو سکتا تھا۔ جو لوگ اپنے مطلب کے لئے سیرت طیبہ کی ان گوشوں کو بھی گھما پھرا کر رواداری پر لے آنے کے عادی ہیں انہیں امام ابن تیمیہ کی یہ تحریر صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرسکتی ہے۔

"جب آپؐ کا حق درمیان میں حائل ہوتا تو آپؐ کو اختیار ہوتا کہ معاف فرما دیں یا بدلہ لیں ایسے حالات میں آپؐ عموماً" معاف فرما دیتے اگر مصلحت قتل میں دیکھتے تو مجرم کو قتل کرنے کا حکم دیتے۔ جن امور میں آپؐ کا کوئی حق نہ ہوتا مثلاً زنا' چوری یا کسی اور پر ظلم کا معاملہ' تو اس کی سزا دینا آپؐ پر واجب ہوتا' صحابہؓ جب دیکھتے کہ کوئی شخص آپ کو ایذا دے رہا ہے تو اس کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے اس لئے کہ وہ جانتے

تھے کہ یہ قتل کا مستحق ہے مگر آپؐ اسے معاف فرما دیتے اور صحابہ کو بتاتے کہ اسے معاف کردینا قرین مصلحت ہے ساتھ ہی یہ بھی واضح کرتے کہ اسے قتل کرنا بھی جائز ہے اور اگر آپؐ کے معاف کرنے سے قبل کوئی شخص اسے قتل کر ڈالتا تو آپؐ اس سے تعرض نہ فرماتے یہ جانتے ہوئے کہ اس نے یہ انتقام اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے لیا ہے لہٰذا اس کی مدح و ستائش فرماتے جس طرح حضرت عمرؓ نے اس شخص کو قتل کردیا تھا جو آپؐ کے فیصلے پر راضی نہ تھا۔ جب رسول کریمؐ کی وفات کی وجہ سے مجرم کو معاف کرنے کا امکان باقی نہ رہا تو پھر یہ اللہ، اس کے رسولؐ اور مومنین کا حق ہوگا اور کوئی اسے معاف نہ کرسکے گا لہٰذا اس کو نافذ کرنا واجب ہوگا"

صحابہ کرام سے لے کر آج تک امت اسی پر عمل کرتی آئی ہے اس بات کا خلاصہ امام مالکؒ نے بڑے خوبصورت الفاظ میں یوں بیان فرمایا "امت کے نبیؐ کو گالی دی جائے (اور امت اسے ختم نہ کرے) تو کیا ایسی امت زندہ رہ سکتی ہے۔ پس جو شخص نبی کو گالی دے اسے قتل کیا جائے"

قرآن و سنت کے ارشادات، صحابہ کے فرمودات، اکابرین امت کے رجحانات، سلاطین کے احکامات اور عامتہ المسلمین کے معاملات اگرچہ اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ توہین رسالت اور گستاخ رسولؐ کے بارے میں یہ امت کسی بھی رواداری کی قائل نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر مغرب (یورپ + امریکہ) اور اسکے چاہنے والوں کو پھر بھی اپنی بات پہ اصرار ہے کہ گستاخ رسولؐ سے رواداری کا برتاؤ ہونا چاہیے تو ہم ان سے پوچھنا چاہیں گے کہ

۱۔ کیا پھر چوروں، ڈاکوؤں، زانیوں، قاتلوں بلکہ تمام مجرموں سے بھی رواداری ہونی چاہیے؟ کہ آخری آزادی عمل کے انسانی حق کی رو سے یہ بھی ان کا حق ہے۔ مگر یہاں تو آپ ایسا نہیں کرتے آخر کیوں؟ اسی لئے نا کہ رواداری کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ ہر جگہ، ہر موقع پر ہر شخص سے یکساں رواداری کا برتاؤ ممکن نہیں۔ یہی تو ہم کہتے ہیں۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ اگر آپ اپنی جان، مال اور عزت کے دشمن سے رواداری کے قائل نہیں تو ہم اس کے ساتھ ساتھ اپنے ایمان کے دشمن سے بھی رواداری کے قائل نہیں کہ ہمیں اپنا ایمان جان و مال اور عزت و آبرو سے بھی عزیز تر ہے۔ ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ مال دے

کے جان بچتی ہو تو بچالینی چاہیے اور جان دے کے عزت بچتی ہو تو بچالینی چاہیے اور اگر مال و جان اور عزت سب کچھ دے کر بھی ایمان بچتا ہو تو بچا لینا چاہیے کہ یہ سودا مہنگا نہیں۔ اور کیا آپ' جانتے ہیں کہ گستاخ رسول' ہمارے ایمان کا' ہمارے مرکز عشق و محبت کا سب سے بڑا دشمن ہے اس لئے اسے ختم کرنا یا ختم کرنے کی کوشش میں جان دے دینا ہمارا حق بنتا ہے۔

۲۔ کیا آزادی فکر بھی رواداری کا حصہ نہیں؟ اگر ہے' جیسا کہ آپ سمجھتے ہیں تو کیا یہ صرف آپ کا حق ہے؟ وہی سلمان رشدی جس کی آزادی فکر کو بنیاد بنا کر آپ نے حمایت کی' اسی سلمان رشدی کے خلاف جب ہم نے اسی آزادی فکر کے حق کو استعمال کرتے ہوئے' قتل کا فتویٰ دیا تو آپ نے برا منایا۔ آخر کیوں؟ اور جب ۱۹۹۳ء میں مصر میں عدالت کے استفسار پر شیخ محمد الغزالی نے مرتد کے قتل کا فتویٰ دیا تو آپ نے اسے بھی آزادی فکر کے خلاف قرار دیا۔ کیا آزادی فکر کا وہی مطلب درست ہے جو آپ سمجھتے ہیں؟ اور کیا آپ اتنی بھی رواداری کے قائل نہیں کہ آزادی فکر کے اس حق کو ہم بھی استعمال کر سکیں؟

۳۔ کیااظہار رائے کی آزادی بھی رواداری کا جز نہیں؟ اگر ہے تو آپ اجازت کیوں نہیں دیتے کہ لوگ جب چاہیں' جیسے چاہیں' جہاں چاہیں دہشت گردی اور تشدد کا پرچار کریں۔ مگر نہیں شاید آپ کو صرف اسی رائے کا اظہار پسند ہے جو آپ کے مفاد میں ہو جب ہم نے ۲ دسمبر ۹۴ء کو راولپنڈی میں مسلم لیگ کے جلسہ میں امریکی پرچم جلا کر اپنے جذبات کا اظہار کیا تو آپ سے اتنی رواداری بھی نہ ہو سکی کہ اسے برداشت کرتے کہ ہم نے بھی اظہار رائے کی آزادی کا اک مخصوص طریقہ استعمال کیا تھا۔ آپ نے اس پہ سخت احتجاج کیا ۶ جنوری ۱۹۹۵ء کے اخبارات اس کے گواہ ہیں آخر کیوں؟ اسی لئے نا کہ امریکی پرچم جلانا آپ کے نزدیک جرم ہے اور یہ اظہار رائے کی آزادی کے زمرے میں نہیں آتا۔ اسی طرح گستاخی پیغمبر ہمارے نزدیک اس سے کہیں بڑا جرم ہے اور یہ بھی اظہار رائے کی آزادی کے دائرے میں نہیں آتا

۴۔ کیا کسی قوم' ملک اور معاشرے کے مجرموں کو پناہ دینا اور انہیں اعزازات سے نوازنا بھی رواداری ہے؟ اگر نہیں تو پھر آپ نے ہمارے مجرموں سلمان

رشدی اور تسلیمہ نسرین کو کس لئے پناہ دے رکھی ہے؟ کلنٹن صاحب آپ نے رشدی سے ملاقات کرکے اسے کس بات کی شاباش دی ہے؟

سویڈن کے وزیراعظم نے تسلیمہ نسرین کا استقبال کرکے اسے کس لئے اعزاز سے نوازا ہے؟ ہم تو آپ کے مجرم جنہیں آپ مجرم سمجھتے ہیں کتنی رواداری سے آپ کے حوالے کردیتے ہیں۔ ہم نے یوسف رمزی بھی آپ کو دے دیا۔ منشیات کے سوداگر بھی آپ کو دے دیئے یہ الگ بات کہ آپ خود بھی منشیات استعمال کرتے ہیں۔ آپ بھی تو رواداری کا مظاہرہ کیجئے کہ ہمارے مجرم ہمارے حوالے کردیجئے۔ کیا رواداری کا درس صرف کمزوروں کے کے لئے ہوتا ہے؟

۵۔ بوسنیا و کشمیر میں عورتوں کو بھیڑوں بکریوں کی طرح باڑے میں بند کرکے ان کی اجتماعی عصمت دری کی جاتی ہے' حاملہ عورتوں پہ تشدد کیا جاتا ہے' مسلمان عورتوں کے بطن عیسائی بچے پیدا کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں' خواتین کے سینے اور مردوں کے نازک حصے کاٹ دیئے جاتے ہیں یا انہیں کچل دیا جاتا ہے۔ ناخن اکھیڑ دیئے جاتے ہیں' آنکھوں میں تیزاب ڈال دیا جاتا ہے' بجلی کے جھٹکے لگائے جاتے ہیں۔ گرم دھات سے جسم داغ دیئے جاتے ہیں' انسانوں کو انسانی گندگی کھانے اور پیشاب پینے پہ مجبور کیا جاتا ہے' خاندان کے مردوں کو اپنی ہی محترم خواتین کی عصمت دری پر مجبور کیا جاتا ہے جوانوں کو قتل' بچوں کو مفلوج اور بوڑھوں کو زندہ درگور کردیا جاتا ہے مگر یہ سب دیکھتے ہوئے بھی آپ نہ صرف خاموش رہتے ہیں بلکہ مظلوموں کو اسلحہ کی فراہمی پہ پابندی بھی لگواتے ہیں۔ اور ہم تھوڑا شور بھی مچادیں تو احکامات زبان بندی۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟

٦۔ آپ کو لندن کی سڑکوں پر مادر زاد ننگوں کا صبح دم مارچ بھی گوارا ہے' یہودی طالبات کا سر پہ اپنی مخصوص ٹوپی' پہننا بھی برداشت ہے مگر مسلم طالبات کو آپ سر ڈھانپنے کے لئے سکارف کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ کیا اسے بھی رواداری کہتے ہیں؟

۷۔ آپ مسلمان ملکوں میں ہر قسم کا مخرب اخلاق لٹریچر برآمد کرتے ہیں اور ہم

خاموش رہتے ہیں۔ جبکہ فرانس میں مسلمان علماء جیسے احمد دیدات' ابوالحسن علی ندوی اور یوسف قرضاوی کی کتب پہ بھی پابندی لگا دیتے ہیں۔ محض اس لئے کہ ان کا لہجہ مغرب مخالف ہے۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟ جبکہ ہمیں دیکھئے کہ ہمیں آپ کا وہ سب لٹریچر بھی قبول ہے جس کا لہجہ اسلام مخالف ہی نہیں بلکہ اسلام دشمن بھی ہے۔

۸۔ آپ پوری دنیا میں جمہوریت کے علمبردار بنتے ہیں مگر جب الجزائر میں آپ کے مسلمہ جمہوری عمل کے تحت ایک اسلام پسند جماعت کامیاب ہوجاتی ہے تو آپ نہ صرف مارشل لاء لگواتے ہیں بلکہ اپنے منظور نظر فوجی حکمرانوں سے تیس ہزار مسلمان بھی قتل کروا دیتے ہیں۔ اور ہاں آپ کی اس منظور شدہ فوج نے محض اپنا جمہوری حق مانگنے پہ عوام کے ناخن بھی اکھاڑے' چہرے بھی جھلسائے' دانت بھی توڑے' جسم پہ بجلی کے جھٹکے بھی لگائے۔ جوانوں کے سامنے ان کی بیویوں اور ماؤں کی عزتیں بھی تار تار کیں۔ مگر آپ خاموش رہے۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟

۹۔ آپ ایک طرف تو انسداد بے رحمی اور تحفظ حیوانات جیسے قانون بناتے ہیں مگر دوسری طرف پاکستانی چیف آف آرمی شاف کی طرف سے سویڈن کے چیف آف آرمی شاف کو تحفے میں دیئے گئے تین بہترین گھوڑوں تیز' سردار اور شیردل کو سویڈش حکومت گولی مار کر جلا ڈالتی ہے تو آپ پھر بھی خاموش رہتے ہیں کیا یہ بھی رواداری ہے؟

۱۰۔ جب تک افغان مجاہدین کا روسی استعمار کے خلاف لڑنا آپ کے مفاد میں تھا آپ انہیں مجاہدین کہتے تھے مگر جب آپ کا مفاد پورا ہوگیا تو اب آپ انہیں دہشت گرد کہتے ہیں۔ کیا اس کا نام رواداری ہے؟

۱۱۔ آپ اپنے ملک میں جو چاہیں قانون نافذ کردیں۔ بے شک اسلامی تنظیموں کو چندہ جمع کرنے کی بھی ممانعت کردیں۔ ہم خاموش رہتے ہیں کہ یہ آپ کا اندرونی معاملہ ہے اور ہم رواداری کے قائل ہیں۔ مگر ہم اگر توہین رسالت پہ موت کا قانون بنا دیں تو آپ شور مچاتے ہیں' سوڈان اگر اپنے ملک میں اسلامی قوانین کا نفاذ کرنا چاہے تو آپ اس کا بائیکاٹ کرتے ہیں۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟

۱۲۔ اسرائیل میں مسلمانوں کو بغیر وارنٹ گرفتار کرلیا جاتا ہے' ان کی جائیداد بحق سرکار ضبط کرلی جاتی ہے' ان کے خطوط و ٹیلیفون سنسر ہوتے ہیں۔ تحریر و تقریر حتیٰ کہ نماز پہ بھی پابندی لگا دی جاتی ہے تمام انسانی حقوق سلب کرلئے جاتے ہیں اور بغیر جرم کے انہیں مجرم بنا دیا جاتا ہے مگر آپ خاموش رہتے ہیں۔ اور ادھر ایک امریکی لڑکا سڑکوں پر غل غپاڑہ کرتا ہوا سنگاپور میں گرفتار ہو جاتا ہے تو آپ احتجاج کرتے ہیں۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟

۱۳۔ ۱۹۹۲ء میں سیاہ فام موٹر ڈرائیور روڈنی کنگ کو چار گورے سپاھیوں نے گاڑی سے گھسیٹ لیا اور اس پہ لاٹھیوں کی بارش کرکے ٹانگ بھی توڑ ڈالی دماغ بھی بری طرح متاثر کر ڈالا۔ مارنے والے گورے اور پٹنے والا سیاہ فام تھا کوئی آگے نہ بڑھا۔ مگر جب مقدمہ جیوری میں پیش ہوا اور بطور شہادت ویڈیو فلم بھی پیش کی گئی تو آپ نے چاروں مجرموں کو بری کروادیا۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟ اگر یہی مجرم مسلمان ہوتے تو کیا پھر بھی آپ کا رویہ یہی ہوتا؟

۱۴۔ نکسن کے مشیر خارجہ رابرٹ کرین نے جب اسلام قبول کیا تو سزا کے طور پر انہیں روس میں سفیر بنا کر بھیج دیا گیا' محمد علی کلے نے جب اسلام قبول کیا تو اسے زبردست فوج میں بھرتی کا حکم دے ڈالا جب اس نے اسے تسلیم نہ کیا تو اسے بلا وجہ باکسنگ کے عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن کے اعزاز سے نہ صرف محروم کرڈالا بلکہ اسے مقدمات میں بھی جتلا کردیا۔ مشہور گلوکار کیٹ سٹیونز نے جب اسلام قبول کرلیا تو اس کے گانوں کے ریکارڈ جلا ڈالے۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟

۱۵۔ سلمان رشدی کے جواب میں برطانیہ کے پاکستانی ڈاکٹر بشیر اختر نے کتاب لکھی مگر کوئی برطانوی پبلشر اسے شائع کرنے پر تیار نہ ہوا۔ بلکہ ڈاکٹر بشیر کو کتاب لکھنے پر اتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ برطانیہ چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ گویا کہ اسلام کے خلاف بولنے' لکھنے کی پوری آزادی اور اسلام کے حق میں لکھنے پہ پابندی' کیا یہ بھی رواداری ہے؟

۱۶۔ "انٹرنیشنل گوریلے" کے نام سے پاکستان میں ایک فلم بنی جس میں گستاخ رسول بدنام زمانہ رشدی کو آسمانی عذاب سے جل کر راکھ ہوتے دکھایا گیا اس کے ساتھ اس میں پاکستانی عوام کے جذبات کی عکاسی اور برطانوی معاشرے کے

تضادات کو طشت از بام کہا گیا۔ انگریزی دان طبقہ کے لئے اسے انگریزی میں ڈب کیا گیا۔ شوٹنگ وڈیو سنٹر لندن کے مالک ماسٹر محمد فیاض نے فلم کے حقوق خرید کر اسے برٹش بورڈ آف فلم کلا سیفیکیشن کے سامنے پیش کیا تو اس نے اس پر پابندی لگا دی۔ رشدی کی کتاب پر پابندی نہ لگ سکی خواہ اس سے کروڑوں دل زخمی اور روحیں فگار ہوئی ہوں مگر رشدی کے خلاف فلم پر پابندی لگ سکتی ہے۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟

۱۷۔ فرانسیسی حکومت نے امیگریشن کے جو نئے قوانین بنائے ہیں ان کے تحت مسلمان خواتین سے بھی ایسی تصاویر طلب کی جارہی ہیں جن میں نہ صرف ان کا چہرہ بلکہ جسم کے دوسرے حصے بھی نمایاں ہوں۔ حالانکہ آپ کے علم میں ہے کہ ایسا کرنا مسلمانوں کے مذہبی اصولوں کے خلاف ہے اور دوسرے مذاہب کے اصولوں کا احترام کرنا رواداری کا اہم حصہ ہے۔ مگر آپ نے ایسا کیوں نہ کیا؟ کیا یہ ہی رواداری ہے؟

۱۸۔ یکم ستمبر ۹۴ء کو کیلیفورنیا کے شہر یوبا میں ۱۰۔ لاکھ ڈالر سے تعمیر کردہ مسجد کو آگ لگا دی گئی اور پوری مسجد صرف ۱۹ منٹ میں جل کر شہید ہوگئی۔ مگر امریکی پریس اور حکمرانوں سمیت کسی نے ایک بول بھی ہمدردی کا نہ بولا اور ادھر بابری مسجد شہید کرنے کے رد عمل میں اگر ہمارے چند جوانوں نے کچھ مندروں کی چند اینٹیں بھی سرکا دیں تو آپ نے شور مچایا۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟

۱۹۔ اسرائیل نے شہر صفد SAFAD کی چودہ مساجد پر قبضہ کر رکھا ہے۔ کچھ کو شہید کردیا ہے کچھ کو عجائب گھروں اور دکانوں میں تبدیل کردیا ہے اور ایک مسجد میں تو اسرائیلی اداکاروں نے عریاں فلم کی عکس بندی کی ہے جن میں چند اداکارائیں بالکل ننگی تھیں مگر آپ خاموش رہے۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟ اگر کسی اسلامی ملک میں قائم چرچ میں یہی کارروائی ہوتی تو۔؟

۲۰۔ اسرائیلی شہر اشدود میں یہودیوں کے قائم کردہ ڈسکو ڈانس کلب کا نام مکہ رکھ دیا گیا ہے۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟ اگر ہم گٹر سے ابلنے والے نالے کا نام گنگا جمنا رکھ دیں، یا عریاں فلمیں دکھانے والے سینما کا نام ویٹیکن سٹی رکھ دیں یا لاہور شہر کی گندگی جمع کرنے والے مرکزی غلتہ ڈپو کا نام قادیان رکھ دیں تو کیسا

رہے-----؟

۲۱۔ اسرائیل کے حق میں امریکہ نے آج تک ۷۰۔ دفعہ ویٹو کا استعمال کیا ہے مگر مسلمانوں کے لئے کتنی دفعہ-----؟۔ کیا اسی کا نام رواداری ہے؟

۲۲۔ ترکی کے جس شخص نے سلمان رشدی کی شیطانی کتاب کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا اسے ایمنسٹی انٹرنیشنل نے امن و سلامتی کے ایوارڈ کے لئے منتخب کیا۔ گویا اس ادارے نے ایک ارب مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا۔ اور آپ نے کوئی احتجاج نہ کیا۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟

۲۳۔ اسرائیلی وزیراعظم مناحم بگین جسے عالم اسلام نے مسلم دشمنی کی وجہ سے "یہودیوں کا قصاب" کا خطاب دیا تھا اور جس نے صابرہ اور شیطلہ کے مہاجر کیمپوں میں سینکڑوں فلسطینیوں کو خاک و خون میں تڑپایا تھا اسے آپ نے امن کا نوبل انعام دیا۔ کیا بھی رواداری ہے؟

اگر ہم نے بھی کینیڈی کے قاتل کو انعام دیا ہوتا تو کیسا رہتا؟

۲۴۔ جورج گرین اسکول لندن سے ۱۵ سالہ مسلمان طالب علم کو محض اس جرم کی پاداش میں سکول سے خارج کردیا گیا کہ اس نے اپنی ہیڈ مسٹریس کے کہنے کے باوجود اپنی داڑھی مونڈنے سے انکار کردیا تھا۔ مگر اس ہیڈ مسٹریس سے آپ نے کوئی باز پرس نہ کی۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟

اگر کسی اسلامی ملک میں مسیحی پادری کے گلے میں صلیب اتروا دی جاتی تو-----؟

۲۵۔ ناروے جہاں ۴۰ ہزار کے قریب مسلمان آباد ہیں وہاں مسلم پرائیویٹ سکول قائم کرنے کی درخواست کو دو سال غور و فکر کرنے کے بعد بھی حکومت نے مسترد کردیا۔ حالانکہ اسی ناروے میں ۸۰ سے زائد عیسائی پرائیویٹ سکول قائم ہیں۔ اور خود پاکستان جیسے اسلامی ملک میں سینکڑوں عیسائی سکول قائم ہیں۔ مگر آپ ایک اسلامی سکول کی بھی اجازت نہ دے سکے۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟

۲۶۔ بریڈ فورڈ برطانیہ کے قریب مسلمانوں کی درجنوں قبروں کے کتبے اکھاڑ دیئے گئے۔ ۴۷ قبروں کے تقدس کو مجروح کیا گیا مگر مجرمین کو گرفتار نہ کیا گیا۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟ اگر کسی اسلامی ملک میں موجود مسیحی قبرستان سے ایسا ہی سلوک کیا

جاتا ــــ تو ــــ؟

۲۷۔ جرمنی میں مساجد تعمیر کرنے پر نہ صرف مسلمانوں کو دھمکیاں ملتی ہیں بلکہ ہائیڈل برگ کے نواحی قصبے کولون میں تو باقاعدہ ترک مسلمانوں کی ایک مسجد کو آگ بھی لگا دی گئی۔ مگر حکومت خاموش رہی۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟

۲۸۔ حکومت امریکہ نے ایران کے خلاف دہشت گردی کے لئے علی الاعلان اپنے بجٹ میں بیس ملین ڈالر کی رقم مختص کردی۔ مگر ڈھنڈورا پھر بھی رواداری اور امن و سلامتی کا ــــ!

۲۹۔ عیسائیت نے عورت کو جو بلند ترین مقام دیا ہے وہ راہبہ Nun کا ہے جسے دنیا کی تمام خوشیوں سے محروم کردیا جاتا ہے۔ کوئی عورت پوپ تو کیا پادرن کا درجہ بھی حاصل نہ کر سکی۔ اور نہ ہی جدید امریکہ میں صدارت کے عہدے پر فائز کی گئی۔ مگر عورتوں سے بد سلوکی اور انہیں مردوں کے برابر حقوق نہ دینے کا الزام پھر بھی مسلمانوں پر عائد کرتے چلے جاؤ شاید یہ بھی رواداری ہے؟

۳۰۔ ۱۹۷۷ء کے اوائل میں امریکی یہودیوں نے فلم بنائی جس کا نام "محمد پیغمبر خدا" تھا۔ امریکہ کے اداکار انتھونی کوئین نے اس فلم میں نعوذ باللہ حضورؐ کا کردار ادا کیا۔ جب مسلمانوں کے سخت احتجاج پہ بھی یہ فلم بند نہ ہوئی تو ایک غیور مسلمان خلیفہ حماس عبدالخالص نے واشنگٹن میں چند یہودی افسروں کو یرغمال بنا کر مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم کروایا۔ مگر بعد میں خلیفہ حماس کو ہی نہیں بلکہ اس کی بیوی اور تین معصوم بچوں کو بھی شہید کردیا گیا۔ کیا یہ بھی رواداری تھی؟

۳۱۔ ستمبر ۹۵ء میں نیو یارک کے میئر نے عالمی رہنماؤں کو دیئے گئے عشائیے میں سے یہودیوں کے مطالبے پر انتہائی سفارتی بداخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یاسر عرفات کو نکال باہر کیا۔ (حالانکہ وہ بے چارا نام کا ہی مسلمان ہے) کیا یہ بھی رواداری ہے؟ محض رواداری میں ہی اسے بیٹھے رہنے دیا ہوتا۔

۳۲۔ ۱۹۹۴ء کے وسط میں جب باروچ گولڈ اسٹائن نے مسجد الخلیل میں نماز ادا کرتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کرکے ۲۹ مسلمانوں کو شہید اور ۱۲۵ کو شدید زخمی کردیا تو آپ نے اسے دہشت گرد کہنا بھی پسند نہ کیا بلکہ اسے صرف انتہا پسند کہا گیا۔ جبکہ دوسری طرف جب ۱۹۔ اپریل ۱۹۹۵ء کو اوکلوھاما میں خود امریکی شہریوں

کی دہشت گردی سے بم دھماکہ ہوا۔ تو بغیر ثبوت کے ہی تمام مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے دیا گیا۔ اور وہ دہشت گردی جس کا کوئی تعلق بھی مسلمانوں سے نہ تھا اس کے صلے میں مساجد کو آگ لگا دی گئی چلتی گاڑیوں سے اسلامی مراکز پر فائرنگ کی گئی مسلم طلباء کو زد و کوب کیا گیا' ایسے دو سو واقعات رپورٹ ہوئے۔ ایک مسلمان عورت جو امید سے تھی خوف سے اس کا حمل ضائع ہوگیا۔ مسلمانوں کو طعنے دیئے گئے اور نفرت سے ان پر تھوکا گیا۔ ناکردہ گناہوں کی یہ سزا بھی کیا رواداری ہے؟

۳۳۔ آپ نے تو جعلی عیسیٰ بننے کی پاداش میں ڈیوڈ قورش کو اس کے ۸۶ ساتھیوں سمیت زندہ جلا دیا اور ہم اگر جعلی محمدؐ بننے کے جرم میں مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیرو کاروں کو صرف کافر ہی قرار دیا تو آپ نے شور مچایا بلکہ پاکستان کی امداد کو بھی اس سرٹیفکیٹ سے مشروط کردیا کہ قادیانیوں سے کوئی بدسلوکی (نام نہاد) نہیں ہو رہی۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟

۳۴۔ اسرائیلی حکام ملاقاتی فلسطینی خواتین کو ننگا کرکے تلاشی لیتے ہیں اور امریکی ۵۷ سالہ نابینا مسلمان عالم دین شیخ عمر عبدالرحمٰن سے ایسا ہی سلوک کرتے ہیں کیا یہ بھی رواداری ہے؟

۳۵۔ امریکہ جب چاہے عراق' پانامہ اور ہیٹی کو تباہ کردے۔ اسرائیل جب چاہے لبنان پہ بم گرائے' تیونس تک پہنچ کر پی۔ ایل۔ او کے ہیڈ کوارٹر کو برباد کرے' عراق کے نیوکلیر پلانٹ کو تباہ کردے۔ امریکہ کمبوڈیا کے چھوٹے سے علاقے پہ جنگ عظیم کی طرح بمباری کرائے۔ طرابلس۔ اور بن غازی کے شہری علاقوں اور کرنل قذافی کے گھر کو نشانہ بنائے لیبیا پہ اقتصادی پابندیاں لگائے حتیٰ کہ لیبیا کے حاجیوں کو بھی حج پر نہ جانے دے۔ اور ہاں آپ جب چاہیں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے حکومتوں کا تختہ الٹیں۔ سربراہان حکومت کو قتل کروائیں یا لیڈروں پہ قاتلانہ حملے کروائیں۔ جیسے سی آئی اے نے ایران کے ڈاکٹر مصدق کا تختہ الٹا' چلی کے منتخب وزیراعظم ایلی انیڈے' کیوبا کے کاسترو' لیبیا کے قذافی پر قاتلانہ حملے کروائے حزب اللہ کے سربراہ شیخ فضل اللہ کے قتل کے منصوبے۔ حزب اللہ کے رہنما عباس موسوی کا قتل۔ ایرانی صدر بہشتی' وزیراعظم نو بہار اور کابینہ سمیت

۷۲ افراد کا قتل سعودی عرب کے شاہ فیصل' پاکستان کے ضیاء الحق کا قتل ایرانی مسافر بردار طیارے پر میزائل کا حملہ اور ۲۹۰ مسافروں کو ہلاک کرنے کے بعد بھی دعویٰ رواداری کا-----؟

۳۶۔ فلپائن کے صدر فیڈل راموس نے کہا کہ وہ ۲۰۰۰ء تک منڈا ناؤ صوبہ کو مسلمانوں سے "پاک" کردیں گے۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟ اگر ایسا ہی عزم کسی مسلمان ملک نے ظاہر کیا ہوتا تو-----؟

۳۷۔ جرمن ٹی وی پر "اسلام کی تلوار" کے نام سے ایک سیریز چل رہی ہے۔ جس کا بنیادی موضوع یہ ہے کہ اسلام امن عالم کے لئے خطرہ ہے۔ کیا ہم بھی پراپیگنڈہ شروع کریں کہ عیسائیت' یہودیت امن عالم کے لئے خطرہ ہیں؟ مگر نہیں حقیقی رواداری تو اس کی اجازت نہیں دیتی۔

۳۸۔ سویڈن میں ختنہ کو جرم قرار دے دیا گیا اور ایک مصری ڈاکٹر پر جس نے دو بچوں کا ختنہ کیا تھا پر مقدمہ چلایا گیا۔ مسلمانوں کے خالص مذہبی معاملہ میں سویڈن کی حکومت کا یہ رد عمل بھی کیا رواداری ہے؟

۳۹۔ آپ کے اپنے اخبار گارڈین کی رپورٹ کے مطابق برطانیہ نے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈلوانے کے لئے ایک خفیہ یونیورسٹی بنا رکھی ہے۔ جہاں اسی مقصد کے لئے پادریوں کی تربیت کی جاتی ہے کیا یہ بھی رواداری ہے؟

۴۰۔ ۲۹ مئی ۹۳ء کو سولنجن (جرمنی) میں ایک مسلمان گھر کو آگ لگا دی گئی دو مسلمان عورتیں اور لڑکیاں گھر کے اندر جل کر مرگئیں ایک کھڑکی سے کودی وہ بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ اس سے قبل نومبر ۹۲ء میں برلن شہر میں دو مسلمان گھروں پر آتشیں بم پھینکے گئے اور ایک عورت اور دو لڑکیاں اپنے بستروں میں زندہ جل گئیں۔ تین مسلمان عورتوں اور پانچ لڑکیوں کو زندہ جلا دیا گیا تو جرمنی کے صدر نے سولنجن میں جل کر مرنے والے مسلمانوں کے جنازے میں شرکت سے انکار کردیا نہ ہی ان کے گھر گئے بلکہ وہ آج تک کسی بھی ایسے گھر میں اظہار ہمدردی کے لئے نہیں گئے۔ جہاں مسلمانوں پر حملہ ہوا ہو۔ وہ ان حرکتوں کی مذمت کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ کیا یہ بھی رواداری ہے؟

الٹا ہمارے گھر آکر جرمن صدر ہمیں توہین رسالت میں تبدیلی کا مشورہ

دیتے ہیں اور اس قانون کے تحت سزا یافتہ مجرمین کو اپنے گھر میں پناہ دینے کی پیش کش بھی کرتے ہیں۔ کراچی میں دو امریکی سفارت کار مارے جائیں تو پورے مغرب میں مل چل مچ جاتی ہے اوریورپی پریس بغیر کسی ثبوت کے ایسی سرخیاں جمانے سے بھی گریز نہیں کرتا کہ "اسلامی تشدد نے دو جانیں لے لیں" لیکن یورپ کے طول و عرض میں بلکہ دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف جو تشدد بھری کارروائیاں ہو رہی ہیں وہ شاید عین رواداری ہیں؟

۴۱۔ ۱۹۹۵ء۔ گزرا تو حساب لگایا کہ اس سال امریکہ میں پانچ مساجد جلا دی گئیں۔ ۲۲۲ مسلمانوں پر حملے ہوئے پردہ دار خواتین پر تھوکا گیا۔ مسلمانوں کو قتل کرنے کی دھمکی دینے کے واقعات میں اضافہ ہوا اور پتھر بھی مارے گئے۔ یہ بھی شاید رواداری ہے؟

۴۲۔ برطانیہ جہاں مسلمانوں کی تعداد دو ملین سے بھی تجاوز کر گئی ہے وہاں تا حال جمعہ کی تعطیل کا مطالبہ کامیابی حاصل نہیں کرسکا ہمارے ہاں اتوار کو گرجا جانے کی چھٹی، کرسمس کی چھٹی کے ساتھ اختیاری چھٹی بھی جاری ہے مگر پھر بھی روادار وہ ہیں ناکہ ہم۔

۴۳۔ اقوام متحدہ کی غذائی پابندیوں سے عراق میں اگست ۹۰ سے لے کر اب تک ۵۔ لاکھ ۶۷ ہزار بچے موت کا شکار ہوگئے مگر آپ سب خاموش ہیں کیا یہ بھی رواداری ہے؟

اے اھل یورپ اور ان کے بہی خواہو! ان سب باتوں کے باوجود بھی تم روادار ٹھہرے --- اور ہم متعصب اور عدم رواداری کے حامل۔ تم تو چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی رواداری کا مظاہرہ نہیں کرتے اور ہم سے مطالبہ کرتے ہو کہ گستاخ رسولؐ سے رواداری کرو؟ ذرا سوچو تو سہی کہ ہم نے تو تمہاری شکل و صورت سے لے کر تمہارے لباس تک، تمہارے نصاب تعلیم سے لے کر تمہاری سیاست تک، تمہاری معیشت سے لے کر تمہاری معاشرت تک، تمہارے لب ولہجہ سے لے کر تمہاری تہذیب و تمدن تک سب کچھ ہی اپنا لیا۔ اپنی شناخت تک گنوا دی۔ تمہاری صلیب بھی نکٹائی بنا کے گلے میں سجالی۔ پھر بھی ہم روادار نہیں؟ ذرا غور تو کرو کہ تمہارے مبلغ اور پادری ہمیشہ ایک مخصوص چغہ پہنتے ہیں اہل ہنود کے

برہمن' پنڈت اور پجاری بھی ہمیشہ دھوتی پہنتے ہیں مگر ہمارے علماء تو ایسا نہیں کرتے وہ جس ملک میں گئے انہوں نے وہاں کا لباس ہی اپنالیا' زبان بھی سیکھی۔ دیکھو تم برصغیر میں آئے تو یہاں حکومت کرنے کے باوجود یہاں کا لباس تمہاری نظر میں کمتر ٹھہرا۔

تم نے تو اپنی شناخت کی اتنی ضد کی کہ گرمی لگی تو پتلون کو نیکر تو بنالیا اس کی جگہ شلوار نہ پہن سکے۔ مگر ہم نے تو کبھی ایسی ضد نہ کی۔ اور ہاں وہ تاریخی صلیب جس پہ صلیبی جنگوں کے دوران یورپ کے عیسائی بادشاہوں اور سالاروں نے اپنے خون سے لکھا تھا کہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کردیں گے آج بھی تم نے سینے سے لگا رکھی ہے آج بھی اس عہد کی یاد میں تم ہالینڈ کے ایک شہر کے گرجا گھر میں ہفتے کے ساتوں روز ٹھیک ۱۱ بجے دن گھنٹیاں بجاتے ہو مگر ہم نے تو ان جنگوں کی یاد میں کوئی ہلال کسی مسجد میں سجا کے نہیں رکھا۔ ہم تو سارے تعصب بھلا کے تمہیں اپنا بنا بیٹھے مگر تمہارے منہ پر رام رام تو آیا بغل سے چھری نہ نکلی۔ یہ چھری کب تک ہمارے گلے پہ چلاتے رہو گے؟

ہمارا ماضی' حال اور مستقبل سب کچھ تو تم چھین چکے اب اور کیا بچا ہے جو لینا چاہتے ہو؟ بس اک نام نبیؐ ہی تو آخری سہارا ہے۔ کیا وہ بھی چھین لینا چاہتے ہو؟ اور وہ بھی رواداری کے نام پر؟ مگر شاید تم ایسا نہ کرسکو کہ ابھی کچھ عاشق زندہ ہیں ہاں جس دن یہ بھی چلے گئے پھر تم کہہ سکو گے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

تحفظ ناموس رسالت ﷺ ایکٹ میں تبدیلی اور امریکی عزائم

کلیم اللہ ملک

"امریکہ کے لیے سوویت یونین روس کے انہدام کے بعد، سب سے بڑا خطرہ جسے اول نمبر کی حیثیت حاصل ہوئی، وہ بنیاد پرستی تھی۔ اسلامی بنیاد پرستی امریکہ کے لیے ایک عظیم مسئلہ بن گئی، جس نے اس کا سکھ چھین لیا۔ امریکی ماہرین کے مطابق اگر دنیا میں کوئی چیز اس کے واحد سپرپن کے راستے میں مزاحمت کر سکتی ہے تو وہ یہی اسلامی بنیاد پرستی ہے جو مسلمانوں میں اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہؐ کی رسالت کی روح کو زندہ رکھ کر کسی بھی جابر، ظالم سے ٹکرانے کی مسلمانوں کو ہمت اور قوت بخشتی ہے۔

امریکہ دنیا پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ ہر قسم کی بنیاد پرستی کے خلاف ہے، رسما" ہر مذہب کی بنیاد پرستی کی حفاظت شروع کر رکھی ہے۔ حالانکہ اس کا اصل ہدف صرف اور صرف اسلامی بنیاد پرستی ہے۔ اس سوچ کو تحلیل کرنے کے لیے ظلم کی ہر حد سے گزر جاتا ہے۔ مسلم سربراہان پر اس قدر اس سے انکار کی اہمیت و ضرورت کو اجاگر کرنے میں وہ کامیاب رہا ہے کہ خانہ کعبہ کا طواف کر کے کعبتہ اللہ سے باہر آنے والے حکمران کسی وقت بھی ایسا کہنے میں عار محسوس نہیں کرتے اور واشگاف کہتے ہیں کہ ہم بنیاد پرست نہیں، قدامت پرستی کو پسند نہیں کرتے حالانکہ قدامت کو بنیاد بناتے ہوئے وہ حج کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ امریکہ کا خوف اس وقت ہمارے حکمرانوں کے سروں پر ننگی تلوار کی طرح لٹک رہا ہے۔ اس لیے انہوں نے تمام دیگر معاملات اور امت مسلمہ کے مفادات کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ ہمارے حکمرانوں و وزراء نے امریکہ کو حاضری لگوانے کے لیے کوئی موقع کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

مسلم بنیاد پرستی کا سیلاب روکنے کے لیے پچھلے دنوں بڑے عجیب و غریب واقعات رونما ہوئے۔ عیسائیوں نے یہودیوں کو اس الزام سے بری کر دیا کہ وہ حضرت عیسیٰ کو پھانسی

لگوانے کے جرم میں شریک تھے۔ ویٹیکن سٹی میں پوپال کے اس اعلان کے بعد اسرائیلی وزیر اعظم خود پوپ سے ملنے گئے اور وزیر اعظم نے ایک امانت یہ کہتے ہوئے پوپ پال کے سپرد کی کہ ہم نے ۳ ہزار سال تک اس کی حفاظت کی ہے۔ اب عیسائیوں کو یہ امانت سپرد کی جا رہی ہے اور ان سے توقع ہے کہ وہ اس کی حفاظت کے لیے اپنی بہترین صلاحیتیں بروئے کار لائیں گے۔ اس کو عیسائیوں نے اپنی امان میں لے لیا ہے۔ کسی بھی ذریعہ سے اس کی خبر نہیں ہو سکی کہ وہ امانت کیا تھی لیکن اندیشے' وسوسے' گمان و یہود و نصاریٰ کی اب تک کی اسلام کی شکست و ریخت کے لیے مشترکہ کاوشوں اور ان کے منصوبوں کی بدولت یہ اخذ کرنا کوئی مشکل نہیں کہ وہ یقیناً کوئی ایسی دستاویز ہوگی جس میں اسلام کی سربلندی و نشاۃ ثانیہ کی نشاندہی ہوگی۔ وہ ایسی خبر ہوگی جس کا عام ہونا یہود و نصاریٰ کی سیاسی و معاشی موت پر منتج ہونا ہوگا۔ اس لیے انہوں نے اب تک اسے چھپا رکھا ہوگا بلکہ اب تو انہوں نے اسلام دشمنی کی قوت پر اپنے آپ کو متفق و منظم کر لیا ہے۔

امریکہ اس تصور سے خود اتنے وسائل کے باوجود کانپ کانپ اٹھتا ہے۔ اس لیے اس نے مسلمانان عالم میں انتشار و نفاق کے لیے مختلف جال پھیلا رکھے ہیں۔ اس کی معاشی امداد' اس کی تجارتی چالیں' اس کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے کے معاملات' صنعتی ذرائع میں اضافوں کے دعوے تمام کے تمام میں اس کے مذموم مقاصد چھپے ہیں کہ وہ مسلمان ملکوں کے ذمہ داروں میں احساس ختم کر کے انہیں غیر ذمہ دارانہ روش پر چلا سکے۔

ہمارے بجٹ میں آئی ایم ایف' ورلڈ بینک کی بھرپور مداخلت اپنی شرائط کی راہ ہموار کرنے کے لیے اقلیتوں کی بے باکی' فرقہ وارانہ تنازعات میں آئے روز اضافہ' شان مصطفیٰؐ میں تسلسل کے ساتھ گستاخیاں' ایمانوں کے جذب و جوش کا معیار پرکھنے کا ذریعہ بنتا جا رہا ہے۔ ان گستاخوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے حکومت پر دباؤ ہو سکتا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں رکن قومی اسمبلی جناب جو لیش' پوپ پال سے پوپ کی حیثیت سے تعیناتی کا پروانہ لے کر پاکستان پہنچے تو انہوں نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اسمبلی کے فلور پر حضرت مریم کے خاوند و حضرت عیسیٰ کی پھانسی کا باب پڑھ کر سنایا۔ عیسائی یا دیگر اقلیتوں کو اپنے اپنے عقاید رکھنے کی بھرپور آزادی ہے لیکن پاکستان کی قومی اسمبلی میں قرآن کی بین آیات کی دھجیاں بکھیرنے کی اجازت چہ معنی دارد۔

ان خیالات کی روشنی میں راقم یہ واضح کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ ان سے پہلے حکمران بھی بنیاد پرستی سے بھاگ رہے تھے اور ان کی سپیڈ بھی خاصی تیز ہے تو

مسلمانان پاکستان کے خدشات کو کس طرح روکا جا سکتا ہے کہ یہ حضرات محافظ شان رسالت ایکٹ میں ترمیم سے باز رہیں گے لیکن اس وقت کا تقاضا یہ ہے کہ حکومت اور عوام کے درمیان غلط فہمیوں کو پھیلنا نہیں چاہیے ورنہ امریکہ اور اس کے اتحادی تو مسلمانوں میں انتشار پھیلانا اپنا فرض مقدس تصور کرتے ہیں اور وہ یہی چاہتے ہیں کہ یہ خود ٹکرائیں اور اپنی قوت ضائع کریں تاکہ جو معمولی بچ جائے' اسے ختم کرنے میں اسے آسانی ہو"۔ (ہفت روزہ "حرمت" اسلام آباد' ۲۸ر جولائی ۱۹۹۴ء)

توہین رسالتؐ کا جرم اور عیسائی اقلیت

نور محمد قریشی

جب سے پاکستان میں توہین رسالتؐ کو جرم قرار دیا گیا ہے اور تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۲۹۵سی کا اضافہ کر کے اس جرم کی سزا موت مقرر کر دی گئی ہے' پاکستان کی عیسائی اقلیت مسلسل اس کی تنسیخ کا مطالبہ کر رہی ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے دفعہ ۲۹۵سی کا مطالعہ کر لیا جائے تو بہتر ہو گا۔

> "جو شخص بھی زبانی یا تحریری یا کسی اور ذریعہ یا اشارے سے بالواسطہ یا بلاواسطہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام کی توہین کرے گا' وہ سزائے موت کا حقدار ہو گا"۔

سیدھی سی بات ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک مسلمانوں کے نزدیک اللہ تعالٰی کی ذات کے بعد سب سے بزرگ ہستی ہے۔ مسلمان تو اللہ کو اپنا رب اور کائنات کا خالق بھی اسی ہستی کی گواہی پر مانتے ہیں۔ اس ہستی کا نام نامی اسم گرامی لیتے ہوئے ایک مسلمان کا بلڈ پریشر نارمل نہیں رہتا۔ اس ذات مبارک کی توہین کی جو سزا تعزیرات پاکستان میں مقرر کی گئی ہے' اس پر مسلمانوں کی پوری تاریخ میں کبھی کوئی اختلاف ہوا ہی نہیں۔ عیسائی یہ بات پیش نظر رکھیں کہ ہمارے نبی اکرمؐ کی گواہی پر دنیا کے تمام مسلمان حضرت عیسیٰؑ کی بن باپ پیدائش کو معجزانہ تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت مریمؑ کو کنواری اور پاکدامن مانتے ہیں' جو شخص اس مسئلے میں ہلکا سا شک بھی کرے وہ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے۔ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں متی کا بیان درج ذیل ہے۔ "اب یسوع مسیح کی پیدائش اس

طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریمؑ کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پا گئی۔ پس اس کے شوہر یوسف نے جو راست باز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا' اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا اے یوسف بن داؤد اپنی بیوی مریمؑ کو اپنے ہاں لے جانے سے نہ ڈرو کیونکہ اس کے پیٹ میں جو ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے"۔ (متی باب اول فقرہ نمبر ۱۸ تا نمبر ۲۱)

متی کے بیان کے مطابق فرشتہ مریمؑ کے منگیتر یوسف کے پاس آیا۔ اب ہم لوقا سے معلوم کرتے ہیں۔ "چھٹے مہینے میں جبرئیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا' ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا۔ جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نام سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریمؑ تھا اور فرشتہ نے اس کے پاس اندر آ کر کہا' سلام تجھ پر جس پر فضل ہوا ہے خداوند تیرے ساتھ ہے...... اور دیکھ تو حاملہ ہوگئی اور تیرے بیٹا ہوگا"۔ (لوقا- ب- نمبر ا فقرہ نمبر ۲۶ تا ۳۱)

متی کے بیان کے مطابق فرشتہ یوسف کے پاس آیا لیکن لوقا کے بیان کے مطابق فرشتہ مریمؑ کے پاس آیا۔ ان متعارض بیانات کے ہوتے ہوئے بائبل کی گواہی کس طرح قبول کی جا سکتی ہے؟ بائبل کیوں قابل قبول نہیں ہے اس کے لیے میں صرف ایک مزید حوالہ دینے پر اکتفا کرتا ہوں۔ "اس کے بعد خداوند کا غصہ اسرائیل پر پھر بھڑکا اور اس نے داؤد کے دل کو ان کے خلاف یہ کہہ کر ابھارا کہ جا کر اسرائیل اور یہود کو گن" (سموئیل باب نمبر ۲۴ فقرہ نمبر ا) "اور شیطان نے اسرائیل کے خلاف اٹھ کر داؤد کو ابھارا کہ اسرائیل کا شمار کرے"۔ (تواریخ باب نمبر ۲۱' فقرہ نمبر ا)

حضرت داؤد علیہ السلام کو اسرائیل کی مردم شماری پر شیطان نے آمادہ کیا یا خدا نے؟ بائبل میں ایک دو نہیں سینکڑوں متعارض بیانات موجود ہیں۔ پوپ نے یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قتل معاف کر دیا ہے اور مسلمانوں سے شکایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین پر سزا کیوں رکھ دی ہے۔ اب

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ عیسائی حضرات بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرتے کہ ان کی شہادت پر تمام مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کا احترام کرتے ہیں، لیکن وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین موقع بے موقع (غالباً مغربی ملکوں کی شہ پر) کرتے رہتے ہیں اور اس سے باز آنے کی بجائے دفعہ ۲۹۵سی کی تنسیخ کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں۔ جس شخص کو حال ہی میں اس جرم کے تحت سزا سنائی گئی اور جسے منسوخ کروانے کے لیے ایک پادری نے خودکشی کی ہے، غالباً اس شخص کو اس جرم کا حوصلہ ہماری بے نظیر حکومت کے اس اقدام سے ملا تھا کہ اس نے توہین رسالتؐ کے مجرموں کی سزا معاف کروائی۔ انہیں جرمنی کا ویزا دلوایا، جہاز کا ٹکٹ دیا اور ڈالر بھی دیئے۔ جس جرم کے مرتکب کو یہ سب کچھ ملتا ہو اس کا ارتکاب ایک عیسائی کیوں نہیں کرے گا۔ جبکہ اس کے نتیجہ میں اپنی کمیونٹی میں وہ ہیرو بھی بنے، بین الاقوامی ذرائع ابلاغ پر اس کا نام بھی نشر ہو اور امریکی صدر اس کی سزا معاف کروانے کا مطالبہ بھی کرے۔

عیسائی حضرات جانتے ہیں کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کے بارے میں توہین آمیز کلمہ نہ دل میں سوچ سکتے ہیں نہ زبان پر لا سکتے ہیں اور دفعہ ۲۹۵سی کی تنسیخ کا مطالبہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے رہتے ہیں اور اس سے باز آنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ اگر چوروں کی کوئی انجمن یہ مطالبہ کر دے کہ چوری کی سزا منسوخ کر دی جائے تو کیا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا جائے گا؟ اگر قتل کے تمام ملزم کوئی انجمن بنا کر یہ مطالبہ کریں کہ قتل پر سزا منسوخ کر دی جائے تو کیا اس مطالبہ کو پذیرائی ملنی چاہیے؟ اگر نہیں تو عیسائی اقلیت کا یہ مطالبہ کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ توہین رسالتؐ کی سزا منسوخ کر دی جائے تاکہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے کی چھٹی مل جائے۔ اگر اس سزا کی موجودگی میں کچھ بدبخت یہ جرات کر لیتے ہیں تو اگر یہ سزا ختم کر دی گئی تو کیا عالم ہوگا۔ یہ تصور کرنے کے لیے بہت زیادہ ذہانت کی ضرورت نہیں۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور، ۲۵ر مئی ۱۹۹۸ء)

مسیحیوں کے اشتعال انگیز رویہ کے اسباب

نصرت مرزا

پاکستان میں مسیحیوں کی تعداد ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق ساڑھے گیارہ لاکھ کے لگ بھگ تھی' اب ۱۹۹۸ء میں بیس لاکھ ہوگئی ہے۔ وہ پاکستان میں ایک پرامن اقلیت کے طور پر رہ رہے تھے' پاکستان کی حکومت اور پاکستان کے عوام کا رویہ ان کے ساتھ فیاضانہ رہا ہے۔ مسیحیوں کا پاکستان کے فلاحی کاموں میں حصہ لینا اچھا جانا جاتا ہے۔ انہوں نے سکول کھولے' ہسپتال بنائے اور دیگر رفاعی کاموں میں حصہ لیا لیکن یہ ان کی حکمرانی کی ضرورت تھی' پھر مشنری سکولوں میں انگریزی پڑھائی۔ انگریزی کو پذیرائی حاصل تھی' اس لیے یہ سکول خوب پنپے اور آج بھی یہ سکول اپنے نظم و ضبط کی بنا پر اچھے مانے جاتے ہیں۔ عیسائی مشنریوں نے برصغیر کی ان آبادیوں کو عیسائیت پھیلانے کے لیے اپنی نظر میں رکھا جو مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل تھے' یا مشنری جذبوں کی کمیابی کی بنا مسلمان ان پر توجہ نہ دے سکے' یا پھر ان عیسائی مشنری سکولوں یا اداروں نے ان بچوں پر توجہ دی جن کا کوئی نہ تھا۔ اس طرح انہوں نے عیسائیت کو پھیلایا' ہمیں ان کے اس طرز عمل پر اگر کوئی اعتراض تھا تو اس پر کوئی عملی قدم اس لیے نہیں اٹھاتے تھے کہ مسلمانوں کے یہاں ایسے اداروں کا فقدان تھا جو ایسے یتیم بچوں کی پرورش کا کام کرتے' ان تمام باتوں کے باوجود مسلمانوں اور مسیحیوں کے تعلقات اچھے خاصے بہتر کہلائے جا سکتے تھے۔ حال ہی میں یکے بعد دیگرے وہ گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی واقعات میں ملوث ہوئے' ان میں سے دو ایک پکڑے گئے۔ ایک کیس گوجرانوالہ میں ہوا' بعد میں عدالت سے ضمانت

ہونے کے بعد وہ جرمنی فرار کرا دیا گیا۔ دوسرا کیس ایوب مسیح کا ہوا جس کو سیشن عدالت نے موت کی سزا دی اور جس کے بعد ایک بشپ ڈاکٹر جان جوزف نے خودکشی کر لی' جبکہ دوسرے بشپ کا یہ موقف ہے کہ وہ ایک مذہبی شخص تھا' وہ کیونکر خودکشی کر سکتا تھا' جبکہ خودکشی عیسائیت میں بھی حرام ہے۔ اس کے بعد فسادات پھوٹ پڑے' یہاں تک کہ **مسیحیوں** نے دل کھول کر مسلمانوں کی دل آزاری کی۔ فیصل آباد' کراچی' راولپنڈی' لاہور میں **مسیحیوں** نے جلوس نکالے اور مسلمانوں کو اشتعال دلایا۔ میں نے ایک اخبار کی تصویر میں یہ بینر دیکھا کہ "توہین رسالتؐ کا قانون **مسیحیوں** کے لیے قتل کے مترادف ہے"۔ میں نے سوچا کہ ممکن ہے کہ مسیحی برادری کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہے یا اس کی کوئی اور وجوہات ہیں۔

ایک بات صاف کر لینا چاہیے کہ کیا مسیحی برادری مسلمانوں کے ساتھ رہ کر ان کی دل آزاری کرنا اپنے مذہب کا حصہ سمجھتی ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے' تو پھر وہ یا تو شرارت کر رہے ہیں یا انہیں کوئی بہکا رہا ہے' یا کچھ اور وجوہات ہیں' جن کی وجہ سے وہ مسلمان آبادی سے تصادم کی راہ پر چل نکلی ہے۔ سوال یہ ہے کہ عیسائی برادری ایسے کام کیوں کرے کہ مسلمان کی دل آزاری ہو؟ کیا کوئی اپنے والد بزرگوار کے بارے میں گستاخانہ کلمات سن سکتا ہے یا کوئی اپنی والدہ ماجدہ کی شان میں گستاخی برداشت کر سکتا ہے؟ مسلمانوں کے نزدیک رسول اکرمؐ کا درجہ ماں اور باپ کے درجے سے بھی بلند ہے' ایسی صورت میں یہ بینر کہ "توہین رسالتؐ کا قانون **مسیحیوں** کے قتل کے مترادف ہے" درست نہیں ہے۔

اس کے بعد میں نے سوچا کہ ۲۰ لاکھ کی قلیل آبادی کیونکر ایسے اقدامات کر سکتی ہے اور یہ جرات ان میں کہاں سے آئی کہ وہ ایسے کریں تو اس کی بنیاد میرے نزدیک معاشی ہے۔ پاکستان کے لوگ خصوصاً نوجوان لاکھوں روپے خرچ کر کے امریکہ کا گرین کارڈ یا مغربی ممالک کا ویزہ حاصل کرتے ہیں' توہین رسالتؐ کے دو کیسوں میں ملعون سلمان رشدی اور بنگلہ دیش کی مصنفہ تسلیمہ نسرین کی مغرب میں بہت پذیرائی ہوئی' اس بناء پر شاید پاکستان کے مسیحی نوجوانوں کو یہ پیغام ملا ہو کہ وہ توہین رسالتؐ کر کے مغربی ممالک کا ویزہ حاصل کر سکتے ہیں لیکن مغربی ممالک خود اس طرح اپنے پیر پر کلہاڑی مار رہے ہیں' وہ اگر اپنے مذہب کا خیال کرتے ہیں تو پاکستان کے مسیحی

نوجوانوں کو ویزے کی رعایت دے کر مغربی ممالک لے جائیں۔ مسیحی نوجوان اور لڑکے ملا کر کوئی دو لاکھ کے قریب افراد ہوں گے' جو اس سے مستفید ہوں گے۔ اگر مغربی ممالک پاکستان کے ان مسیحی نوجوانوں سے ہمدردی رکھتے ہیں تو ترجیحی بنیادوں پر ان نوجوانوں کو ویزہ دے سکتے ہیں' یہ نوجوان مغربی ممالک میں جا کر ان کی خدمت بھی کریں گے اور زرمبادلہ بھی پاکستان بھیجیں گے' جس سے پاکستان میں ان کے خاندانوں میں بھی خوشحالی آئے گی۔

یہاں اگر وہ اس قسم کی حرکت میں ملوث ہوئے تو نہ صرف وہ خطرات میں گھر جائیں گے بلکہ پاکستان اور ان مغربی ممالک کے درمیان بلامقصد تعلقات خراب کرنے کا موجب بھی بنیں گے۔ ان کی طرف سے اب مسلح جدوجہد کی باتیں بھی ہونے لگی ہیں' جو خود ان کے اپنے لیے انتہائی خطرہ کا باعث ہے۔ اب یہ بحث بھی زوروں پر ہے کہ آیا بشپ ڈاکٹر جان جوزف نے خودکشی کی یا انہیں قتل کیا گیا اور بعد میں خودکشی کا رنگ دیا گیا۔

پاکستان کے حکمرانوں کو بشپ جان جوزف کی خودکشی یا قتل' اس تناظر میں دیکھنا چاہیے کہ کراچی کے صنعتی شہر کی تباہی کے بعد اب پاکستان کے مانچسٹر فیصل آباد کو دشمن کے ایجنٹوں نے تو کہیں نشانہ نہیں بنایا اور را کے ایجنٹوں نے جان بشپ کو قتل کیا اور پھر مسیحیوں کے جذبات ابھارے' ان کو مقامی آبادی سے ٹکرایا' تاکہ مغرب میں پاکستان کے بارے میں جو نرم گوشہ پیدا ہوگیا ہے' اس کو ختم کیا جا سکے۔ اس وقت دنیا میں مفادات کی جنگ بڑی ہی جدید طرز اور پیچیدہ انداز میں لڑی جا رہی ہے' وہ سیدھے سادھے طریقے سے نہیں لڑی جا رہی ہے۔ فیصل آباد کے ان واقعات کے پیچھے مسیحیوں کی بجائے بھارت اور اسرائیل کا ہاتھ نظر آتا ہے' جس کو خود مسیحی برادری کو سمجھنا چاہیے۔

ہم بشپ جان جوزف کی خودکشی پر' جو انہوں نے اپنے مذہب کی تعلیمات کے خلاف کی' نہیں بول رہے اور عیسائی برادری گستاخانہ انداز میں بولنے کا حق مانگ رہی ہے' یہ بہت زیادتی ہے' جو کسی صورت میں برداشت نہیں کی جا سکتی' اس لیے عیسائی برادری کو اپنے مطالبات کا ازسرنو جائزہ لینا چاہیے۔ اس وقت وہ دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیل کر پاکستان دشمنی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اس طرح خود ان کے اس

دعویٰ کی نفی ہو رہی ہے کہ وہ محب وطن ہیں' کیونکہ اس تصادم کا مستفیض صرف اور صرف انڈیا ہے۔

دفعہ ۲۹۵سی نہ تو مسیحیوں کے احتجاج سے ملتوی ہوگی اور نہ امریکیوں کے دباؤ سے' مسیحیوں کو اپنا احترام کرانے کے لیے دوسرے مذاہب کا احترام کرنا چاہیے' ورنہ اس تصادم کا جو منطقی انجام ہوگا' وہ روکا نہیں جا سکے گا۔ مغربی ممالک اپنے رویہ پر نظرثانی کریں' وہ توہین رسالتؐ کے مرتکب ہونے والے افراد کی پذیرائی نہ کریں' اس سے پوری دنیا میں اتھل پتھل شروع ہو جائے گی جس کا نشانہ مغربی ممالک ہی بنیں گے۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۲۳ر مئی ۱۹۹۸ء)

توہین رسالتؐ کا اصل قانون
سیف صدیق اکبر غازی علم الدینؒ شہید

ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ

پاکستان میں رائج قانون توہین رسالتؐ کو تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵سی میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

"جو شخص دانستہ طور پر کسی بھی طریقے سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کرے' اسے موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی"۔ جبکہ گستاخ رسولؐ کے بارے میں شریعت کا اصل حکم بیان کرتے ہوئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ فرمان علامہ محمد بن یعقوب کلینی نے "اصول کافی" میں نقل کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ سبکیؒ نے توہین رسالتؐ کے موضوع پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں اور یہی موقف شرح و بسط کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

باعث تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ سے دنیا کو پاک کر دینا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ہر غلام کا اولین فریضہ ہے۔ اس کے لیے ریاست کے قانون نافذ کرنے والے اداروں کا انتظار کرنا اور ان کا سہارا لینا غیرت ایمانی کے منافی ہے۔ اپنی جان اور اپنے مال کے تحفظ کی خاطر ایک شہری خود اقدام کر سکتا ہے' اس کے لیے ضروری نہیں کہ ریاستی مشینری کی قانونی کارروائی کا انتظار کرے۔ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی جان اور مال سے لاکھوں کروڑوں درجہ زیادہ عزیز ہے' لہٰذا اس کو قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ذمہ داری قرار دے کر اپنے ہاتھ باندھ لینا ایمان مستقیم اور عقل سلیم کے خلاف ہے۔

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور کا بغور مطالعہ کرنے سے ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی نے حکومت کے اعلیٰ یا ادنیٰ افسر کے پاس جا کر یہ رپورٹ کی ہو کہ فلاں شخص نے میری موجودگی میں میرے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے' لہٰذا آپ اس کے خلاف قانونی کارروائی کریں' عہد رسالتؐ میں توہین رسالتؐ کے ارتکاب کی پانچ مثالیں ملتی ہیں۔ پانچوں واقعات ایسے ہیں کہ جس کسی کے سامنے توہین رسالتؐ کا ارتکاب ہوا' اس نے خود ہی گستاخ رسولؐ کا کام تمام کیا اور بعد میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اطلاع کی۔ صحیح نسائی شریف کتاب تحریم الدم باب الحکم فی من سب النبیؐ میں ایک صحابی کا ذکر ہے کہ اس کی بیوی گستاخ رسولؐ تھی۔ ایک دن اس نے توہین کا ارتکاب کیا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ میری بیوی میرے دو بیٹوں کی ماں تھی۔ میری خدمت گزار تھی' مگر آپ کی گستاخ تھی۔ اس نے میرے سامنے آپ کے خلاف بدزبانی کی' جس پر میں نے اسے قتل کر دیا۔ آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ اس آدمی پر میرا حق ہے اور اس نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ نیز آپؐ نے فرمایا' گواہ رہیو اس عورت کا خون ساقط ہے۔ اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی عورت کو قتل کر دیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتی تھی۔ ایک صحابی نے اپنی گستاخ رسولؐ بہن کو قتل کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا قصہ سنایا' تو آپؐ نے اس عورت کا خون ساقط کر دیا۔ اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو قتل کر دیا' جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا فیصلہ کروایا اور اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر عدم اطمینان کا اظہار کیا اور اپنے معاملے کا فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کروانا چاہا۔ صحیح ابوداؤد شریف کتاب الحدود باب الحکم فی من سب النبیؐ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودی عورت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھی' ایک صحابیؓ نے گلا گھونٹ کر اسے مار دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی' تو آپؐ نے اس کا خون ساقط قرار دیا۔

یہ بات قوم موسیٰ علیہ السلام کے خصائص میں سے ہے کہ مشکل وقت میں وہ

کہہ دیتے تھے کہ اے موسیٰؑ! آپ جانیں اور رب! یہ کام ہمارے بس سے باہر ہے۔ اسی طرح یہ بات ہے کہ اپنی جان و مال کا تحفظ تو خود کریں اور بعد میں قانون نافذ کرنے والوں کو اطلاع کر دیں' مگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے تحفظ کا معاملہ ہو تو پولیس کو رپورٹ کر دیں اور بس! پولیس جانے اور اس کا کام۔ اس طرح عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہلوا لیے اور ممکنہ مشکل صورتحال سے دوچار ہونے سے بھی بچ گئے! وہ یہ کہ توہین رسالتؐ کے اصل قانون پر خود عملدرآمد کرنے کی صورت میں قتل کے الزام میں گرفتاری ہوتی' مقدمہ چلتا' موقف عدالت تسلیم کر لیتی تو بری ہو جاتے' ورنہ غازی علم الدین کی طرح شہادت سے سرفراز ہوتے۔

پاکستان میں رائج قانون توہین رسالتؐ (یعنی تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵سی) تو ملزموں کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اس طرح وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غیرت مند غلاموں کے اقدام سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور بالآخر شک کا فائدہ اٹھا کر عدالت سے بھی عموماً بری ہونے کا اہتمام کر لیتے ہیں۔ مجھے ۲۹۵سی تعزیرات پاکستان پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس طرح توہین رسالتؐ کے قبیح فعل کو کئی ہندسوں سے ضرب دینا پڑتی ہے۔ پولیس کے ہاں رپورٹ درج کرانے والا توہین رسالتؐ پر مبنی ناقابل بیان الفاظ کو دہرائے گا۔ پھر پولیس محرر ان الفاظ کو لکھ کر دہرائے گا۔ پھر پولیس کا تفتیشی افسر اپنی تفتیش میں ضمنیاں لکھتے وقت اور گواہوں کے بیانات زیردفعہ ۱۶۱ ضابطہ فوجداری لکھتے وقت اور چالان کی آخری رپورٹ مرتب کرتے وقت توہین آمیز الفاظ دہرائے گا۔ اس کے بعد عدالت اپنی کارروائی کے دوران گواہوں کے بیانات ریکارڈ کرتے وقت اور ملزم پر چارج فریم کرتے ہوئے۔ غرض بے شمار مرتبہ توہین رسالتؐ پر مبنی الفاظ کی گردان ہوگی۔ یہ صورتحال کسی بھی صاحب ایمان حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ گو کے لیے قابل برداشت نہیں ہوسکتی۔ خصوصاً جبکہ نتیجہ بھی غیر یقینی ہو!

توہین رسالتؐ کے قانون پر سیخ پا ہونے والے وہ لوگ ہیں جو بنی نوع انسان کے عظیم محسنوں یعنی اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں کے خلاف بغض رکھتے ہیں اور ان کی بے ادبی اور گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس لیے وہ توہین رسالتؐ کے قبیح اور گھناؤنے فعل کے مجرموں کے ساتھ ہمدردی کے جوش میں احترام انسانیت اور احترام

قانون جیسی اعلیٰ اقدار کو بھی پامال کر دیتے ہیں۔ جب ایک عام انسان کی توہین قانوناً جرم ہے تو کیا مسلمانوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے دل و جان سے عزیز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کو سنگین جرم قرار دیں!

۱۹۲۹ء میں لاہور کے ایک کتب فروش راجپال نے "رنگیلا رسول" نامی کتاب شائع کی' جس میں پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت بے ادبی کی گئی تھی۔ راجپال کے خلاف رائج الوقت قانون ۱۵۳ اے تعزیرات ہند کے تحت کارروائی کی گئی۔ اس قانون کی رو سے معاشرے کے کسی گروہ کے مذہبی جذبات مجروح کرنے کی سزا پانچ سال قید بامشقت ہو سکتی ہے۔ راجپال کو ماتحت عدالت نے مجرم قرار دے کر قید کی سزا دے دی مگر لاہور ہائی کورٹ نے بوجوہ اسے بری کر دیا۔ اس پر مسلمانوں میں سخت ہیجان برپا ہو گیا۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے غلامان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت کو للکارا۔ راجپال پر یکے بعد دیگرے تین قاتلانہ حملے ہوئے۔ پہلے دو حملے کامیاب نہ ہو سکے۔ تیسرا حملہ غازی علم الدین نے کیا اور راجپال پر آٹھ ضربات چاقو سے رسید کیں' جن میں سے ایک اس کے دل کے آرپار ہو گئی۔ غازی علم الدین موقع پر گرفتار ہوئے۔ انہوں نے بہ آواز بلند کہا کہ میں نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کا بدلہ لے لیا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس سچے عاشق رسولؐ کی وکالت کا فریضہ ادا کیا' مگر لاہور ہائی کورٹ میں بوجوہ کامیابی نہ ہو سکی اور علم الدین شہادت کے بلند مقام پر سرفراز ہو گئے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو قتل پر اکسانے کے جرم میں دو سال قید کی سزا ہوئی۔

۱۹۸۲ء میں فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان کا پانچ رکنی فل بنچ لاہور میں ختم نبوت کے مقدمہ کی سماعت کر رہا تھا' مجھے حکومت پاکستان کی جانب سے وکالت کا شرف حاصل تھا۔ سابق اٹارنی جنرل حاجی غیاث محمد اور سابق ایڈووکیٹ جنرل پنجاب میاں بدیع الزمان میری معاونت کر رہے تھے۔ دوران بحث میں یہ نکتہ بیان کر رہا تھا کہ قادیانی مذہب کی ایک غرض و غایت یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ محو کر دیا جائے کیونکہ جذبہ جہاد کی اصل قوت محرکہ (Motivating Force) یہی ہے۔ میرا موقف تھا کہ جب کوئی شخص قادیانی مذہب

قبول کر لیتا ہے تو اسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں رہتی بلکہ وہ آپؐ کے ساتھ ایک گونہ بغض رکھتا ہے۔ میں نے اس کے لیے دو حوالوں پر انحصار کیا۔ ایک علامہ اقبالؒ کا پنڈت جواہر لال نہرو کے نام طویل خط ہے' جس میں انہوں نے قادیانی مذہب کا بھرپور تجزیہ کیا ہے۔ اس خط میں وہ لکھتے ہیں کہ قادیانیوں کے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغض رکھنے پر میں نے اس وقت تک یقین نہیں کیا' جب تک میں نے اپنے کانوں سے ایک قادیانی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کی شان کے منافی گفتگو کرتے ہوئے نہیں سن لیا۔ فیڈرل شریعت کورٹ میں اس خط کا اقتباس پڑھ کر سنانے کے بعد دوسرا حوالہ میں نے غازی علم الدین شہید کا دیا۔ جب انہوں نے راجپال کو واصل جہنم کر دیا تو علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ ہم باتیں ہی کرتے رہے اور ترکھان کا بیٹا بازی لے گیا۔ اس کے برعکس قادیانی سربراہ مرزا بشیر الدین محمود نے اپنے اخبار "الفضل" میں بیان دیا کہ غازی علم الدین نے جہالت کا کام کیا ہے۔ ہم اس کے اس فعل سے اعلان برات کرتے ہیں۔ میں نے "الفضل" اخبار کا حوالہ اپنی یادداشت سے دیا۔ اس اخبار کی اصل کاپی میرے پاس موجود نہیں تھی' مگر میں نے دیکھا کہ "الفضل" اخبار کا متعلقہ فائل اچانک میرے پاس پہنچ گیا۔ میں نے وہ حوالہ عدالت کو پڑھ کر سنایا اور اصل اخبار دکھا بھی دیا۔ عدالت کا کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ "الفضل" اخبار کا مجلد فائل مجھ تک کیسے پہنچا۔ عدالت کا اس دن کا وقت ختم ہوا تو مجھے مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی ملے اور انہوں نے بتایا کہ صبح عدالت کے لیے روانہ ہوا تو میرے دل میں خیال آیا کہ خالی ہاتھ جانے سے بہتر ہے کہ کوئی کتاب لیتا جاؤں۔ قادیانیوں سے متعلقہ کتابوں کی الماری میں ہاتھ ڈالا تو یہ کتاب ہاتھ لگی جو میں نے کھول کر نہیں دیکھی تھی۔ جب تم بحث کر رہے تھے تو کتاب کو کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اخبار "الفضل" کی مجلد فائل ہے اور حسن اتفاق سے اس ماہ و سال کا ہے' جس کا تم حوالہ دے رہے تھے۔ کتاب کو کھولا تو وہی حوالہ سامنے آ گیا جو تم بیان کر رہے تھے۔ چنانچہ میں نے اس حوالہ پر نشان لگا کر فوراً کتاب تم تک پہنچا دی۔ حافظ عبدالقادری روپڑی اہلحدیث مسلک سے تعلق رکھتے ہیں' جب کبھی ان سے ملاقات ہوتی ہے تو میں انہیں یہ واقعہ یاد دلا کر کہا کرتا ہوں کہ آپ بھی غیب کا علم رکھتے ہیں' تو وہ کمال

شفقت سے مسکرا دیتے ہیں۔ فیڈرل شریعت کورٹ نے اپنے فیصلے (PLD-1985F.S.C.8) میں مذکورہ بالا دونوں حوالے درج کیے ہیں۔

(روزنامہ "دن" لاہور' ۱۴ر مئی ۱۹۹۸ء)

پاکستان، انسداد توہین رسالت کا قانون
اور
اقلیتوں کے حقوق

مولانا عبدالرشید انصاری

اپریل کے دوسرے عشرے کے اختتام پر پنجاب اسمبلی نے ایک متفقہ قرارداد منظور کر کے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ توہین رسالتؐ کے انسداد کے قانون ۲۹۵۔ ج میں ترمیم نہ کی جائے اور اہانت رسول کے سنگین جرم کا ارتکاب کرنے والوں کی لیے موت کی سزا برقرار رکھی جائے۔ دراصل یہ قرارداد ملک میں جاری احتجاج نما اس بحث کا حصہ ہے جو ۵ اپریل کو وزیر اطلاعات خالد احمد کھرل کی دی گئی اس اطلاع سے شروع ہوئی تھی کہ آج کابینہ کے اجلاس میں وزیراعظم نے وزیر قانون کو انسداد توہین رسالتؐ کے قانون میں ترمیم کا مسودہ مرتب کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ شاتمان رسولؐ کے لیے قانون میں موجود سزا منسوخ کر کے ان کے لیے زیادہ سے زیادہ دس سال قید کی سزا مقرر کی جائے۔ اس پر عوام اور خصوصاً تمام دینی حلقوں میں غصہ و اشتعال کا پیدا ہونا ایک لازمی امر تھا۔ چنانچہ دوسرے ہی روز اسلام آباد میں سرکاری حلقوں کو اس بات کی وضاحت کرنا پڑی کہ وفاقی کابینہ نے قانون میں جس ترمیم کا فیصلہ کیا ہے، وہ توہین رسالت کے رائج الوقت قانون میں مداخلت نہیں بلکہ اس قانون میں ایک نئی شق کا اضافہ کرنا ہے جس کے تحت توہین رسالت کا کسی پر جھوٹا الزام لگانے والے کو دس سال تک کی سزائے قید دی جا سکے گی۔ اخبارات

نے یہ وضاحت بھی کر دی کہ یہ غلط فہمی اس لیے پیدا ہوئی کہ قانون کی دفعہ ۲۹۵۔ ج میں ایک الگ ذیلی دفعہ کے ذریعہ اضافہ کی بجائے اسی دفعہ میں ترمیم کا ذکر کیا گیا تھا۔ ان بیانات کے بعد اصولاً بحث و احتجاج کا سلسلہ ختم ہو جانا متوقع تھا۔ مگر قومی اسمبلی کے ایک اقلیتی رکن نے یہ بیان دے کر اس میں مزید اضافہ کر دیا کہ وزیراعظم صاحبہ سے ہماری بات ہوگئی ہے۔ انہوں نے توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کا حکم دے دیا ہے۔ اس لیے بجا طور پر پنجاب اسمبلی کے ارکان نے صاحبزادہ فضل کریم کی پیش کردہ قرارداد حزب اقتدار و حزب اختلاف کی تمیز اور تشخص کا لحاظ کیے بغیر متفقہ طور پر منظور کر کے عملاً حکومت پر واضح کر دیا کہ توہین رسالت کے مرتکبین کی سزا میں تخفیف کا عندیہ معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اگر کوئی بھی نامنصفانہ اقدام کیا گیا تو وہ خود حکومت کے لیے بھی گوناگوں مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔

گستاخان رسالت اور شاتمان نبی ۔کے لیے موت کی سزا کا رائج الوقت قانون پینل کوڈ کی اس دفعہ (۲۹۵) کا حصہ ہے' جو برطانوی دور تسلط میں بھی رائج تھی۔ ۱۹۲۷ء میں اس (دفعہ میں ذیلی دفعہ ۲۹۵۔ الف) کا اضافہ کیا گیا تھا۔ اس کے تحت لوگوں کے مذہبی جذبات مجروح کرنے کا الزام ثابت ہونے پر اڑھائی سال تک کی سزا ملزم کو دی جا سکتی تھی۔ ۱۹۸۲ء میں پاکستان کے فوجی سربراہ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے قرآن کریم کے تقدس کے تحفظ کے لیے اسی قانون میں دفعہ۔ ب کا اضافہ کیا جبکہ ۱۹۸۵ء کی قومی اسمبلی نے جس کے ممبران میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مرحوم' علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری مرحوم' علامہ شاہ بلیغ الدین اور مولانا معین الدین لکھوی جیسے اکابر اہل علم بھی شامل تھے۔

دفعہ ۲۹۵ بی میں ذیلی دفعہ "ج" کا اضافہ کر دیا تھا جس کے بموجب پیغمبر اسلام حضور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بولے یا لکھے ہوئے لفظ یا اشارے' بالواسطہ یا بلاواسطہ طور سے ان کے مقدس نام کو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کے بارے میں توہین آمیز رویہ پر موت' عمر قید یا جرمانے کی سزا مقرر کی گئی تھی۔ اگرچہ اسلامی شریعت کی رو سے یہ قانون بھی توہین رسالت جیسے قبیح جرم کی مرتکبین کو ٹھیک ٹھیک سزا دینے کے تقاضے پورے نہیں

کرتا تھا۔ کیونکہ اسلامی قانون انسانیت کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور ہادی اعظم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے وجود کو اپنی اقلیم میں مسترد کرتا ہے اور اسے دنیا سے چلتا کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن ۱۹۹۰ء میں فیڈرل شریعت کورٹ کے چیف جسٹس جناب جسٹس گل محمد نے لاہور کے ایک فاضل وکیل محمد اسمٰعیل قریشی کی رٹ پٹیشن کا فیصلہ سناتے ہوئے عمر قید اور جرمانے کی سزا کو خلاف شریعت تسلیم کر کے اسے قانون سے حذف کر دیا تھا۔ انسداد توہین رسالت کا قانون مستحکم اور غیر مبہم ہو جانے کے بعد سب سے پہلے قادیانیوں کی جانب سے اس کے خلاف آواز اٹھنا شروع ہوئی لیکن پھر وہ منقار زیر پر کے مصداق وبک گئے جبکہ بعد ازاں ملک میں ایک سے زیادہ واقعات ایسے ہوئے جن میں توہین رسالت کے ملزموں کا تعلق اتفاقاً" عیسائی اقلیت سے تھا۔ بس پھر کیا تھا' ایک منظم طریقے سے انسانی حقوق کے خود ساختہ اجارہ دار بھی انسانیت ہی کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدزبانی کرنے والوں کو قانون کی زد سے بچانے کے لیے میدان میں آ گئے اور اس قانون ہی کو منسوخ کرانے کی ہفوات شروع ہو گئیں۔

ہم نہیں سمجھتے کہ توہین رسالت کے قانون کی زد مسیحیت یا مسیحیوں پر پڑے گی یا ہمارے ملک کی کوئی اور اقلیت اس کے نشانے پر آ جائے گی' کیونکہ سوائے قادیانیت کے کسی بھی مذہب نے یا اس کے ماننے والوں کی قیادت نے اپنے پیروکاروں کو مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح کرنے کی یا اسلام کے پیغمبر حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کی ترغیب نہیں دلائی اور نہ ہی مسلمانوں کو اجازت ہے کہ وہ سیدنا عیسیٰ ابن مریم یا کسی بھی دوسرے نبی کی توہین کریں۔ بالفرض اگر کوئی مسلمان کسی بھی وجہ سے کسی بھی نبی کی توہین کرے تو وہ اسی لمحہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اب تک ایک شبہ یہ تھا کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے تو قومی اسمبلی نے قانون وضع کر دیا ہے' مگر دوسرے انبیاء علیہم السلام کی توہین کرنے پر پابندی نہیں لگائی۔۔۔۔ چنانچہ گزشتہ دنوں (وسط اپریل ہی میں) لاہور ہائی کورٹ کے فل بنچ نے ایک عیسائی مذہبی رہنما بشپ کینتھ کی رٹ درخواست پر اپنے ریمارکس میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں

اور رسولوں کی توہین کے مرتکب کسی بھی شخص کے خلاف توہین رسالت ایکٹ کے تحت کارروائی کی جا سکتی ہے۔ پاکستان پریس انٹرنیشنل نے لاہور سے یہ خبر جاری کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عدالت عالیہ کے ان ریمارکس نے توہین رسالت ایکٹ کے خلاف مختلف طبقات کے طرف سے چلائی گئی پروپیگنڈا مہم کو خاموش کر دیا ہے۔

فاضل عدالت نے مزید کہا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔ عدالت نے فیصلے میں مزید کہا ہے کہ توہین رسالت ایکٹ میں لفظ "تمام پیغمبروں" استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ تمام پیغمبر جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے' بشپ کینتھ نے اپنی درخواست میں عدالت عالیہ سے استدعا کی تھی کہ توہین رسالت ایکٹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام بھی شامل کیا جائے۔ عدالت عالیہ نے کہا کہ مسلمان تمام پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان کی رسالت پر ایمان لائے۔ عدالت عالیہ کی جانب سے قانون کی اس تشریح اور وضاحت کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ مسیحی حضرات مطمئن نہ ہوں اور توہین رسالت کے قانون کے متعلق حق بجانب ہونے کے بارے میں ان کے اذہان میں اب بھی شکوک و شبہات باقی رہیں۔

بایں ہمہ اب بھی کوئی توہین رسالت کے قانون کی مخالفت کرتا ہے تو ہمارا سوال اس سے یہ ہے کہ کیا وہ مسلمانوں کو دینی اعتبار سے اس قدر بے جان' بے احساس اور بے غیرت بنانا چاہتا ہے کہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی توہین کی جائے اور وہ خاموشی و اطمینان سے سنتے رہیں اور زیادتی و ظلم کو رکوانے کے لیے ان کے پاس قانون کا سہارا بھی نہ ہو؟ انصاف سے بتائیے کہ جب کوئی سلیم الفطرت انسان بقائمی ہوش و حواس و صحت عقل اپنے ماں باپ یا اپنی محبوب ہستی کے متعلق نازیبا الفاظ نہیں سن سکتا تو اہل ایمان سے یہ کیوں توقع کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور نبی کے دشمنوں کو وہ خبث باطن کے اظہار کی کھلی چھٹی دے دیں؟ ۲۶ اپریل کو لاہور میں عدالت عالیہ نے ایک درخواست کی سماعت کے دوران واضح کیا ہے کہ دفعہ ۲۹۵۔ ج انسداد توہین رسالت کا قانون آئین کے منافی نہیں ہے۔ اگر یہ قانون منسوخ کر دیا جائے تو پھر زمانہ قدیم کی طرح لوگ ملزم سے خود ہی بدلہ لے لیں گے۔

عدالت نے کہا کہ یہ قانون ملزم کو (جرم ثابت ہونے تک) جان کا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیتا ہے اور اپنی پسند کا وکیل مقرر کرنے کی سہولت دیتا ہے۔ نیز ہم اس قانون کے مخالفین کو یہ بھی بتانا مناسب سمجھتے ہیں کہ پاکستان مسلمانوں کا ملک ہے' اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر معرض وجود میں آیا ہے۔ اس ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ اگر اس ملک میں بھی ناموس رسالت کے تحفظ کا قانون نہ ہو تو یہاں کے تمام مسلمانوں کو مسلمان کہلانے کا کیا حق باقی رہ جاتا ہے؟ ہم عاصمہ جہانگیر اور ان کے فکری ساتھیوں کی کھیپ سے یہ سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ بی بی عائشہ صدیقہؓ کے سرتاج اور سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے برگزیدہ والد حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ لوگوں کا کیا بگاڑا ہے کہ گستاخان رسالت کو رعایتیں دلوانے کے لیے حقوق اور قانون کے نام پر ایک تحریک سی شروع کر دی گئی ہے؟

کیا حقوق انسانی کے ضمن میں (جن کے آپ علمبردار ہیں) اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں اور خصوصاً انسانیت کے محسن اعظم نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزت و احترام کے تحفظ کا پاکستانی مسلمانوں اور پاکستانی قانون کو کوئی حق نہیں ہے؟ آخر کیوں؟ جہاں تک اس قانون میں بیان کی گئی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے موت کی سزا کا تعلق ہے تو یہ سزا محترمہ بے نظیر صاحبہ یا جنرل ضیاء الحق مرحوم نے مقرر نہیں کی' پاکستان کی قومی اسمبلی نے بھی قانون میں اس کا احیاء کیا ہے۔ عدالت عالیہ نے اسے واضح کیا ہے۔ توہین رسالت کے مجرموں اور سلمان رشدی' اکرم عربی' مرزا غلام احمد قادیانی اور اچھرے کے راجپال جیسے شاتمان رسول کے لیے موت کی سزا اسلامی شریعت میں چودہ سو برس پہلے سے موجود ہے اور منشائے الٰہی کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کی ہے۔ کسی مسلمان اتھارٹی کو یہ سزا بدلنے کا حق نہیں ہے۔ مخالف عناصر ٹھنڈے دل سے اپنے رویے کا جائزہ لیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ دفعہ ۲۹۵۔ ج کی مخالفت کے عنوان سے وہ کچھ اور کر رہے ہیں۔

آخری بات یہ ہے کہ توہین رسالت کے انسداد کے قانون کو لوگ اپنے مخالفین کے خلاف ناجائز طور پر استعمال کر سکتے ہیں؟ مگر یہ خدشہ تو ہر قانون کے متعلق پیدا ہو سکتا ہے۔ تو کیا پھر تمام قوانین سے سزائیں حذف کرنے کا مطالبہ کرنا

قرین عقل و انصاف ہوگا؟ قطعاً نہیں! ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام مذاہب کے زعماء اپنے متبعین کو اپنے اپنے مذہب پر کاربند ہونے اور دوسروں کی دلجوئی اور احترام باہمی، نیز ملکی قوانین پامال کرنے سے باز رہنے کی تلقین کریں اور مذہب دشمن، لادین عناصر اور غیر ملکی ایجنسیوں کی سازشیں ناکام بنا دیں۔

(ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک، اگست ۱۹۹۴ء)

قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر اقلیتوں کے اعتراضات کا جائزہ

محمد عطا اللہ صدیقی

ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ساہیوال کی عدالت سے توہین رسالتؐ کے مرتکب ایوب مسیح کو سزائے موت کے فیصلے کے بعد بشپ آف فیصل آباد ڈاکٹر جان جوزف کی پراسرار خودکشی (یا قتل!!؟) نے مسیحی اقلیت کے ایک مخصوص طبقے کی قانون توہین رسالتؐ کے خلاف چلائی جانے والی غیر دانش مندانہ اور جارحانہ مہم کو نقطہ عروج (کلائمکس) تک پہنچا دیا ہے۔ آنجہانی بشپ جان جوزف نے مذکورہ عدالتی فیصلے کے خلاف شدید جذباتی رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے خودکشی کا ارتکاب کیا یا تازہ ترین رپورٹوں کے مطابق انہیں سوچی سمجھی سازش کے تحت قتل کر کے سیشن کورٹ کے سامنے پھینکنے کا ڈرامہ رچایا گیا۔ حقیقت کچھ بھی ہو' دونوں صورتوں میں ان کی موت کا ذمہ دار نہ تو حکومت ہے اور نہ ہی مسلمان اکثریت کو موردِ الزام ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اس افسوس ناک واقعے کے بعد نام نہاد انسانی حقوق کے بدقسمت منادوں اور بعض مسیحی تنظیموں کی طرف سے قانون توہین رسالتؐ کو واپس لینے' احتجاجی جلوس کے دوران مسلمانوں کی املاک کو نقصان پہنچانے اور اشتعال انگیز بیانات کے ذریعے پرامن اکثریت کے جذبات کو مجروح کرنے کا عمل مذکورہ واقعے سے کہیں زیادہ افسوس ناک ہے۔ کیونکہ اس خطرناک صورت حال پر اگر بروقت قابو نہ پا لیا جاتا تو یہ مسلمانوں اور عیسائی اقلیت کے درمیان خطرناک تصادم پر منتج ہو سکتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض شرپسند عناصر اس طرح کے واقعے کو اپنے مخصوص عزائم کی تکمیل کے

لیے استعمال کرنے کی پہلے ہی منصوبہ بندی کر چکے تھے۔ نام نہاد انسانی حقوق کی تنظیموں نے جلتی پر تیل کا کام کر کے جذباتیت کا شکار مسیحی نمائندوں کو مسلم اکثریت سے لڑانے کا افسوس ناک کردار ادا کیا ہے۔

رسالت مآبؐ سے محبت و مودت اور والہانہ عشق و عقیدت مسلمانوں کے دین و مذہب کی وہ بنیاد ہے کہ جس پر اسلام کے پورے نظام فکر کی عمارت قائم ہے۔ جب تک محسن انسانیتؐ سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت دیگر تمام انسانی رشتوں کی محبت پر غالب نہ آ جائے' ایک مسلمان کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلم' مسلمانوں کی اپنے نبی مکرمؐ سے اس قدر والہانہ عقیدت سے بخوبی واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض غیر مسلم' اسلام سے اپنی کدورت کے اظہار اور مسلمانوں کو شدید ذہنی اذیت سے دو چار کرنے کے لیے' ان کی محبوب و مقدس ترین ہستی کی توہین جیسے گھناؤنے جرم کے ارتکاب سے بھی باز نہیں رہتے۔ تحفظ ناموس رسالتؐ مسلمانوں کے نزدیک حساس ترین معاملہ ہے جس کے متعلق معمولی سی بات ہو جائے تو وہ شمع رسالت پر دیوانہ وار اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے میں بھی پس و پیش نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بات پر مسلمانوں کے تمام گروہوں میں کامل اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ توہین رسالتؐ کے مرتکب شخص کی سزا موت ہے۔ اسی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے وفاقی شرعی عدالت نے ۸۶ء میں حکومت پاکستان کو ہدایت کی کہ توہین رسالتؐ کے جرم کی سزا موت مقرر کی جائے۔ عدالتی حکم کی پیروی کے نتیجے میں تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۲۹۵ سی کا اضافہ کیا گیا جس کی رو سے توہین رسالتؐ کے مجرم کی سزا موت مقرر کی گئی ہے۔

قانون توہین رسالتؐ...... احتجاجی سرگرمیوں کا مختصر خاکہ

اس سے پہلے کہ مسیحی اقلیت کے حالیہ مسلح احتجاج کے پس پشت محرکات اور ان کے تحفظات کی حقیقت کا جائزہ لیا جائے' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قانون توہین رسالتؐ کے نفاذ کے بعد اس کو ختم کرانے کے لیے چلائی جانے والی مذموم تحریک کا مختصراً ذکر کر دیا جائے۔ آج سے بارہ سال قبل جب یہ قانون نافذ کیا گیا تو اس کے خلاف سب سے زیادہ احتجاج قادیانیوں کی طرف سے کیا گیا۔ دراصل اس قانون کے نفاذ سے قبل توہین رسالتؐ کے مرتکب افراد کی اکثریت کا تعلق قادیانی فرقے سے

تھا۔ ان کی اشتعال انگیز سرگرمیوں کی وجہ سے امن عامہ کو شدید خطرات لاحق تھے۔ چونکہ اس ضمن میں موثر قانون موجود نہیں تھا' اس لیے بہت سے واقعات میں مسلمان خود ہی شاتم رسول کے خلاف اقدام کر گزرتے تھے۔ قادیانی فرقے کی طرف سے ۲۹۵ سی کے خلاف پاکستان اور یورپ میں جارحانہ احتجاجی مہم کا آغاز کر دیا گیا۔ انہوں نے اس قانون کو بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے پاکستان کے خلاف مذموم پراپیگنڈے کا محاذ کھول دیا۔

قادیانیوں نے جنیوا میں انسانی حقوق کے کمیشن کو درخواست دی کہ پاکستان میں ان کے بنیادی انسانی حقوق کو پامال کیا جا رہا ہے۔ یہ کمیشن اقوام متحدہ کا ذیلی ادارہ ہے۔ اس کا کام دنیا کے مختلف ممالک میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر نظر رکھنا ہے۔ اس کمیشن کی نشاندہی اور سفارشات پر مغربی حکومتیں اپنی خارجہ پالیسی مرتب کرتی ہیں۔ اس زمانے میں جنیوا میں پاکستان کی نمائندگی کے فرائض ایک قادیانی منصور احمد انجام دے رہا تھا۔ کمیشن کے سامنے اس نے حکومت پاکستان کے موقف کی وضاحت کرنے میں جان بوجھ کر غفلت سے کام لیا جس کے نتیجے میں جنیوا کے انسانی حقوق کمیشن نے قرارداد منظور کر لی کہ فی الواقع پاکستان میں قادیانیوں کو پامال کیا جا رہا ہے۔ قادیانی گروہ اس قرارداد کو لے کر واشنگٹن پہنچا۔ وہاں پاکستان مخالف امریکی سینٹ کے ارکان سٹیفن سولارز اور پریسلر کی سرپرستی میں لابنگ کی۔ اس وقت امریکی سینٹ کی خارجہ تعلقات کمیٹی پاکستان کی اقتصادی اور فوجی امداد کے لیے شرائط طے کر رہی تھی۔ قادیانیوں کی کوششوں کے نتیجے میں خارجہ کمیٹی نے قرارداد پاس کی کہ پاکستان کی امداد کے لیے ضروری ہوگا کہ امریکی صدر ہر سال ایک سرٹیفکیٹ جاری کرے گا جس میں یہ درج ہوگا کہ حکومت پاکستان نے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے تدارک میں نمایاں ترقی کی ہے۔

(حوالہ روزنامہ "جنگ" ۵ر مئی ۸۷ء' مضمون مولانا زاہد الراشدی)

قادیانی فرقے کی ان سرگرمیوں کے تناظر میں یہ بات تعجب انگیز نہیں ہے کہ ۸۸ء میں جب پاکستان ہیومن رائٹس کمیشن کا قیام عمل میں لایا گیا تو قادیانیوں کو اس میں بھرپور نمائندگی حاصل تھی۔ جسٹس دراب پٹیل (پارسی) اس کے پہلے صدر اور عاصمہ جہانگیر اس کی پہلی جنرل سیکرٹری تھیں۔ آج کل عاصمہ جہانگیر اس کی چیئر

پرسن اور آئی اے رحمان اس کے ڈائریکٹر ہیں۔ حسین نقی، بیگم نگار احمد، حنا جیلانی وغیرہ جیسے قادیانی افراد کمیشن کے روح رواں ہیں۔ قادیانیوں نے ہیومن رائٹس کمیشن کے پلیٹ فارم کو اپنے مخصوص مفادات کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس کمیشن کی طرف سے ہر سال شائع ہونے والی رپورٹ میں قادیانیوں کے ساتھ کی جانے والی مبینہ زیادتیوں اور ان کے انسانی حقوق کی پامالی کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا۔ کمیشن کی کوئی ایک رپورٹ بھی ایسی نہیں ہے جس میں ۲۹۵ سی کے قانون توہین رسالت کو اقلیتوں کے انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے اسے واپس لینے کا مطالبہ نہ کیا گیا ہو۔ پاکستان میں مغربی سرمائے کے بل بوتے پر این جی اوز اور انسانی حقوق کی تنظیموں کا جال بچھا دیا گیا۔ مسیحی مغرب سے فنڈز کی وصول یابی کے لیے پاکستان کی کیتھولک عیسائی تنظیموں کو بھی ساتھ ملایا گیا۔ ۹۵ء میں سلامت مسیح کیس کی وکالت کر کے عاصمہ جہانگیر اور حنا جیلانی نے عیسائی اقلیت میں اپنا اعتبار قائم کیا اور عیسائیوں کے اندر کام کرنے والی مختلف نئی اور پرانی تنظیموں کو ۲۹۵ سی کے خلاف تحریک چلانے کے لیے منظم کیا گیا۔ اس احتجاجی تحریک میں آنجہانی بشپ جان جوزف عملاً پیش پیش تھے۔ انہوں نے قادیانیوں کے ساتھ مل کر یورپ، امریکہ اور آسٹریلیا کے دورے کیے اور وہاں کی حکومتوں کو ۲۹۵ سی کا قانون واپس لینے کے لیے حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالنے کے لیے تیار کیا۔

قادیانی اور بعض مسیحی راہنماؤں کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے کہ امریکی حکومت اور دیگر یورپی ممالک پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتے ہوئے قانون توہین رسالتؐ کی واپسی کے لیے دباؤ ڈالتے رہتے ہیں۔ گزشتہ ایک سال کے دوران اس دباؤ کی شدت میں اضافہ محسوس کیا گیا۔ ۲۴ جولائی ۹۷ء کے پاکستانی اخبارات کی شہ سرخیاں امریکی وزارت خارجہ کی رپورٹ کے اقتباسات پر مبنی تھیں، جن میں قانون توہین رسالت کو واپس لینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ نومبر ۹۷ء میں کنٹربری (برطانیہ) کے آرچ بشپ ڈاکٹر ایرل کیری پہلی دفعہ پاکستان کے دورے پر آئے۔ پاکستان میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے قانون توہین رسالت کو بنیادی انسانی حقوق کے منافی قرار دیا۔ ان کے متنازعہ فیہ بیانات کے خلاف پاکستان میں شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد فروری ۹۸ء میں امریکی بیورو آف ڈیمو

کرلسی "ہیومن رائٹس اینڈ لیبر" نے پاکستان کے بارے میں مفصل رپورٹ جاری کی۔ اس رپورٹ کے مکمل متن کا ترجمہ بعض اخبارات نے شائع کیا۔ اس رپورٹ کے حق میں انسانی حقوق کی تنظیموں نے بیانات دیے جبکہ پاکستان کی رائے عامہ نے اسے پاکستان کے اندرونی معاملات میں بے جا مداخلت قرار دیا۔ اس رپورٹ میں بھی ۲۹۵ سی کے خلاف مواد موجود تھا۔ مئی ۹۸ء کے پہلے ہفتے میں پاکستان سے آنجہانی بشپ ڈاکٹر جان جوزف اور لاہور کے بشپ ڈاکٹر الیگزینڈر جان ملک روم کے دورے پر گئے۔ بشپ جان جوزف اپنی خودکشی یا قتل سے صرف ایک روز قبل پاکستان واپس آئے تھے اور اخباری اطلاع کے مطابق چند دنوں کے بعد انہوں نے روم میں ۲۹۵ سی کے خلاف ایک احتجاجی مظاہرے میں شریک ہونا تھا۔ ۲۹۵ سی کے خلاف احتجاجی سرگرمیوں کا یہ مختصر خاکہ اسی لیے پیش کیا گیا ہے تاکہ ڈاکٹر بشپ جان جوزف کی خودکشی یا قتل کے پس پشت محرکات کا جائزہ لگایا جا سکے۔

۲۹۵ سی کی مخالفت کے اس پس منظر کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اصل متن اور اس کے متعلق اقلیتوں کے اعتراضات کا جائزہ لیا جائے۔

قانون توہین رسالتؐ...... اصل متن

تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۲۹۵ اور اس کی ذیلی دفعات A B C کا اصل متن درج ذیل ہے:

۲۹۵ : کسی جماعت کے مذہب کی تذلیل کی نیت سے عبادت گاہ کو نقصان پہنچانا یا نجس کرنا:

> جو شخص کسی عبادت گاہ کو یا کسی ایسی چیز کو جو اشخاص کی کسی جماعت کی طرف سے مقدس سمجھی جاتی ہو' اس نیت سے تباہ کرے' نقصان پہنچائے یا ناپاک کرے کہ اس طرح وہ اشخاص کی کسی جماعت کے مذہب کی تذلیل کر سکے یا اس علم کے ساتھ کہ اشخاص کی کسی جماعت کی مذکورہ تباہی نقصان یا ناپاک کرنے سے ان کے مذہب کی تذلیل کا احتمال ہے تو اسے کسی ایک جرم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو دو سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں ہو سکتی ہیں۔

دفعہ ۲۹۵ (الف) : کسی جماعت کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی تذلیل کے

ذریعے اس کے مذہبی جذبات کی بے حرمتی کی نیت سے کینہ وارانہ اور ارادی افعال۔

جو کوئی شخص (پاکستان کے شہریوں کی) کسی جماعت کے مذہبی جذبات کی بے حرمتی کرنے کے ارادی اور کینہ وارانہ مقصد سے الفاظ کے ذریعہ خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا دکھائی دینے والے خاکوں کے ذریعے مذکورہ جماعت کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی تذلیل کرے یا تذلیل کرنے کی کوشش کرے تو اسے کسی ایک قسم کی سزا اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو دو سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

دفعہ ۲۹۵ (ب) : قرآن پاک کے نسخے کی بے حرمتی وغیرہ کرنا:

جو کوئی قرآن پاک کے نسخے یا اس کے کسی اقتباس کی عمداً بے حرمتی کرے' اس کا نقصان یا بے ادبی کرے یا اسے توہین آمیز طریقے سے یا کسی غیر قانونی مقصد کے لیے استعمال کرے تو وہ عمر قید کی سزا کا مستوجب ہو گا۔

دفعہ ۲۹۵ (ج) : پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں توہین آمیز الفاظ وغیرہ استعمال کرنا:

جو کوئی الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا نقوش کے ذریعے' یا کسی تہمت' کنایہ یا در پردہ تعریض کے ذریعے بلا واسطہ یا بالواسطہ رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نام کی توہین کرے گا تو اسے موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کی سزا کا بھی مستوجب ہو گا۔

مسیحی اعتراضات و خدشات

ڈاکٹر الیگزینڈر ملک' بشپ آف لاہور نے آنجہانی بشپ جان جوزف کی مبینہ خودکشی سے متعلق مورخہ ۱۲ مئی ۹۸ء کو آواری ہوٹل میں پریس کانفرنس کے دوران ۲۹۵ بی اور سی پر درج ذیل اعتراضات وارد کیے:

۱۔ ۲۹۵ سی کا قانون اقلیتوں کو ڈرانے' دھمکانے' بھگانے' غلام بنانے اور قتل

کرنے کا لائسنس ہے۔ اس سے Religions Persecution کو قانونی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ ہماری دانست میں یہ قانون Religious Cleansing کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔

۲ - جب اقلیتیں دائرہ اسلام سے باہر ہیں تو پھر ان پر اسلامی شرعی قوانین کا نفاذ سراسر زیادتی اور ظلم ہے۔ لہٰذا غیر مسلموں کو ۲۹۵ سی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ پاکستان میں جیسے غیر مسلم اقلیتوں کو زکوٰۃ اور پابندیٔ شراب نوشی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح انہیں توہین رسالتؐ کے قانون سے بھی مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

۳ - ۲۹۵ سی کے تحت بے گناہ غیر مسلموں کے خلاف جھوٹے مقدمات بنانے کا رجحان عام ہے۔ ابھی تک توہین رسالتؐ کے جتنے بھی مقدمات سامنے آئے ہیں' ان کے محرکات کچھ اور تھے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کوئی بھی مسیحی کسی بھی نبی اور خصوصاً نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

۴ - ۲۹۵ سی میں عمر قید کی سزا حذف کر کے سزائے موت کو لازمی Mandatory کر دیا گیا ہے۔ تاکہ کوئی جج صرف قید کی سزا نہ دے۔ اس طرح جج سے عدل و انصاف کا حق چھین لیا گیا۔ ۲۹۵ سی میں یہ سقم موجود ہے جسے دور کرنے کی ضرورت ہے۔

۵ - ۲۹۵ سی کا قانون امتیازی ہے لہٰذا اسے منسوخ کیا جائے۔

۶ - قانون توہین رسالت انسانی حقوق کے منافی ہے۔ (انسانی حقوق کی تنظیمیں)

قانون پر اعتراضات کا جائزہ

کیا ۲۹۵ سی غیر مسلموں کے خلاف قتل کا لائسنس ہے؟

۱ - کوئی بھی شخص جو پاکستان میں مسلمانوں اور مسیحی اقلیت کے درمیان تعلقات کا حقیقت پسندانہ اور انصاف پر مبنی جائزہ لے' تو یقیناً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ ڈاکٹر الیگزینڈر ملک' بشپ آف لاہور اور دیگر مسیحی راہنماؤں کا ردعمل انتہا پسندانہ' غیر معروضی' سطحی جذباتیت اور مذہبی جنونیت کا انداز لیے ہوئے ہے۔ یہ محض ان کی توہین رسالتؐ کے قانون کے متعلق غیر ضروری حساسیت ہی ہے کہ جس کی بنا پر وہ پاکستان میں عیسائیوں کے حالات کو بے حد مبالغہ آمیز طریقے سے پیش کر رہے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے بشپ آف لاہور نے آتشیں جذبات میں ڈوبی ہوئی اصطلاح Religious Cleansing کا محض نام سنا ہے۔ اس کا تجربہ انہیں نہیں ہے۔ یہ اصطلاح بوسنیا میں بے گناہ مسلمانوں کی نسل کشی کے حوالے سے ذرائع ابلاغ میں استعمال کی جاتی رہی ہے۔ پاکستان میں اقلیتوں پر مبینہ تشدد کا واویلا کر کے اس طرح کی اشتعال انگیز تراکیب اور جملوں کا استعمال ایک خطرناک سوچ کا آئینہ دار ہے۔ مسیحی راہنماؤں کا یہی وہ غیرذمہ دارانہ طرز عمل ہے کہ جس نے پرامن مسیحی اقلیت کو جارحانہ' مسلح ردعمل کی صورت میں قومی املاک کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کی مساجد تک پر حملہ کرنے پر اکسایا ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل جو انسانی حقوق کے نام پر پاکستان کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی' اس کی ۹۷ء کی رپورٹ کے مطابق "آج تک تین عیسائیوں' ایک مسلمان اور دو شیعہ افغانیوں کو زیر دفعہ ۲۹۵ سی سزائے موت سنائی گئی۔ مگر اپیل کے دوران انہیں رہائی نصیب ہوگئی"۔ (ہفت روزہ "آواز" انٹرنیشنل' ۴ جولائی ۹۷ء)...... ۸ مئی کو وائس آف امریکہ نے اپنی نشریات میں اعتراف کیا کہ "توہین رسالتؐ پر آج تک کسی کو موت کی سزا نہیں دی گئی"۔ (روزنامہ "جنگ" ۹ مئی ۹۸ء) بشپ الیگزینڈر ملک بھی اپنی مذکورہ پریس کانفرنس میں عیسائیوں کے خلاف توہین رسالتؐ کے پانچ چھ مقدمات کے اندراج کے علاوہ کوئی ایک مقدمہ بھی پیش نہ کر سکے جس میں کسی اقلیتی رکن کو پھانسی کی سزا عملاً دی گئی ہو۔ جب حقائق یہ ہیں تو پھر قانون توہین رسالتؐ کے خلاف احتجاجی تحریک بلا جواز اور مسلم اکثریت کے جذبات کو مجروح کرنے کے مترادف ہے۔ محسن انسانیتؐ کی ناموس کے تحفظ کے لیے بنائے گئے قانون کو "قتل کا لائسنس" قرار دینا بذات خود توہین آمیز جسارت اور حقائق سے مجرمانہ روگردانی کی ذیل میں آتا ہے۔

۲۔ قانون توہین رسالت سب پر لاگو ہے

اقلیتوں کو قانون توہین رسالتؐ سے مستثنیٰ قرار دینے کا مطالبہ جہاں اسلامی تاریخ اور اسلام کے فلسفہ جرم و سزا اور قانون توہین رسالتؐ کے وجوب اور دلائل شرعیہ کے متعلق مطلق لاعلمی پر مبنی ہے' وہاں یہ بے جا مطالبہ بعض شکوک و شبہات کو بھی جنم دیتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلم

اقلیتوں کو غیر مشروط لائسنس دے دیا جائے کہ وہ حضور اکرمؐ کے خلاف سب و شتم اور زبان درازیاں کرتے پھریں' ناموس رسالت کی دھجیاں بکھیرتے رہیں لیکن ان سے جواب طلبی محض اس بنا پر نہ کی جا سکے کہ وہ غیر مسلم ہیں۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ توہین رسالتؐ کا ارتکاب محض وہ شخص کر سکتا ہے جو دائرہ اسلام سے خارج ہو۔ ایک شخص اگر مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوا' لیکن بعد میں رسالت مآبؐ کی جناب میں گستاخی کا مرتکب ہوا تو اس گستاخانہ حرکت کے ارتکاب سے وہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا۔ اسلام میں ارتداد کی سزا موت ہے۔ ایک شخص مرتد ہونے کے ساتھ ساتھ گستاخ رسول بھی ہو تو اس کے جرم کی شدت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ حالیہ برسوں میں شاتم رسولؐ سلمان رشدی کے خلاف ایرانی رہنما خمینی کی طرف سے قتل کا فتویٰ اس صورت حال کے ضمن میں اہم مثال کا درجہ رکھتا ہے۔ بشپ آف لاہور نے مذکورہ پریس کانفرنس میں من جملہ دیگر باتوں کے بے حد جذباتی انداز میں یہ سوال کیا:

> "جس ملک کی ۹۷٪ آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہو' وہاں توہین رسالتؐ کے قانون کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟ انہوں نے کہا کہ یہ امر بالکل واضح ہے کہ ۳٪ غیر مسلم اقلیتوں کے لیے بنایا گیا ہے۔ اور اگر یہ ایسا ہی ہے تو اکثریت کا یہ کہنا کہ توہین رسالت کا قانون سب پر بلا امتیاز مذہب و ملت پر لاگو ہے' عملاً جھوٹ اور لغو ہے۔ حقائق اس کے بالکل برعکس ہیں"۔

بشپ آف لاہور اگر اپنے خود ساختہ مزعومہ حقائق اور مذہبی تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں تو ان کے لیے بھی یہ جاننا مشکل نہیں ہوگا کہ قانون توہین رسالتؐ محض اقلیتوں کے لیے "ہی" نہیں بلکہ ان نام نہاد مسلمانوں کے لیے "بھی" ہے جو گستاخان رسول کی فہرست میں داخل ہو جاتے ہیں۔ بشپ صاحب کو مدعی نبوت یوسف کذاب کا کیس اچھی طرح معلوم ہے۔ جناب محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ نے اپنی کتاب "ناموس رسالت" اور "قانون توہین رسالتؐ" کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ۸۳ء میں ایک اشتراکی مصنف مشتاق راج کی کتاب "آفاقی اشتراکیت" کا حوالہ دیا ہے جس میں اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمسخر' مذہب اسلام کا مذاق اڑانے کے

ساتھ ساتھ حضور اکرمؐ کی شان میں گستاخی کی جسارت کی تھی۔ اس کے بعد جولائی ۸۴ء میں عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ نے ایک سیمینار میں تقریر کرتے ہوئے رسالت مآب کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے جو سامعین اور امت مسلمہ کی دل آزاری کا باعث تھے۔ پاکستان کے علماء اور وکلاء کی طرف سے اس کی مذمت کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ فوری طور پر شاتم رسول کے بارے میں سزائے موت کا قانون منظور کرے۔

مندرجہ بالا سطور میں ایمنٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ میں ایک سنی اور دو افغان شیعہ ''مسلمانوں'' کا حوالہ دیا گیا ہے جن پر ۲۹۵ سی کے تحت مقدمات درج کیے گئے۔ راقم الحروف کے خیال میں نام نہاد انسانی حقوق کی تنظیموں کے مغربی ایجنٹ جو قانون توہین رسالتؐ کو فتنہ (نعوذ باللہ) قرار دینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ ان پر بھی اس قانون کے تحت مقدمات کا اندراج ہونا چاہیے۔ بشپ صاحب کا یہ کہنا درست ہے کہ ''کوئی مسلمان کسی بھی نبی اور پھر خصوصاً نبی پاکؐ کی توہین کا تو درکنار اس کا سوچ بھی نہیں سکتا''۔ بشپ الیگزینڈر ہر اس فرد کو ''مسلمان سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہیں جو اتفاق سے کسی مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا۔ حالانکہ مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے والے افراد میں ہزاروں ایسے ملیں گے جو اسلام کو دین کامل نہیں سمجھتے۔ وہ اپنی فکر کے اعتبار سے ملحد' اشتراکی' بے دین اور سیکولر ہیں۔ لاہور بار ایسوسی ایشن کے صدر آذر لطیف کا تعلق بھی انہی نام نہاد ''مسلمانوں'' کے طبقہ سے ہے کہ جس نے محض انتہا پسند مسیحی راہنماؤں اور آئی اے رحمان اور عاصمہ جہانگیر (قادیانی) کے ساتھ ہم آواز ہو کر مورخہ ۸ مئی کو ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''قانون توہین رسالتؐ ظلم پر مبنی ہے'' (روزنامہ ''دن'' ۹ مئی ۹۸ء) مسلم لیگ لائرز فورم نے بجا طور پر مطالبہ کیا ہے کہ ''آذر لطیف کے خلاف توہین رسالت کا مقدمہ درج کر کے سزا دی جائے (روزنامہ ''دن'' ۲۰ مئی ۹۸ء) قانون توہین رسالت تمام انبیاء کرام کی ''توہین'' کو جرم قرار دیتا ہے۔ اس بات کا اعتراف بعض امن پسند مسیحی راہنماؤں نے بھی کیا ہے۔ چیف بشپ کینتھ نے بشپ جان جوزف کی موت کو قتل قرار دینے والے انٹرویو میں کہا:

''وہ لوگ جو اس قانون کو غلط قرار دے رہے ہیں' ان لوگوں نے خود

اسی قانون کے تحت اپنے عیسائی بھائیوں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا ہے۔ تسلیم دانیال جسے برائے نام آرچ بشپ کہا جاتا ہے۔ اس نے لاہور چھاؤنی کے چرچ آف پاکستان پر کچھ افراد کے ذریعے قبضہ کر لیا۔ انسانی حقوق کا شور مچانے والوں نے اس پر دہشت گردی کی عدالت کے ذریعے بائبل کی بے حرمتی' فادر کو تھپڑ مارنے اور انبیاء کرام کو برا بھلا کہنے پر اسے گرفتار کروا دیا اور اس کی ضمانت بھی نہ ہونے دی۔ بشپ آرمانڈو نے جمی ڈےمنی نامی شخص کو اس قانون کے تحت حوالات میں بھجوا دیا۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ وہ خود تو اس قانون کے ذریعے عیسائیوں کو اندر کروا رہے ہیں اور خود ہی اس قانون کے خلاف شور مچا رہے ہیں"۔

(روزنامہ "آزاد" ۱۱ر مئی ۹۸ء)

گزشتہ برس شانتی نگر کے افسوس ناک واقعے کے دوران بہت سے مسلمانوں پر عیسائیوں کے مقدس مقامات کی بے حرمتی اور بائبل کے صفحات کے تقدس کو پامال کرنے کے الزام میں مقدمات درج کیے گئے اور یہ مقدمات ابھی تک زیر سماعت ہیں۔ اسی طرح کے متعدد واقعات کو بشپ آف لاہور کے من گھڑت دعوے کی تردید میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

غیر مسلموں پر قانون توہین رسالت کے نفاذ کی شرعی حیثیت

بشپ الیگزینڈر ملک نے اقلیتوں کو قانون توہین رسالتؐ سے مستثنیٰ قرار دینے کے لیے زکوٰۃ اور شراب کے قوانین کا حوالہ دیا ہے۔ اگر اسلامی تاریخ کے اولین روشن باب پر وہ نگاہ ڈالتے تو اس طرح کا غیر منطقی استنباط ہرگز نہ کرتے۔ یہ درست ہے کہ غیر مسلموں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا لیکن اسلامی ریاست میں انہیں ذمی کا درجہ حاصل تھا اور ذمیوں سے خاص نوعیت کا ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ پاکستان آئینی اعتبار سے ایک اسلامی ریاست ہے لیکن یہاں کوئی بھی اقلیتی رکن ذمی کی حیثیت قبول نہیں کرے گا بلکہ اسے توہین آمیز اور امتیازی سلوک کا نام دیا جائے گا۔ اس ضمن میں دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے قرون اولیٰ اور از منہ وسطیٰ میں جب اقلیتوں کو زکوٰۃ اور شراب کی پابندی کے اسلامی قوانین سے مستثنیٰ

قرار دیا گیا تھا' اس زمانے میں بھی عیسائیوں' یہودیوں اور دیگر غیر مسلموں پر خود رسالت مآب' خلفائے راشدینؓ' بنو امیہ' بنو عباس اور سپین میں مسلمانوں کے اقتدار کے زمانے میں توہین رسالت کا قانون نافذ رہا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اپنی معرکتہ الاراء تصنیف "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں قرآن و سنت' آثار صحابہ کرامؓ اور مسلمانوں کے مذاہب اربعہ کے اقوال جمع کرنے کے بعد یہ رائے دی ہے کہ "رسول اکرمؐ کی نصرت و اعانت اور اکرام و احترام واجب اور آپؐ کے دشنام طراز کو قتل کرنا واجب ہے" ابوالفضل قاضی عیاضؒ اندلس میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز رہے۔ انہوں نے اپنی معروف تصنیف "کتاب الشفاء" میں توہین رسالتؐ کے موضوع پر کئی ابواب قلم بند کیے ہیں۔ اس کتاب میں ایک مقام پر وہ فرماتے ہیں "تمام علمائے امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ شاتم رسولؐ یا وہ شخص جو آپؐ میں نقص نکالے' کافر اور مستوجب وعید و عذاب ہے اور پوری امت کے نزدیک واجب القتل ہے"۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ "جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا کسی اور نبیؐ کو گالی دے' اسے قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر"۔ جناب محمد اسمٰعیل قریشیؒ صاحب کی کتاب "ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قانون توہین رسالت" اس موضوع پر اب تک اردو زبان میں جامع ترین حوالہ کی کتاب ہے' جس میں انہوں نے قدیم و جدید علماء کے اقوال و نظائر کو جمع کرنے کے ساتھ ابن تیمیہؒ اور قاضی عیاضؒ کی کتب کے متعلقہ حصوں کے تراجم بھی نقل کر دیے ہیں۔ اپنی اس قابل قدر تالیف میں فاضل مصنف نے کعب بن اشرف یہودی سردار مدینہ' ایک عیسائی راہب اور متعدد دیگر غیر مسلم گستاخان رسولؐ کے واقعات نقل کیے ہیں جنہیں توہین رسالتؐ کے جرم کی وجہ سے سزائے موت دی گئی۔ مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں پاکستان کے مسیحی راہنماؤں کا مندرجہ بالا مطالبہ منظور کرنا شریعت اسلامیہ کی سنگین خلاف ورزی میں شمار ہو گا۔ جس کی مسلم اکثریت کبھی بھی اجازت نہیں دے گی۔

۳۔ مسیحیوں سے توہین رسالت کا صدور...... تاریخی شواہد

بادی النظر میں بشپ الیگزینڈر ملک' انسانی حقوق کی تنظیموں اور ایمنسٹی

انٹرنیشنل کی آراء سے اتفاق کرنا مشکل ہے جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ۲۹۵ سی کے تحت توہین رسالتؐ کے جتنے بھی مقدمات سامنے آئے ہیں' ان کے محرکات کچھ اور تھے اور تاریخی شہادتوں اور حال میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی روشنی میں بشپ آف لاہور کی طرف سے یہ یقین دہانی "کہ کوئی مسیحی نبی پاکؐ کی توہین کا سوچ بھی نہیں سکتا" ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے۔ یہ بات درست ہے کہ پاکستان میں بسنے والی مسیحی برادری کی اکثریت مسلمانوں کے پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کی ادائیگی سے احتراز کرتی ہے لیکن تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ ہر دور میں عیسائیوں اور غیر مسلموں کی ایک مخصوص تعداد توہین رسالت کا ارتکاب کر کے مسلمانوں کی دل آزاری کا سامان کرتی رہی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اس عیسائی راہب کے بارے میں جو رسول اکرمؐ کو گالیاں دیا کرتا تھا' قول نقل کیا ہے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں "اگر میں اس کی بات سن لیتا تو اسے قتل کر دیتا"۔

گیارہویں' بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی کے دوران مسلمانوں اور مسیحی یورپ کے درمیان صلیبی جنگوں نے کلیسا کے کار پردازوں کے دلوں میں اسلام اور شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نفرت کے جذبات کو مزید بھڑکا دیا تھا۔ اس دور میں عیسائی پادریوں کی طرف سے اسلام کے خلاف تحریر کی جانے والی کتابوں میں سرور کائنات' محسن انسانیتؐ کے خلاف بے حد اہانت آمیز اور گھٹیا الزام تراشی پر مبنی تحریریں ملتی ہیں۔ شاتم رسولؐ سلمان رشدی ملعون نے اپنی "شیطانی ہفوات" میں رسالت مابؐ کے لیے جو نام استعمال کیا ہے (جس کو دہرانے کی راقم میں ہمت نہیں) وہ پہلی دفعہ مسیحی مصنفین نے استعمال کیا تھا۔ مسلم سپین کی تاریخ میں ایک جنونی پادری نے مسیحی نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں پر مشتمل ایک گروہ تشکیل دیا تھا جنہیں تربیت دی جاتی تھی کہ وہ نماز جمعہ کے فوراً بعد قرطبہ کی جامع مسجد کے بیرونی دروازے پر کھڑے ہو کر جناب رسالت مابؐ کی شان میں گستاخانہ کلمات (معاذ اللہ) کہیں۔ ایسے مسیحی گستاخان رسولؐ کو جنت کی بشارت دی جاتی تھی۔ مسلمان' شاتمان رسول کو پکڑ کر قرطبہ کے قاضی کے حوالے کر دیتے۔ قاضی کے سامنے جرم کا اعتراف کرنے والوں کو موت کی سزا دی جاتی تھی۔ یہ سلسلہ اس وقت ختم ہوا' جب

اس بڈھے جنونی پادری کو سزائے موت ہوئی۔ مشہور یورپی مورخین سٹینلے لین پول' ڈوزی' واشنگٹن ارونگ اور پی کے ہٹی نے اس گروہ کو جنونی قرار دیتے ہوئے ان کی مذمت کی ہے۔

پروفیسر فلپ کے ہٹی (Philip K. Hitti) دور حاضر میں عربی زبان اور تاریخ کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ وہ پرنسٹن یونیورسٹی میں اسلامی ادب کے پروفیسر رہے ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں "اسلام اور مغرب" کے عنوان سے امریکہ میں ان کی ایک کتاب شائع ہوئی۔ اس کتاب کا چوتھا باب "اسلام مغربی لٹریچر میں" کے نام سے ہے جس میں انہوں نے اسلام' اسلامی تاریخ اور اسلامی شخصیتوں کے بارے میں ۲۹ اقتباسات نقل کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں "قرون اولیٰ و وسطیٰ کے مغربی لٹریچر میں پیغمبر اسلامؐ کو عام طور پر جعل ساز (Imposter) اور جھوٹے رسول (نعوذ باللہ' عیاذا باللہ) کی حیثیت سے متعارف کرایا جاتا تھا۔ اسی طرح ان کے نزدیک قرآن ایک بناوٹی کتاب (نعوذ باللہ) اور اسلام ایک نفس پرستانہ طریق حیات تھا۔ محمدؐ کے بعد ڈیڑھ صدی تک ان کے پیروکار پہلے مدینہ' پھر دمشق اور اس کے بعد بغداد سے نکل کر بازنطینی سلطنت کو روندتے رہے۔ یہاں تک کہ بڑھتے ہوئے مسیحیت کے مشرقی دارالسلطنت کے دروازے تک پہنچ گئے۔ تقریباً آٹھ سو برس تک مسلمان سپین پر قابض رہے۔ سسلی دو صدیوں تک ان کے قبضہ میں رہا اور اٹلی کے خلاف ایک فوجی اڈے کا کام کرتا رہا۔ بارھویں اور تیرھویں صدی کے دوران مغربی اقوام مسلمانوں کی زمین پر صلیبی جنگ لڑتی رہیں۔ ان صلیبی لڑائیوں کی یاد آئندہ نسلوں میں باقی رہی"۔ وہ آگے جا کر لکھتے ہیں:

> "زرتشت' بدھ ازم اور کم ترقی یافتہ مذاہب کی کبھی اس طرح سے نفرت اور تحقیر نہیں کی گئی جیسا کہ اسلام کے ساتھ پیش آیا۔ بنیادی طور پر خوف' دشمنی اور تعصب تھا جس نے اسلام کے بارے میں مغرب کے نقطہ نظر کو متاثر کیا"۔

فلپ کے ہٹی نے شام کے مشہور عیسائی عالم سینٹ آف دمشق (۷۴۹ء) کا ذکر کیا ہے جو بازنطینی روایات کا بانی تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں اسلام کا تعارف ایک بت پرستانہ مذہب کی حیثیت سے کیا ہے' جس میں ایک خودساختہ (نعوذ باللہ)

رسول کی پرستش ہوتی ہے۔ اٹلی کے مشہور شاعر دانتے (۱۳۲۱ء) نے "ڈیوائن کامیڈی" میں حضرت محمدؐ اور حضرت علیؓ کا ذکر بے حد اہانت آمیز طریقے سے کیا ہے۔ بازنطینیوں میں پہلا شخص جس نے حضرت محمدؐ کا باقاعدہ ذکر کیا اور اسلام پر گفتگو کی' وہ مورخ تھیوفین (Theo-phane) تھا جس کا انتقال ۸۱۸ء میں ہوا۔ وہ بغیر کسی حوالے کے حضرت محمدؐ کو مشرقی باشندوں کا حکمران اور خود ساختہ (نعوذ باللہ) رسول لکھتا ہے۔ قرطبہ کا ایک بشپ یولوگیس (Eulogius) جو اپنے وقت کا بہت بڑا عالم تھا' وہ حضور اکرمؐ کے بارے میں اپنے بغض کا اظہار بے حد توہین آمیز طریقے سے کرتا تھا۔ عیسائی عالموں نے ایک مضحکہ خیز کہانی ایجاد کی کہ اسلام کے بانیؐ نے ایک سفید کبوتر کو تربیت دے رکھی تھی تاکہ وہ ان کے کندھے پر بیٹھا رہے اور کان کے اندر پڑے ہوئے دانے کو چگنے کے لیے کان میں چونچ مارتا رہے۔ اس سے وہ عیسائیوں کو یقین دلانا چاہتے تھے کہ کبوتر کے ذریعہ سے روح القدس ان کو الہام کر رہا ہے۔ یہ بے ہودہ افسانہ اس قدر مشہور ہوا کہ وہ انگریزی ادب میں شامل ہوگیا۔ چنانچہ شیکسپیئر نے اپنے ایک کردار کے ذریعے اس کہانی کو دہرایا ہے۔ ایلزبتھ دور کا ایک اور نامور مصنف فرانسس بیکن اپنے مضامین میں پیغمبر اسلامؐ کو سخت تضحیک اور استہزاء کا نشانہ بناتا تھا۔ ۱۶۷۹ء میں ایک انگلش پادری لانس لاٹ ایڈیسن نے ایک کتاب لکھی جس کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ اسلام ایک مکارانہ مذہب کا معیاری نمونہ ہے۔ فرانس کا مشہور ادیب والٹیر اپنی تمام تر روشن خیالی کے باوجود ۱۷۴۲ء میں شائع ہونے والی "ٹریجڈی" میں رسول عربی کا ذکر بے حد قابل اعتراض پیرائے میں کرتا ہے۔ انیسویں صدی کے معروف مستشرق ولیم میور نے حضور اکرمؐ کی حیات پر "لاف آئف محمدؐ" کے نام سے لکھی جانے والی کتاب میں آپؐ کی شان میں دریدہ دہنی اور گستاخیاں کی ہیں۔ ملکہ وکٹوریہ کے دور میں برصغیر پاک و ہند میں آنے والے عیسائی مشنری اسلام اور بانی اسلامؐ کے خلاف نازیبا حملے کیا کرتے تھے۔ (ماخوذ از پی کے ہٹی)

مندرجہ بالا تاریخی شہادتوں اور بعض ذاتی مشاہدوں کی بنیاد پر بشپ آف لاہور کی اس ضمانت اور یقین دہانی کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی کہ "کوئی مسیحی نبی پاکؐ کی توہین کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا"۔

سلامت مسیح اور رحمت مسیح کو اگرچہ ہائی کورٹ نے ناکافی شہادتوں کی بناء پر توہین رسالتؐ کیس سے بری قرار دیا تھا لیکن اس واقعے کے بعض گواہوں کو اب بھی یقین ہے کہ سلامت مسیح نے توہین رسالتؐ پر مبنی تحریر مسجد میں پھینکی تھی۔ سلامت مسیح کے چچا نے کراچی سے مقامی مولوی صاحب کو جو خط لکھا تھا' اس میں اس نے اعتراف کیا تھا کہ سلامت مسیح سے غلطی ہوئی ہے جس کی میں معافی چاہتا ہوں۔ ایوب مسیح کا کیس جس میں ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج نے ۲۷ اپریل کو سزائے موت سنائی ہے' مسیحی قیادت کی تکرار کے باوجود کہ اس مقدمے کا اصل محرک زمین کا جھگڑا ہے' مقامی لوگ ان کے اس دعویٰ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مختصراً یہ کہ مسیحی اقلیت کے بعض افراد کی طرف سے توہین رسالتؐ کے ارتکاب کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ کیا اس قانون میں عدلیہ سے آزادی فیصلہ اور انصاف کا حق چھینا گیا ہے؟

جہاں تک تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ سی سے عمر قید کی سزا حذف کر کے سزائے موت کو لازمی (Mandatory) قرار دینے کا تعلق ہے' یہ تبدیلی ججوں سے عدل و انصاف کا حق چھیننے کی غرض سے نہیں لائی گئی۔ ایسی بیان بازی فرسودہ پراپیگنڈہ سے زیادہ نہیں ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ یہ تبدیلی ایک بدیہی آئینی تقاضے کی تکمیل ہے۔ آئین پاکستان کے آرٹیکل ۲۲۷ کی رو سے پاکستان میں مروجہ تمام قوانین و قواعد و ضوابط کو قرآن و سنت سے ہم آہنگ کرنا لازمی ہے۔ امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ توہین رسالتؐ جیسے سنگین جرم کی سزا صرف موت ہے۔ اسلامی ریاست کا فریضہ ہے کہ وہ کسی بھی جرم کی سزا کے تعین کے لیے معیار صرف قرآن و سنت کی تعلیمات کو بنائے۔ اسلام اقلیتوں کے جان و مال کو تحفظ دیتا ہے اور بہت سے ان کے سیاسی و سماجی حقوق کو تسلیم کرتا ہے لیکن جہاں تک جرم و سزا کے نفاذ کا تعلق ہے' اس میں اقلیتوں کے اعتراضات و خدشات کی بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات و احکامات کو ہی پیش نظر رکھتا ہے۔

گستاخان رسول کی روز افزوں جسارتوں کے پیش نظر مجاہد ناموس رسالتؐ

جناب محمد اسمٰعیل قریشی ایڈووکیٹ کی شبانہ روز جدوجہد اور تحریک پر ۸۶ء میں آپا نثار فاطمہ مرحومہ نے قومی اسمبلی میں تعزیرات پاکستان میں ایک مزید دفعہ ۲۹۵ سی کا بل' جس کی رو سے شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سزا' سزائے موت تجویز کی گئی' پیش کیا۔ اس وقت کے وزیر قانون اقبال احمد خان صاحب نے شروع میں اس بل کی حمایت سے معذرت کا اظہار کیا' لیکن بعد میں حکومت وقت مسلمانوں کے اس متفقہ مطالبے کے پیش نظر اس کی مخالفت کی جرات تو نہ کر سکی البتہ وزارت قانون کی طرف سے اس بل میں یہ ترمیم کر دی گئی کہ شاتم رسولؐ کی سزا' سزائے موت یا عمر قید ہوگی۔ اس طرح دفعہ ۲۹۵ سی کا تعزیرات پاکستان میں اضافہ کر دیا گیا۔ جناب اسمٰعیل قریشی صاحب نے اس بل کے پاس ہونے کے مراحل اور پس منظر کو اپنی کتاب میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یہاں یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ آپا نثار فاطمہ کے قومی اسمبلی میں توہین رسالتؐ کا بل پیش کرنے سے دو سال قبل یعنی ۸۴ء میں محمد اسمٰعیل قریشی صاحب فیڈرل شریعت کورٹ میں پاکستان کے آئین کی دفعہ ۲۰۳ ڈی کے تحت پٹیشن نمبر ۱ / ایل ۸۴ء دائر کر چکے تھے۔ اس شریعت پٹیشن میں دفعہ ۲۹۵ اے تعزیرات پاکستان کو چیلنج کیا گیا تھا جس میں توہین مذہب کی سزا دو سال مقرر تھی اور گستاخ رسولؐ کی سزا بھی یہی تھی۔ اس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ توہین رسالتؐ کی سزا' سزائے موت بطور حد مقرر کی جائے۔ اس شریعت پٹیشن میں ان کے ساتھ تمام مکاتب فکر کے علماء' سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے سابق جج صاحبان' سابق وزرائے قانون' سابق اٹارنی جنرل' سابق ایڈووکیٹ جنرل' لاہور ہائی کورٹ بار اور دیگر بار کونسلوں کے صدر صاحبان سمیت ایک سو پندرہ شہری شامل تھے۔ فریقین کے دلائل کی سماعت کے بعد وفاقی شرعی عدالت نے اپنا فیصلہ محفوظ کر لیا تھا۔ درخواست گزار جناب اسمٰعیل قریشی اور ان کے دیگر رفقاء ۲۹۵ سی کے تعزیرات پاکستان میں بذریعہ آرڈیننس ۸۸ء شامل کر لیے جانے کے باوجود مطمئن نہیں تھے کیونکہ اس میں سزائے موت کے ساتھ عمر قید کو بھی رکھا گیا۔ جناب قریشی صاحب کے اپنے الفاظ میں:

> "لیکن چونکہ اس دفعہ سے راقم الحروف (اسمٰعیل قریشی) مرحومہ آپا نثار فاطمہ' علمائے کرام' وکلاء اور مسلمان عوام مطمئن نہیں تھے' اس لیے

دوبارہ فیڈرل شریعت کورٹ میں ۲۹۵ سی کو راقم الحروف نے "مسلم ماہرین قانون کی تنظیم" کی جانب سے اس بناء پر چیلنج کر دیا کہ توہین رسالت کی سزا بطور حد سزائے موت مقرر ہے اور حد کی سزا میں حکومت ہی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کو بھی سوئی کی نوک کے برابر کمی یا اضافہ کرنے کا اختیار نہیں اور یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ اس مقدمہ کی سماعت یکم اپریل ۸۷ء کو شروع ہوئی..... بالآخر وہ ساعت سعید بھی آ گئی' جب فیڈرل شریعت کورٹ نے متفقہ طور پر' اس گدائے شہ عرب و عجم کی پٹیشن منظور کرتے ہوئے توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی متبادل سزا "عمر قید" کو غیر اسلامی اور قرآن و سنت کے خلاف قرار دیا اور حکومت پاکستان کے نام حکم نامہ جاری کیا کہ عمر قید کی سزا کو دفعہ ۲۹۵ سی سے حذف کیا جائے' جس کے لیے حکومت کو ۳۰ اپریل ۹۱ء تک کی مہلت دی گئی۔ اس کے خلاف حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی جو بعد میں واپس لے لی گئی جس کے بعد توہین رسالتؐ کی سزا پاکستان میں بطور "سزائے حد" نافذ ہو گئی"۔

(ناموس رسولؐ اور قانون توہین رسالتؐ" صفحہ ۴۶-۴۷)

بعض مسیحی راہنماؤں کا یہ خدشہ بے بنیاد ہے کہ ۲۹۵ سی میں سزائے موت کو لازمی قرار دینے کا مقصد پاکستان میں بسنے والی اقلیتوں کو عدل و انصاف سے محروم کرنا ہے۔ ان کا یہ پراپیگنڈہ بھی حقیقت کے برعکس ہے کہ یہ ترمیم بہت عجلت میں کی گئی۔ حالانکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ میں دوسری پٹیشن جس کے ذریعے عمر قید کی سزا کو حذف کرنے کی درخواست شامل تھی' ۸۷ء میں دائر کی گئی اور اس کا فیصلہ ۳۰ اکتوبر ۹۰ء کو سامنے آیا۔ وفاقی شرعی عدالت کے فاضل جج صاحبان جنھوں نے اس شریعت پٹیشن کی سماعت کی' ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱- جناب جسٹس گل محمد خان' چیف جسٹس
۲- جناب جسٹس عبدالکریم خان کندی
۳- جناب جسٹس عبادت یار خان۔

۴۔ جناب جسٹس عبدالرزاق اے تھیم
۵۔ جناب جسٹس فدا محمد خان۔

جیسا کہ اس فیصلہ میں مذکور ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے اس مقدمہ کی سماعت کے لیے عوام الناس کے نام نوٹس جاری کیے اور فقہاء حضرات سے بھی معاونت طلب کی۔ فاضل جج صاحبان نے تاریخی فیصلہ میں بالخصوص سات علمائے کرام' مولانا سبحان محمود' مولانا مفتی غلام سرور قادری' مولانا حافظ صلاح الدین یوسف' مولانا عبدہ الفلاح' مولانا سید عبدالشکور' مولانا فضل ہادی اور مولانا سعید الدین شیرکوٹی کے دلائل اور خیالات و آراء کو اپنے فیصلے میں بیان کیا ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کا چالیس صفحات کی ضخامت پر مبنی فیصلہ توہین رسالت کے موضوع پر متعلقہ قرآنی آیات' نبی اکرمؐ کے اپنے فیصلہ جات' احادیث مبارکہ' تعامل خلفائے راشدین' مسالک اربعہ کے قابل قدر آئمہ کرام اور اسلامی تاریخ کے جوامع العلوم علماء و فقہاء اور مسلم قضاۃ کے فیصلہ جات کا بیش بہا خزانہ اور فی الواقع ایک جامع دستاویز ہے۔ فاضل عدالت نے شاتم رسولؐ کی سزا کے ساتھ' شاتم رسولؐ کے ارتداد اور توبہ کے مسئلہ' اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تعین اور اس کی واضح تعریف' توہین رسالت کے جرم میں نیت کے دخل' سزا دینے سے قبل مجرمانہ نیت اور مقصد جرم کی چھان پھٹک' حاکم یا جج کو شاتم کا رویہ اور موقع محل دیکھنے جیسے معاملات پر بے حد موثر اور عالمانہ بحث کرنے کے بعد نتائج اخذ کیے ہیں۔ ان تمام معاملات کے متعلق ائمہ کرام کی فقہی اور علمی آراء کا بے حد بلیغ پیرائے میں تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ جناب اسمٰعیل قریشی صاحب کی مذکورہ کتاب میں اس فیصلے کا مکمل متن اردو ترجمے کے ساتھ موجود ہے۔ وفاقی شرعی عدالت اس مقدمے کی مفصل سماعت اور پیش کردہ مواد کے تجزیے کے بعد بالآخر اس نتیجے پر پہنچی۔ عدالت کے اپنے الفاظ میں:

"مندرجہ بالا بحث کے پیش نظر ہماری رائے یہ ہے کہ عمر قید کی متبادل سزا' جیسا کہ دفعہ ۲۹۵ سی پاکستان ضابطہ تعزیرات میں مقرر ہے' احکامات اسلام سے متصادم ہے جو قرآن اور سنت میں دیے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ الفاظ اس میں سے حذف کر دیے جائیں۔ ایک شق کا مزید اضافہ اس

میں کیا جائے تاکہ وہی اعمال اور چیزیں جب دوسرے پیغمبروں کے متعلق کہی جائیں' وہ بھی اسی جرم کے مستوجب سزا بن جائے جو اوپر تجویز کی گئی ہے۔ اس حکم کی ایک نقل صدر پاکستان کو دستور کی آرٹیکل ۲۰۳ (۳) کے تحت ارسال کی جائے' تاکہ قانون میں ترمیم کے اقدامات کیے جائیں اور اسے احکامات اسلام کے مطابق بنایا جائے۔ اگر ۳۰ اپریل ۱۹۹۱ء تک ایسا نہیں کیا جائے گا تو "عمر قید" کے الفاظ دفعہ ۲۹۵ سی تعزیرات پاکستان میں اس تاریخ سے غیر موثر ہو جائیں گے۔

(حوالہ: PLD F.S.C. 1991. Vol XLIII, p10)

ہم اقلیتی فرقوں کے اہل دانش حضرات سے گزارش کریں گے کہ وہ بعض جذباتی شرپسندوں کی نعرے بازی کی بجائے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کا نہایت ٹھنڈے دل سے مطالعہ کریں اور ان دلائل و شواہد پر غور کریں جن کی بنیاد پر توہین رسالتؐ کے جرم کی سزا صرف موت ہی قرار دی گئی ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اسلامی شریعت کی غیر متبدل حیثیت پر بھی غور کریں جس کی رو سے کسی مسلمان کو اسلامی احکامات میں معمولی سے رد و بدل کا بھی اختیار نہیں ہے۔ کلیسا اور چرچ نے دور قدیم و جدید میں بعض وجوہات کی بنا پر عیسائی مذہب کی اساسی تعلیمات میں رد و بدل کیا۔ دور جدید میں کلیسا نے سیکولر مغربی ممالک میں اپنی ہر دلعزیزی کو بڑھانے کے لیے بہت سی رعایتیں دی ہیں۔ ان میں سے ایک واضح مثال کلیسا کی طرف سے ہم جنس پرستی کے جواز کے حق میں فیصلہ دینا ہے۔ خدا کے فضل سے اسلام اس طرح کی تحریفوں سے آج تک محفوظ ہے۔ جب کبھی حاکم یا نام نہاد عالم نے اسلامی تعلیمات کو اپنی خواہشات نفسی کے تابع کرنا چاہا' ملت اسلامیہ اس کے راستے میں چٹان کی طرح کھڑی ہو گئی۔

۵- قانون توہین رسالتؐ انسانی حقوق کے منافی ہے؟

انسانی حقوق کے ڈھنڈورچیوں کی طرف سے قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے کے لیے عام طور پر یہ دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

۱- قانون توہین رسالتؐ انسانی حقوق کے منافی ہے۔

۲- اس قانون کے تحت بے گناہ غیر مسلموں کے خلاف بے بنیاد مقدمات قائم

کر کے ان کی ساتھ ناانصافی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

۳۔ انتہاء پسند' بنیاد پرست مسلمان اس قانون کا غلط استعمال کر سکتے ہیں۔

حقائق و واقعات کا معروضی جائزہ لیا جائے تو مندرجہ بالا دلائل بے حد نامعقول اور بے بنیاد نظر آتے ہیں۔

دراصل انسانی حقوق کی آڑ میں امت مسلمہ کے خلاف مذموم سازشوں کا جال بنا جا رہا ہے۔ قانون توہین رسالت کسی بھی اعتبار سے انسانی حقوق کے منافی نہیں۔ یہ انسانی حقوق کی روح اور فلسفے کے عین مطابق ہے۔ اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا چارٹر جو ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے' اس کا آغاز ہی ان تمہیدی الفاظ سے ہوتا ہے:

"ہر گاہ کہ نوع انسانی کے جملہ افراد کی فطری تکریم اور ان کے مساوی اور ناقابل انتقال حقوق' دنیا میں آزادی' انصاف اور امن کی بنیاد ہیں"۔

اور اس چارٹر کی پہلی شق کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

"تمام انسان آزاد اور تکریم و حقوق کے لحاظ سے برابر ہوتے ہیں۔ انہیں پیدائشی طور پر عقل اور ضمیر عطا کیا جاتا ہے اور انہیں ایک دوسرے سے برادرانہ سلوک کرنا چاہیے"۔

اگر مندرجہ بالا جملوں کے پس پشت کارفرما مقصد کی روح کو سامنے رکھا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ "نوع انسانی کے جملہ افراد کی تکریم" میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکریم کو اولین درجہ عطا کیا جانا چاہیے۔ انسانی تاریخ میں شرف تخلیق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی انسان فضیلت' بزرگی اور عزت و منزلت میں بڑھ کر نہ گزرا ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ انصاف پسند اور غیر متعصب غیر مسلم مورخین نے بھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل ترین انسان قرار دیا ہے۔ ماضی قریب میں برطانوی مصنف مائیکل ہارٹ نے اپنی عالمی شہرت یافتہ تالیف (The Hundred) میں انسانی تاریخ کی سو اہم ترین ہستیوں کے احوال جمع کیے ہیں۔ جس میں اس نے ان سو شخصیات کو انسانیت پر ان کے احسانات کے حوالے سے ترتیب دے کر جگہ دی ہے۔ اس نے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کو پہلے نمبر پر رکھا ہے۔ ایک ہندو مسٹر آر سی داس نوع انسانی پر بانی اسلام کے احسانات کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کرتا ہے:

"شری رام چندر جی مہاراج' بھگوان کرشن' گورو نانک جی' حضرت موسیٰ علیہ السلام' یہ سب روحانی بادشاہ ہیں لیکن میں کہتا ہوں ان میں ایک روحانی شہنشاہ بھی ہے جس کا مقدس نام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر ریفارمر نے آ کر دنیا میں بہت کچھ کیا ہے مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا پر اس قدر احسان کیے ہیں' جن کی مثال نہیں ملتی"۔

(رسول اکرمؐ بحیثیت سپہ سالار" از مولانا عبدالرحمٰن کیانی' صفحہ نمبر ۳۲۵)

جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم بنی نوع انسان کی تکریم ہے' اسی طرح ان کی توہین (معاذ اللہ) انسانیت کی توہین ہے۔ انسانیت کے عظیم ترین محسن کے حقوق کی ضمانت کے بغیر انسانی حقوق کا کوئی بھی چارٹر ایک مہمل دستاویز سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔ انسانی حقوق کے حوالے سے "آزادی ضمیر" "آزادی عقیدہ" اور "آزادی رائے" جیسی اصطلاحات کا بہت کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان خوش کن تراکیب کے ذریعے اسلام اور شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر ناروا تنقید کے جواز مہیا کیے جاتے ہیں۔ انسانی حقوق کے مذکورہ چارٹر کی دفعہ ۱۸ اور ۱۹ میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"ہر شخص کو آزادی خیال' آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں اپنا مذہب اور عقیدہ تبدیل کرنے اور انفرادی و اجتماعی طور پر علیحدگی میں یا سب کے سامنے' اپنا مذہب یا عقیدے کی تعلیم اس پر عمل کرنے اور اس کے مطابق عبادت کرنے اور اس کی پابندی کرنے کی آزادی کا حق شامل ہے"۔ (شق نمبر۱۸)

"ہر شخص کو آزادی رائے اور آزادی اظہار کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں بلا مداخلت رائے رکھنے کی آزادی اور بلا لحاظ علاقائی حدود کسی بھی ذریعے سے اطلاعات اور نظریات تلاش کرنے' حاصل کرنے اور انہیں دوسروں تک پہنچانے کی آزادی شامل ہے"۔ (شق نمبر۱۹)

مندرجہ بالا شقات بہت واضح ہیں۔ ان کا کوئی بھی جملہ قانون توہین رسالتؐ سے متصادم یا متعارض نہیں ہے۔ پاکستان میں مسیحی برادری کو اپنے ضمیر اور مذہب کے اظہار کی مکمل آزادی ہے۔ آزادی رائے میں جہاں معقول اور صائب طریقے سے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی مکمل آزادی ہے' وہاں اس اصطلاح کے دائرہ کار میں کسی دوسرے انسان کی کردار کشی' گالی گلوچ' توہین' دل آزاری' سب و شتم ہرگز شامل نہیں ہے۔ جب "آزادی رائے" کے حق کو کسی دوسرے انسان کی تذلیل تک توسیع نہیں دی جا سکتی تو پھر اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے "توہین رسالتؐ" کے استحقاق کا دعویٰ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ انسانی حقوق کے انتھک منادوں کے لیے یہ ایک کھلا چیلنج ہے کہ وہ ثابت کریں کہ قانون توہین رسالت انسانی حقوق کے منافی آخر کس طرح ہے؟

انسانی حقوق کا چارٹر ۱۹۴۸ء میں پیش کیا گیا۔ بعد میں جنیوا کنونشن وغیرہ بھی سامنے آئے۔ کسی بھی دستاویز میں توہین رسالت کے خلاف سزا کو انسانی حقوق کے منافی قرار نہیں دیا گیا۔ درحقیقت Blasphemy (توہین رسالتؐ) اور انسانی حقوق کا ربط اس وقت جوڑا گیا' جب شاتم رسولؐ سلمان رشدی ملعون کی "شیطانی آیات" پر امام خمینی نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا۔ سلمان رشدی نے اس سے پہلے بھی دو ناول تحریر کیے تھے' لیکن اس کو وہ پذیرائی نہ ملی تھی لیکن اس کے شیطانی ناول میں ملعون رشدی کی ناپاک تھوتھنی سے خیر البشر کے منزہ و پاکیزہ گھرانے پر زہر افشانی کرائی گئی تھی۔ مغرب کی ایک مخصوص صیہونی اور عیسائی لابی آج بھی پیغمبر اسلام اور ان کے مقدس گھرانے کے خلاف گستاخانہ جسارتوں پر مریضانہ حظ اٹھاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے مغرب اپنی تمام تر روشن خیالی اور سیکولر ازم سے وابستگی کے باوجود مسلمان کے خلاف صلیبی دور کا بغض اور کینہ اب تک پال رہا ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے خلاف توہین آمیز سازشوں کی نئی تحریک ننگ اسلام بے دین "مسلمانوں" کے ذریعے سے برپا کی جا رہی ہے جس کے مہرے سلمان رشدی اور بنگلہ دیشی تسلیمہ نسرین جیسے لوگ ہیں۔ ان کی تمام تر شیطانی ہرزہ سرائیوں کو "انسانی حقوق" کا نام دے کر تحفظ دیا جا رہا ہے۔ "انسانی حقوق" کے لبادے میں مسلمانوں سے "شیطانی حقوق" کو تسلیم کرانے کی مہم زوروں پر ہے۔ "انسانی حقوق کے چارٹر" کو انسانیت کا "متفق علیہ

مذہب" بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ مسلم دنیا کے خلاف نیا استعماری ہتھیار ہے جسے بے حد مکاری اور منافقت سے استعمال کیا جا رہا ہے۔

جہاں تک قانون توہین رسالت پر دوسرے اعتراض کا تعلق ہے کہ اس کی بنیاد پر غلط مقدمات قائم کیے جا سکتے ہیں تو یہ اعتراض اصولی طور پر غلط اور غیر منطقی ہے۔ اگر اس اعتراض کو درست مان لیا جائے تو "جرم و سزا" کی دنیا میں کسی بھی تعزیری ضابطے یا قانون کے وجود کا جواز باقی نہیں رہے گا۔ آج تک کسی بھی قانون کو محض اس بنا پر ختم نہیں کیا گیا کہ جس کے غلط استعمال کا احتمال نہ پایا جاتا ہو۔ قتل' زنا اور چوری جیسے سنگین جرائم کے متعلق قوانین کے غلط استعمال کی خبریں پاکستان اور دیگر ممالک کے حوالے سے آئے روز چھپتی رہتی ہیں۔

امریکہ اور اس کی اکثر ریاستوں میں قانون توہین مسیحؑ کو امریکی آئین کے بنیادی حقوق کے منافی قرار نہیں دیا گیا۔ امریکی سپریم کورٹ نے ایک معروف مقدمے سٹیٹ بنام موکس (State Vs. Mokas) میں آزادی مذہب اور آزادی پریس کے بنیادی حقوق سے بحث کرتے ہوئے متفقہ فیصلہ دیا جس میں عدالت کے الفاظ ہیں:

> "اگرچہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں چرچ اور اسٹیٹ ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور ان میں باہمی کوئی ربط اور تعلق نہیں لیکن اسلام' بدھ مت اور دیگر مذاہب کے مقابلے میں عیسائیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ حکومت کی زمام کار بھی ان ہی کے ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے ہر شعبہ زندگی میں ان کا اثر و رسوخ ہے اور عیسائیت ریاست اور ملک کی اکثریت کا مذہب ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا میں تہذیب و تمدن کے آغاز ہی سے کسی ملک کے طرز حکومت کی تشکیل میں دین و مذہب کا نہایت اہم رول رہا ہے۔ اور اس ملک کے استحکام اور بقا کا انحصار بڑی حد تک اس مذہب کے احترام اور تکریم سے وابستہ ہے جو وہاں کی غالب اکثریت کے دینی شعائر سے علیحدہ نہ ہونے والا لازمی حصہ ہے۔ لہٰذا آزادی مذہب اور آزادی پریس کے آئینی تحفظات اور بنیادی حقوق توہین مسیح کے قانون اور اس کے بابت قانون سازی کی راہ میں مزاحم نہیں ہیں"۔

("ناموس رسولؐ اور قانون توہین رسالت" صفحہ ۲۹۹-۳۰۰)

امریکی سپریم کورٹ نے امریکہ کی مسیحی اکثریت کے دینی شعائر کے احترام اور حقوق توہین مسیح کے قانون کو آزادی اظہار اور آزادی صحافت جیسے جدید جمہوری ریاستوں میں تسلیم شدہ حقوق کے منافی قرار نہیں دیا۔ بے حد افسوس کا مقام ہے کہ پاکستان میں جہاں مسلم آبادی ۹۷ فیصد ہے' وہاں انسانی حقوق کے نام نہاد علمبردار قانون توہین رسالتؐ کو انسانی حقوق کے منافی قرار دیتے ہوئے اس کے خاتمہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی حقوق کی آڑ میں مسلمانوں کے محبوب پیغمبر کی شان میں گستاخی (نعوذ باللہ) کے فریب انگیز جواز پیدا کرتے ہیں۔ ان کی اس ساری مہم سازی کا مقصد مسلمانوں کے دلوں سے عقیدت رسول ختم کر کے انہیں الحاد اور سیکولر ازم کی طرف راغب کرنا ہے۔ مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کا ان کے نزدیک موثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے دلوں سے حضور اکرمؐ کی عقیدت اور محبت کو کم کیا جائے۔ کیونکہ ان کا یہ جذبہ عقیدت مغرب کے الحاد کو قبول کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ انسانی حقوق کے نام پر صیہونی لابی کی اسلام اور شارع اسلام کے خلاف برپا کی جانے والی مذموم سازشوں کو بے نقاب کیا جائے۔

پاکستان میں صیہونی لابی کی تنخواہ دار ایجنٹ عاصمہ جہانگیر اور اس کے حاشیہ بردار انسانی حقوقیے قانون توہین رسالت کے متعلق اخباری بیانات کے ذریعے اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ یہ قانون فوجی آمر صدر ضیاء الحق نے بنایا ورنہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ قانون توہین رسالت کو صدر ضیاء الحق سے منسوب کر کے یہ عاقبت نا اندیش پاکستان کے عوام میں پائی جانے والی مارشل لاء کے خلاف نفرت کو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ اسلامی شریعت اور اسلامی تاریخ سے معمولی سی واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ قانون توہین رسالت اسلامی تاریخ کے ہر دور میں نافذ رہا ہے۔ قاضی عیاضؒ نے "الشفاء" میں ہی ذکر کیا ہے کہ خلیفہ عباسی ہارون الرشید نے حضرت امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ "شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا سزا ہے؟ عراقی فقہاء تو کہتے ہیں' ایسے شخص کو کوڑوں کی سزا دی جائے" اس پر حضرت امام مالکؒ جلال میں آگئے اور

فرمایا "اگر رسول خدا کو دشنام کا ہدف بنایا جائے گا تو امت باقی نہیں رہے گی۔ جو شخص انبیاء کو دشنام دے، اس کی سزا قتل ہے"۔ پروفیسر منور مرزا کے بقول "یہ فیصلہ یا فتویٰ تقریباً ہر اسلامی سلطنت میں نافذ رہا، چنانچہ یہ فیصلہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی نافذ کیا اور جلال الدین اکبر نے بھی"۔

جناب اسمٰعیل قریشی صاحب نے بالکل درست تحریر کیا ہے کہ:

"مسلمانوں کو خواہ وہ ایشیا ہو یا یورپ، افریقہ ہو یا کوئی اور خطہ ارض، جہاں بھی اقتدار حاصل رہا، وہاں کی عدالتوں نے اسلامی قانون کی رو سے شاتمان رسولؐ کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا۔ اس کے برعکس جب کبھی یا جہاں کہیں ان کے پاس حکومت نہیں رہی، وہاں جانثاران تحفظ ناموس رسالتؐ نے غیر مسلم حکومت کے رائج الوقت قانون کی پروا کیے بغیر گستاخان رسولؐ کو کیفر کردار تک پہنچایا اور خود ہنستے مسکراتے تختہ دار پر چڑھ گئے"۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ "برصغیر پاک و ہند میں برطانوی دور استعمار سے قبل، حتیٰ کہ مغل شہنشاہ اکبر کے سیکولر دور میں بھی شاتم رسولؐ کو سزائے موت دی گئی لیکن جب اس ملک پر سازشوں کے ذریعہ انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ ہوا تو انہوں نے توہین رسالت کے قانون کو یکسر موقوف کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں قانون توہین رسالتؐ کو وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کے نتیجے میں نافذ کیا گیا۔ صدر ضیاء الحق مرحوم یا پاکستانی حکومت کا اس قانون کی تنفید میں بنیادی کردار نہیں ہے۔ صدر ضیاء کے دور ہی کے وزیر قانون جناب اقبال احمد خان نے ۲۹۵ سی کے بل کی قومی اسمبلی میں شدید مزاحمت کی تھی۔

خلاصہ بحث

مندرجہ بالا سطور میں پیش کردہ معروضات و حقائق کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالنا کوئی زیادہ مشکل نہیں ہے کہ قانون توہین رسالت (۲۹۵ سی) کے متعلق اقلیتوں بالخصوص عیسائیوں کے وارد کردہ اعتراضات و خدشات بے بنیاد، سطحی، اشتعال انگیز، غیر معروضی، حقائق کے منافی اور بعض انتہا پسندوں کی مذہبی جنونیت اور کج فکری کا شاخسانہ ہیں۔ قانون توہین رسالتؐ کے خلاف احتجاجی مہم میں اپنی صلاحیتوں اور

توانائیوں کے ضیاع کی بجائے انہیں اپنے ہم مذہب عیسائیوں میں مسلمانوں کے مذہبی جذبات کے احترام اور پاکستانی قوانین کی پرخلوص اطاعت کے جذبے کی آبیاری کی تحریک شروع کرنی چاہیے۔

قانون توہین رسالتؑ مصور پاکستان علامہ اقبالؒ کے خواب کی تعبیر اور قائداعظمؒ کے نظریہ پاکستان کی تکمیل ہے۔ محسن انسانیتؐ رسول عربیؐ کی ناموس کے تحفظ کا عقیدہ اسلامی شریعت کا اہم ترین ستون ہونے کے اعتبار سے پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کا اہم ترین قلعہ ہے۔

رواداری کی آکاس بیل اور ہماری اقلیتیں

ڈاکٹر محمد صدیق شاہ بخاری

جناب ابن الحسن صاحب وطن عزیز کے معزز و محترم اور نامور قلمکار جو ان دنوں صاحب فراش ہیں' انہوں نے کراچی کے آر ایم آئی ہسپتال سے زندگی کی نازک ساعتوں میں قوم کے نام ایک پیغام بھیجا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

پوری قوم کے ذہن میں ایک بات بٹھا دیجئے کہ ہماری عدم رواداری نے داخلی مسائل بھی ان گنت پیدا کیے ہیں اور خارجی بھی۔ صبر تحمل اور برداشت کی روایت ہمارے معاشرے سے ختم ہوتی جا رہی ہے جس کے نتیجے میں تہذیب و شائستگی کو فروغ ملنے کے بجائے غیرانسانی جذبے پروان چڑھ رہے ہیں۔ سیاسی سطح پر بھی' معاشرتی سطح پر بھی اخلاقی اقدار سے تو ایک توازن قائم رہتا ہے اور باہمی احترام کے جذبے سے انسانی معاشرے میں صحت مند رجحانات نشوونما پاتے ہیں۔ دکھ یہ ہے کہ اسلامی تہذیب کے نقوش مدھم پڑ گئے ہیں۔ دوسرا دکھ یہ ہے کہ ہم نے اپنی اقلیتوں کے ساتھ کچھ اچھا طرز عمل اختیار نہیں کیا۔ باہر کی دنیا میں ہماری بڑی رسوائی ہوئی ہے۔ اس رسوائی میں ایک تو ہمارے خلاف منفی پراپیگنڈے کا عمل دخل ہے' مگر اس سے زیادہ ہمارے رویوں اور قانونی ضابطوں کا ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ۲۱ جنوری ۱۹۹۴ء)

اس پیغام کو لفظوں کی قبائے دلکش پہنا کر ہم تک پہنچانے کا شرف حاصل کیا ہے مکرم جناب الطاف حسن قریشی صاحب نے۔ یہ پیغام پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ لفظ و آواز کی یہ ساحری اس تاریخی تسلسل کی اک کڑی ہے جس کے تحت صلیبی

جنگیں ختم نہیں ہوئیں بلکہ ان کی حکمت عملی اور میدان عمل تبدیل کر دیا گیا ہے اور لگتا ہے کہ یہ بھی شاید اسی پوشیدہ عمل کا حصہ ہے جس کے تحت امت مسلمہ کی رگوں سے جوہر غیرت ختم کرنے کی طویل عرصے سے سازش ہو رہی ہے۔ ان دونوں شخصیات کے پورے دلی احترام کے باوجود میں یہ کہنے کی جسارت چاہتا ہوں کہ شاید یہ حضرات بھی رواداری کی اس آکاس بیل کو پانی دینے میں شامل ہوگئے ہیں جس نے پہلے ہی امت کے شجر حمیت کو زرد کر کے رکھ دیا ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ ان حضرات کا یہ عمل لاشعوری ہی ہوگا کہ وبا پھیلے تو نہ چاہتے ہوئے بھی تندرست و توانا اس کی زد میں آ جاتے ہیں۔

مذکورہ پیغام کی پہلی اہم بات ہماری "عدم رواداری" ہے۔ قومی ذرائع ابلاغ سے لے کر عالمی میڈیا تک سب میں اس الزام کی گردان کچھ اس تسلسل سے ہو رہی ہے کہ اب اپنوں کو بھی یہ گمان ہونے لگا ہے کہ شاید ہم واقعی عدم رواداری کا شکار ہیں۔ فن پراپیگنڈے نے تو الفاظ و اقدار کے معانی ہی بدل کے رکھ دیے ہیں۔ آج ان معانی کو حقائق کی کسوٹی پر پرکھنے کی کسے فرصت۔ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ رواداری نہ صرف اعلیٰ انسانی اقدار کا جزو اعظم ہے بلکہ تاریخ اسلام کے ماتھے کا جھومر بھی ہے۔ مگر تمام تر انسانی اقدار کا ایک مطلوبہ معیار ہی مقصود ہوتا ہے۔ اس سے کم یا زیادہ کی صورت میں وہی قدر ایک خوفناک و مکروہ شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جیسے قوت غضبیہ کی پسندیدہ مقدار شجاعت کہلاتی ہے۔ اس میں تفریط' بزدلی تو افراط' جاہلیت ہے۔ قوت عقلیہ کی مناسب سطح' حکمت و دانائی ہے۔ کمی کی صورت میں حماقت اور زیادتی جزبزہ بن جاتی ہے۔ قوت شہوانیہ کی معتدل حد عفت و عصمت ہے جبکہ کمی جمود اور اضافہ فسق و فجور ہے۔ بعینہٖ رواداری حد سے بڑھ جائے تو بے غیرتی و بزدلی بن جاتی ہے اور ضرورت سے بھی کم ہو جائے تو تعصب و تنگ نظری سمجھی جاتی ہے۔ شومئی قسمت سے غیروں کی گہری اور منظم سازش اور اپنوں کی سادگی' بھولپن' بلکہ نادانی و حماقت سے آج امت مسلمہ سے جس قسم کی رواداری کی توقع اور تلقین کی جا رہی ہے' وہ رواداری کی یہی بڑھی ہوئی حد یعنی بے غیرتی و بزدلی ہے جو نہ کہ لفظ رواداری کے محقق و مسلم اصطلاحی مفہوم کے برعکس ہے بلکہ اس کے لغوی مفہوم کے خلاف بھی ہے۔ حالانکہ مہذب اللغات میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ

رواداری اس حد تک برتنا چاہیے جہاں تک مذہب پر کوئی آنچ نہ آنے پائے اور ترقی اردو بورڈ کراچی کی شائع کردہ اردو لغت کے مطابق روادار وہ شخص ہوتا ہے جو ایسی بات کو درست' جائز مباح یا برداشت کرے جس میں کوئی مذہبی یا قانونی حرج نہ ہو۔ مگر رواداری کے "جدید مفہوم" کے پرچارک اس بات کے لیے عالمی پیمانے پر کوشاں ہیں کہ رواداری کے نام پر دل مسلم سے دینی غیرت و حمیت کا خانہ خالی کر کے بزدلی' کم ہمتی اور بے عزتی کو وہاں براجمان کر دیا جائے اور جہاں کہیں سے بھی امت کے احیاء' ملی اقتدار کی بقاء' اسلامی تشخص کی ضیاء' دینی غیرت کی فضا اور انقلاب مصطفیٰ کی آواز بلند ہو' اسے نہ صرف دبا دیا جائے' بلکہ یہ کہہ کر اسے فنا کر دیا جائے کہ اسلام تو بس رواداری کا دین ہے۔

فرد سے لے کر معاشرے تک انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک اور شخصی کاوش سے لے کر پوری تحریک تک جہاں کہیں کسی نے جب بھی آگے بڑھنے کی کوشش کی ہے تو اسے یہ کہہ کر روکا جاتا ہے کہ آخر تم کفر و باطل کو' ظلم و ستم کو' شرک و بدعت کو' ارتداد و الحاد کو برداشت کیوں نہیں کرتے کہ اسلام تو تمہیں رواداری سکھلاتا ہے۔ بے شک ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ اسلام امن و سلامتی کا دین اور حامی و مددگار ہے مگر بقول مولانا مودودی "اسلام کی نگاہ میں حقیقی امن و سلامتی وہی ہے جو حدود اللہ کی اقامت سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کسی نے امن و سلامتی کا مطلب یہ سمجھ رکھا ہے کہ شیطانی نظامت کے زیر سایہ اطمینان کے ساتھ سارے کاروبار چلتے رہیں اور مسلمان کی نکسیر تک نہ پھوٹے۔ اس نے اسلام کا نقطہ نظر بالکل نہیں سمجھا۔ کیا اسلام کا کام بس یہی ہے کہ چند عقائد اور اصول اخلاق کی تعلیم دے کر آدمیوں میں اتنی لچک اور اتنی نرمی پیدا کر دے کہ وہ ہر نظام تمدن میں خواہ وہ کسی قسم کا تمدن ہو' بہ آسانی کھپ سکیں۔ اگر معاملہ یہی ہے کہ تو پھر اسلام بدھ مذہب یا سینٹ پال کی بنائی ہوئی مسیحیت سے زیادہ مختلف نہیں رہا"۔

(بحوالہ ماہنامہ "ترجمان القرآن" از مولانا مودودی' ستمبر تا نومبر ۱۹۶۷ء)

ستم تو یہ ہے کہ عدم رواداری کا طعنہ اس قوم کو دیا جا رہا ہے جو کشمیر میں ہزاروں عصمتیں لٹا کر بھی رواداری کے نام پہ چپ ہے۔ جو بوسنیا میں بہتے ہوئے خون مسلم کو دیکھتے ہوئے بھی رواداری کے نام پہ چپ ہے جو ملک میں توہین نبوتؐ و

توہین صحابہؓ کے باوجود بھی رواداری کے نام پہ چپ ہے' جو بابری مسجد کے انہدام پر بھی رواداری کے نام پر چپ ہے۔ قریشی صاحب خدا کے لیے بے عزتی و بزدلی کے کناروں پہ لڑکھڑاتی اس قوم کو واپس لائیے۔ وگرنہ عدم رواداری کا یہ طعنہ ایسے ہی دیا جاتا رہا تو وہ دن دور نہیں کہ جب لوگ کہیں گے کہ ہر چور کو چوری کی' ہر ڈاکو کو ڈاکے کی' ہر زانی کو زنا کی اور ہر قاتل کو قتل کی اجازت رواداری کے نام پر کیوں نہ دے دی جائے۔ اور ہاں پھر اس ملک کے ہندو رواداری کے نام پر بیواؤں کو چتا میں جلانے کی اجازت چاہیں گے۔ اس ملک کے عیسائی میناروں پہ صلیب کو سجانے کے طلبگار ہوں گے اور اس ملک کے قادیانی علی الاعلان (نعوذ باللہ) مرزا غلام احمد کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ کر کہنا چاہیں گے۔ کیا عدم رواداری سے بچنے کے لیے اس سب کی اجازت دے دی جائے؟

یہ بالکل درست ہے کہ باہمی احترام اور رواداری سے ہی معاشرے میں صحت مند رجحانات نشوونما پاتے ہیں مگر اس باہمی احترام کی کوئی حد بھی ہے کہ نہیں؟ ہماری پگڑی سر بازار اچھالی جائے' ہماری عزت دن دیہاڑے لوٹی جائے اور ہمارا ایمان بھی ہم سے چھینا جائے تو کیا پھر بھی یہ باہمی احترام اور رواداری ایسے ہی برقرار رہے گی؟ خصوصاً جبکہ دشمن ہماری اس رواداری کو کمزوری پہ بھی محمول کرتا ہو۔ بے شک اسلام میں معاف کر دینا بہتر و برتر عمل ہے مگر جہاں معاف کرنے سے شریر کے شر میں اضافے کی توقع ہو' وہاں علمائے امت کی صراحت کے مطابق سر کچلنا ہی افضل ہوتا ہے۔ اس بات کو اکبر شاہ خاں نجیب آبادی یوں کہتے ہیں کہ اسلام میں جہاں تلوار کا بے جا استعمال ظلم ہے' وہاں ظالم کے خلاف تلوار کا استعمال نہ کرنا بھی جرم ہے۔ اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح معاشرے کے مختلف طبقات میں باہمی رواداری نہ برتنا ظلم ہے' اسی طرح غیرت کے مواقع پہ حمیت کا اظہار نہ کرنا بھی جرم ہے۔ اور آج کی پوری امت اس جرم میں ملوث ہے۔

مذکورہ پیغام کی دوسری اہم بات یا' بزبان راوی دوسرا دکھ یہ ہے کہ "ہم نے اپنی اقلیتوں کے ساتھ کچھ اچھا طرز عمل اختیار نہیں کیا" کاش یہ بات کسی اور نے کہی ہوتی!

وطن عزیز کے چھیالیس برسوں کے شب و روز اس بات کے شاہد ہیں کہ

۹۶.۶۷ فیصد مسلم آبادی والے اس ملک میں اپنے ہر مذہبی مطالبے کو منوانے کے لیے مسلمانوں کو کئی جانگسل مراحل سے گزرنا پڑا اور قربانیوں سے بھرپور تحاریک چلانی پڑیں تب کہیں جا کر خیرات کی مانند چند سکے ان کی جھولی میں گرائے گئے۔ جبکہ اقلیتوں پہ ایسی نوبت کبھی نہ آئی۔ ان کے ماتھے پہ اک شکن آئی تو ہماری حکومتوں نے اپنے انداز بدل ڈالے۔ ان کے لب وا بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ان کے در پہ جا کے ان کی تمنائیں پوری کر دی گئیں۔ ہم یہ بات پورے چیلنج سے کہہ سکتے ہیں کہ دنیا بھر میں کسی بھی نظریاتی ریاست میں اقلیتوں سے اس سے بہتر سلوک کا وجود موجود نہیں۔ اسرائیل اور آنجہانی روس تو دور کی بات ہے' خود کو سیکولر کہلانے والا بھارت بھی ہمارے اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکتا۔ بھارت میں ایک ہفتے میں اقلیتوں کے ساتھ جتنے مظالم کیے جاتے ہیں' ہمارے ملک کی پوری عمر کے اعداد و شمار بھی ان سے کم ہیں۔ بھارت تو خیر اپنی بڑائی پہ مغرور ہے' اس معاملہ میں تو حکومت برما بھی اس سے دس قدم آگے ہے۔ وہاں پر مسلمان طالب علم کے لیے اسکول میں نصب قومی جھنڈے کو جھک کر سلام کرنا لازم ہے۔ افسران کو جھک کر تعظیم کرنی ضروری ہے اور ہر مسلم گھرانے پہ ہفتہ میں دو دن بلا معاوضہ جبری بیگار لازمی ہے ورنہ نوے کیات فی کس تاوان دینا پڑتا ہے۔

وطن عزیز میں اقلیتوں کے لیے ترقی کے تمام دروازے ہمیشہ کھلے رکھے گئے۔ تمام اعلیٰ عہدے ہمیشہ ان کی راہوں میں آنکھیں بچھاتے رہے۔ وزیر قانون جوگندر ناتھ منڈل سے لے کر چیف جسٹس کارنیلس تک' وزیر خارجہ ظفراللہ قادیانی سے لے کر آج کے جے سالک تک سب ہماری رواداری کے مظاہر اور شاہد ہیں۔ علمی' تعلیمی' معاشی' معاشرتی' سیاسی تمام شاہراہوں پر کہیں کوئی قدغن نہیں لگائی گئی۔ اوپن میرٹ کے ساتھ ساتھ کوٹے کی صورت میں ان پر خصوصی نوازشات کی بارش بھی برسائی گئی۔ اب کوئی بدنصیب اس بھری برسات میں بھی نہانا نہ چاہے تو ہمارا کیا دوش؟

کسی بھی نظریاتی ریاست میں اس کے بنیادی نظریے کے برعکس تبلیغ کی قطعی اجازت نہیں دی جاتی لیکن ہم نے تو اس ملک میں بھی جو اللہ اور رسول کے نام پر لا الہ الا اللہ کو مقصد قرار دیتے ہوئے وجود میں آیا' جس کا سرکاری مذہب اسلام قرار

پایا اور قرارداد مقاصد جس کے آئین کا حصہ قرار پائی' اپنے تمام مقاصد کو' نظریات کو رواداری کے نام پر بالائے طاق رکھتے ہوئے اقلیتوں کو ہر قسم کی تبلیغ کی کھلی اجازت دے رکھی ہے۔ اس لحاظ سے تو یہ ملک اقلیتوں کی جنت ہے۔ کسی ملک میں غیر مذاہب کے مبلغین کو اس قدر آزادی حاصل نہیں جو یہاں انہیں میسر ہے۔ ہم نے تو اپنے وفاقی دارالخلافہ میں ایک ایسے ریڈیو کے دفتر کی اجازت دے رکھی ہے جو خالصتاً" مسیحیت کی تبلیغی نشریات کے لیے وقف ہے۔ اسے ریڈیو سیشلز کہتے ہیں۔ یہ پاکستانی سرحدوں سے کچھ دور سیشلز جزیرے میں قائم ہے۔ یہیں سے روزانہ پانچ گھنٹے پاکستان کی قومی اور علاقائی زبانوں میں بائبل کی تعلیمات نشر ہوتی ہیں۔ وطن عزیز میں عیسائیت کے کم از کم ۱۸ باقاعدہ اور ۱۵ بے قاعدہ تبلیغی رسائل و جرائد شائع ہو رہے ہیں جن میں تبلیغ کم اور اسلام پہ جارحیت زیادہ ہوتی ہے۔

مثلاً گوجرانوالہ سے شائع ہونے والا مسیحی ماہنامہ "کلام حق" کے شمارہ ۲'۲۲ اشاعت فروری ۱۹۸۷ء کے ۱۶ صفحات ہیں جن میں مسیحیت پر ۴ صفحے اور ۱۲ صفحے اسلام کے خلاف جارحانہ تنقیدی مضامین پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح شمارے ۵'۲۲ مئی ۱۹۸۷ء ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے جس میں صرف ساڑھے نو صفحات مسیحیت کے لیے ہیں باقی سب اسلام دشمنی کے لیے وقف ہیں۔

پورے ملک میں مسیحی آبادی ۱.۵۶ فیصد ہے۔ اس کے باوجود ان کے کم از کم ۲۸ چرچ اور تبلیغی تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا ہدف عیسائی کم اور مسلمان زیادہ ہیں۔ اسی طرح تبلیغ کے لیے پندرہ خط و کتابت سکول کام کر رہے ہیں جو اردو زبان میں ۲۴ اور انگریزی میں ۵۲ کورسز کروا رہے ہیں۔ ان سب کورسز میں صرف دو کورس مسیحی افراد کے لیے ہیں۔ باقی سب کورس مسلمانوں میں تبلیغ کے لیے وقف ہیں۔ ہمارے سرکاری ذرائع ابلاغ بھی اس فیاضی اور رواداری میں کسی سے کم نہیں۔ ریڈیو پاکستان لاہور گڈ فرائڈے' ایسٹر' کرسمس کی شام اور کرسمس ڈے کے تہواروں پر ایک ایک گھنٹہ کے پروگرام نشر کرتا ہے جو خود مسیحی حضرات کے مرتب کردہ ہوتے ہیں۔ بلکہ کرسمس ڈے پر تو چرچ سے براہ راست سروس نشر کی جاتی ہے۔ ایسے ہی پاکستان ٹیلی ویژن تمام اسٹیشنوں سے ایسٹر پر ۴۵ منٹ اور کرسمس پہ ایک گھنٹے کا ڈرامہ پیش کرتا ہے۔ پاکستان کی دوسری بڑی اقلیت ہندو ہیں۔ جو کل

آبادی کا ۱.۵۶ فیصد ہیں۔ اس اقلیت کے بھی ۷ باقاعدہ اور کئی بے قاعدہ رسائل و جرائد شائع ہو رہے ہیں۔ بہت سے اہم پبلی کیشنز کے ادارے ان کی ملکیت ہیں۔ پورے سندھ کی تجارت پہ ان کا کنٹرول ہے۔ یہی نہیں بلکہ رب راضی کاٹن فیکٹری اور مون کاٹن فیکٹری میرپور خاص کے مالک رتن لال کو ۸۳۔ ۸۲' اور ۸۷۔ ۸۶ میں بھاری قرضہ غیر قانونی طور پر دے کر قومی خزانے کو شدید نقصان پہنچایا گیا۔ ابھی تک رتن لال پر ایک کروڑ ۶۰ لاکھ روپے واجب الادا ہیں مگر اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی۔

صوبہ پنجاب میں ہندو آبادی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے باوجود ریڈیو پاکستان لاہور کی رواداری کا یہ عالم ہے کہ جنم اشٹمی پر ۲۰ منٹ کا خصوصی پروگرام نشر کرتا ہے جبکہ دسہرا' بالمک جی کا دن اور دیوالی پر ۱۰۔ ۱۰ منٹ کی خصوصی نشریات ہوتی ہیں۔ ریڈیو پاکستان حیدر آباد دسہرہ' دیوالی اور ہولی پر آدھ آدھ گھنٹے کے پروگرام نشر کرتا ہے۔ ملک کی تیسری اقلیت قادیانی لاہوری صرف ۰.۱۲ فیصد ہیں۔ اتنی کم تعداد میں ہونے کے باوجود ان کے لیے نہ صرف تمام کلیدی عہدوں کی راہیں کھلی ہیں بلکہ ان کے ۷ ماہنامے' ایک ہفتہ وار اور ایک روزنامہ اخبار تبلیغی مقاصد کے تحت شائع ہو رہے ہیں۔

اس طرح لاہوری گروپ کے بھی دو اخبار شائع ہوتے رہے ہیں۔ یہ اقلیت ملک کی عجیب اقلیت ہے۔ قانون و آئین شکنی ان کا شیوہ ہے۔ دھونس' دھاندلی ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔ ملک عزیز کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے میں بھی یہ سب سے تیز ہے اور دوسری طرف مفادات سمیٹنے میں بھی سب سے آگے ہے۔ بقول ان کے کہ یہ ان پر ابتلاء کا دور ہے مگر اس کے باوجود ان کی مطبوعات اور جرائد کی تحریروں میں جارحیت کا یہ انداز ہے کہ مسلم اکثریت کی دل آزاری اور قانون شکنی کے زمرے میں آتی ہیں۔ اقلیتی تہواروں پر حکومت کی طرف سے اقلیتوں کو باقاعدہ تعطیل کی سہولت فراہم کی جاتی ہے۔ بلکہ صوبہ پنجاب میں تو ۲۵ دسمبر کے علاوہ ۲۶ دسمبر کو بھی مسیحی برادری کے لیے آپشنل تعطیل کا اعلان کیا گیا ہے۔ مسلمان اپنے تہواروں پر اسی تنخواہ میں گزارہ کرتے ہیں جبکہ اقلیتوں کو یہ سہولت بھی حاصل ہے کہ وہ بینیوولینٹ فنڈ سے رقم حاصل کر کے اپنے تہوار شایان شان طریقے سے منا سکتے

ہیں۔

کسی مسلم تعلیمی ادارے میں اقلیتوں کو ان کے مذہب کے برعکس کسی عمل پہ مجبور نہیں کیا جاتا۔ جبکہ مسیحی مشنری سکولوں سے یہ شکایات اکثر موصول ہوتی رہتی ہیں کہ وہاں مسلمان طلباء کو بائبل بھی پڑھائی جاتی ہے اور ان کے سینوں پر صلیب بھی سجائی جاتی ہے۔ جیسا کہ حال ہی میں سینٹ میری ہائی سکول حیدر آباد کے بارے میں خبر روزنامہ جنگ کراچی میں مورخہ یکم نومبر ۱۹۹۳ء کو شائع ہوئی ہے' یہ تھی اس رواداری اور اقلیتوں سے طرز عمل کی ایک ہلکی سی جھلک۔ اگر ہمارے دانشور ہمارے اس طرز عمل پہ مطمئن نہیں تو پھر ہم ان سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ کیا یہ رواداری ہوگی کہ ہم بھی گرجوں کو آگ لگا دیں جس طرح کہ نیوٹن' آشٹن دلور ہمپٹن برہنگھم' اولڈھم' ڈڈے اور باٹلے میں مساجد کو آگ لگائی گئی تھی۔

کیا ہم بھی عیسائی خاندان کو زندہ جلا دیں' جس طرح کہ والتھم فارسٹ (لندن) بیلگریو روڈ پر محمد یونس خاں کی بیوی اور تین بچوں کو محض مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کے مکان سمیت آگ لگا دی گئی تھی۔ کیا ہم بھی گرجوں میں علی الصبح اور رات کو عشاء کے وقت بجنے والے گھڑیال اور گھنٹے پہ پابندی لگا دیں؟ جس طرح کہ برطانیہ میں سپیکر پر اذان دینے کی پابندی ہے؟ کیا ہم بھی مذہبی تہواروں پہ تعطیل بند کر دیں؟ جس طرح کہ برطانیہ کی مسلم اقلیت اس حق سے محروم ہے؟ کیا ہم بھی مخصوص کوٹے پر فائز صوبائی اور قومی اسمبلی کے اقلیتی ممبران کی چھٹی کروا دیں جس طرح کہ برطانیہ میں ۲۵ لاکھ مسلمانوں کا کوئی نمائندہ بھی اسمبلی میں نہیں۔ کیا ہم بھی اقلیت کش جماعتیں بنا لیں' جس طرح کہ برٹش موومنٹ اور نیشنل فرنٹ بنا دی گئی ہیں۔

کیا ہم بھی عیسائیت اور ان کی مقدس شخصیات کے بارے میں زہر اگلنے والی زبانوں کو تحفظ دے دیں؟ جس طرح کہ سلمان رشدی کو حفاظت دی گئی ہے؟ کیا ہم بھی جوتوں پہ بائبل کے الفاظ نقش کروا دیں؟ جس طرح کہ لیسٹر میں عیسائی عورت کلمہ طیبہ والے جوتے فروخت کیا کرتی تھی؟ مگر مسئلہ تو ہے کہ ہم ایسا کر ہی نہیں سکتے کہ ہمیں اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اور پھر جبکہ ہم یہ سب کچھ نہیں کر رہے اور نہ ہی کر سکتے ہیں تو خدا کے لیے ہمیں عدم رواداری اور ناقص طرز عمل

کے طعنے بھی نہ دیجئے۔ ہم تو پہلے ہی دل جلے ہیں' ہمیں اور نہ جلائیے۔ یہ ملک جس کی بنیادوں میں ۲۰ لاکھ مسلمانوں کے لاشے دفن ہیں' آج اس ملک کی اسمبلی کو اسلامی ایوان کہنے پر بھی ہماری اقلیتیں سیخ پا ہو جاتی ہیں۔ (روزنامہ "جنگ" لاہور' ۲۱ دسمبر ۱۹۹۳ء)

جس محمدؐ عربی کے پیارے نظام کو نافذ کرنے کے لیے ہم نے قربانیاں دی تھیں' آج اس کی عزت و عصمت بھی محفوظ نہیں رہی۔ اگر مسلمانوں کے لگاتار مطالبے پر اس ذات اقدس کی شان میں گستاخی کرنے والی زبانوں کے لیے کوئی قانون بنا ہے تو ہماری اقلیتیں اس کے بھی درپے ہیں۔ نفاذ اسلام کے لیے اگر کبھی شریعت بل کے نام سے کوئی کوشش کی گئی تو ہماری یہ محبوب اقلیتیں اسے ملائیت' بنیاد پرستی' شرارت بل اور آکاس بیل کہتی ہیں (مسیحی ماہنامہ "کارتیاس" لاہور' اگست ۹۲) دن رات اپنے رسائل میں ہمارے عقائد و نظریات کا مذاق اڑاتی ہیں۔ نہ صرف مذاق بلکہ جلسے جلوس اور ناروا پروپیگنڈہ کے طوفان اٹھاتی ہیں۔

بڑے بڑے ہوٹلوں میں سینکڑوں حاضرین کی خاطر تواضع کرتے ہوئے پاکستان کے آئینی' سیاسی' معاشی' اقتصادی اور لسانی حقوق کے بحران پر سیمینار کرواتی ہیں۔ اک ہمارا بڑا معصوم سا مطالبہ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کا اضافہ تھا۔ مگر اس کے خلاف بھی یہ خم ٹھونک کر میدان میں نکل آتی ہیں۔ نہ صرف جلسے جلوس اور بھوک ہڑتالیں بلکہ پاکستان میں بوسنیا سے حالات کے پیدا ہونے کی دھمکی بھی دیتی ہیں۔ ہم تو اتنے روادار ہیں کہ ہم نے ایک ایسی اقلیت جو پاکستان میں انگلیوں پہ گنی جا سکتی ہے' ان کے گوردواروں کی توسیع کے لیے ساڑھے تین کروڑ وقف کر دیے ہیں۔ صرف ایک گوردوارہ واقع سچا سودا فاروق آباد پر ۴۵ لاکھ لگا دیے ہیں اور اس اقلیت کا جلوس ہر سال اس شان سے نکلتا ہے کہ آگے آگے پانچ سکھ پیلے جھنڈے اٹھا کے چلتے ہیں' ان کے پیچھے پانچ پیارے ننگی تلواریں سونت کر چلتے ہیں۔ اور جو "بوے سو نہال ست سری اکال" کے نعروں سے یہ سرزمین اسلام گونج اٹھتی ہے' مگر پھر بھی یہ آواز لگتی ہے کہ ہم اپنی اقلیتوں سے اچھا سلوک نہیں کرتے' یہاں تو ۹۷ فیصد آبادی کو اپنے مذہبی شعار کے تحفظ کی ضمانت نہیں جبکہ باقی تین فیصد کو ہر ضمانت' ہر سہولت حاصل ہے۔ ایسے میں کون ہے جو ہمارے آنسو خشک کرے'

ہمارے زخموں پہ مرہم رکھے' ہماری فرات آنکھوں' خزاں چہرے اور بیاباں دل کی لاج رکھ لے۔ مگر یہ کون کرے گا کہ جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔ قریشی صاحب! آپ تو ان دو چار لوگوں میں شامل ہیں جن سے ہماری امید کے دیے روشن ہیں۔ اب آپ سے کیا چھپا ہے؟

کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم تو رتہ دوھتڑ توہین رسالت کے کیس کے مجرموں کو بھی ضمانت پہ رہا کر دیتے ہیں۔ ہم تو ایمپرس روڈ سے لے کر مال روڈ تک حضرت مسیح کی الوہیت اور خدائی کا اعلان کر کے والے بینروں کے نیچے سے بھی سر جھکا کے گزر جاتے ہیں۔ ہم تو رواداری' فیاضی و مروت کی سرحدیں عبور کرتے ہوئے بزدلی اور بے حمیتی کی اس وادی میں آن کھڑے ہیں' جہاں دشمن ہم پہ گولی چلانا بھی حماقت سمجھتا ہے۔ جیسا کہ سرب صدر نے کہا تھا۔ ہاں واقعی اس نے ٹھیک کہا تھا کہ ہم تو ویسے ہی رواداری کے ہاتھوں مرے جاتے ہیں'گولی چلانے کی کیا ضرورت۔ قریشی صاحب اور فرمایئے آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ ہم نے مانا کہ یہ پیغام آپ کا پیغام نہیں مگر لوگ کہتے ہیں کہ یہ ضروری تو نہیں کہ ہر بڑے کی ہر بات بڑی ہو اور پھر جبکہ وہ بیمار بھی ہو۔

امتناع قادیانیت آرڈیننس' دفعہ ۲۹۵ سی

ڈاکٹر محمد صدیق شاہ بخاری

اگرچہ وطن عزیز پاکستان کا قیام' نظام اسلام کے عملی نفاذ کے لیے تھا مگر شومئی قسمت کہ یہاں نہ صرف اسلام ہی سب سے رسوا ہوا' بلکہ اسلام کے نام پر ہی بدمعاشی کی گئی۔ ہمارے ارباب اقتدار کی بے حسی ہمیشہ "قابل داد" رہی کہ یہاں ہر دور میں ہر اسلامی مطالبہ کے لیے ایک جانگسل تحریک چلانا پڑی اور ہزاروں جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا۔ تب جا کر کوئی مطالبہ حکومت کے ایوانوں میں منظور ہوا۔ کچھ ایسا ہی معاملہ اہانت رسولؐ کا تھا کہ گستاخ رسول کے لیے سزائے موت مقرر ہونی چاہیے۔ اس کے لیے ایک نعرۂ مستانہ' کاوش پیہم اور علمی' عملی' قانونی جہاد مسلسل کے ذریعہ آئین پاکستان میں دفعہ ۲۹۵ سی کا اضافہ کروایا گیا' جس کی رو سے اب ملک میں گستاخی رسول کی سزا موت ہے۔ اس قانون کی منظوری کے ساتھ ہی قادیانی' عیسائی اور دیگر باطل قوتیں اسے کالعدم قرار دلوانے کے لیے سر جوڑ کر بیٹھ گئیں۔ اسی اثناء میں سرگودھا میں ایک عیسائی گل مسیح نے اس جرم کا ارتکاب کیا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۹۱ء میں اسے قانون گستاخی رسول کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ ملزم کو عدالت میں صفائی کا پورا پورا موقع فراہم کیا گیا۔ آخر جرم ثابت ہونے پر ایڈیشنل سیشن جج جناب طالب حسین بلوچ نے ۲۹۵ سی کے تحت مجرم کو سزائے موت سنا دی۔ نومبر ۱۹۹۲ء کو یہ سزا سنائی گئی اور دسمبر ۱۹۹۲ء میں لاہور ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی۔ جہاں بدنام زمانہ وکیل عاصمہ جہانگیر' عابد حسن منٹو وغیرہ اس کی وکالت پر مامور ہیں۔ منفی قوتوں کے صلاح مشورے تو پہلے ہی جاری تھے' مگر سیشن عدالت سے

سزائے موت کے حکم کے ساتھ ہی یہ تمام باطل طاقتیں اپنی پوری قوت کے ساتھ مصروف عمل ہوگئیں اور باطل نواز نام نہاد مسلمان بھی ان کی حمایت میں پیچھے نہ رہے۔

حضور اقدسؐ کے دشمنوں کی کھلم کھلا حمایت اور پھر مسلمانی کا دعویٰ۔ عجب بات ہے اور نہ معلوم اب یہ لوگ کس تعریف کی رو سے خود کو مسلم کہلواتے ہیں۔

قادیانی تو خیر اس مہم میں پیش پیش تھے ہی مگر معاملہ چونکہ ایک گستاخ عیسائی کا تھا' اس لیے دنیا بھر کی عیسائی حکومتیں' تنظیمیں اور ذرائع ابلاغ اس قانون کے خلاف منظم ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہمیشہ کی طرح سچا ثابت ہوا کہ کفر ملت واحدہ ہے۔ سرگودھا کے دور دراز علاقہ میں موجود ایک گمنام عیسائی کے لیے پاکستان سے لے کر امریکہ تک اور یورپ سے لے کر افریقہ تک تمام عیسائی تڑپ اٹھے اور قانون کی بالادستی کی دہائی دینے والوں نے قانون گستاخ رسولؐ کو ختم کروانے اور گل مسیح کی رہائی کے لیے چہار طرفہ کارروائی شروع کر دی۔ ایک طرف ذرائع ابلاغ کے ذریعہ انسانی حقوق کے نام پر پروپیگنڈہ شروع کیا گیا۔ دوسری طرف حکومت پاکستان کے نام دنیا بھر سے خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ تیسری جانب گل مسیح کے نام محبت بھرے تسلی آمیز پیام آنے شروع ہوئے تاکہ نہ صرف وہ اپنے موقف پر ڈٹا رہے بلکہ مستقبل میں پیدا ہونے والے گستاخان رسولؐ کو بھی اس حوصلہ افزائی سے حوصلہ نصیب ہو۔ ذرا ان خطوط پر ایک نظر ڈالیے اور دیکھئے کہ کون کون سے ممالک کے لوگ سرگرم عمل ہیں اور اس کے بالمقابل ہماری کیا حالت ہے؟ جبکہ یہ تعریف تو مسلمان کی تھی کہ مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ جب ایک حصہ کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔ ہم اس کو بھول گئے اور غیروں نے اس کو اپنا لیا۔ یہ خطوط ہماری ایجاد نہیں بلکہ خود عیسائیوں کے پندرہ روزہ رسالہ "کاتھولک نقیب" لاہور نے اپنی یکم تا ۱۵ جولائی ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں شامل کیے ہیں۔

- "ہم نے غلام اسحاق کو لکھا ہے کہ وہ منصفانہ فیصلہ کروائیں اور ایسا بہت جلد ہوگا"۔ فلاک' بیلجیئم۔
- "ہماری کوشش آپ کی رہائی کے لیے ہے"۔ جان وار' برمنگھم۔
- "ہمیں یقین ہے تم پر بے بنیاد الزام ہے۔ ہم نے پاکستانی حکام بالا کو

احتجاجی خطوط لکھے ہیں"۔ لیون' فرانس۔

○ "پاکستان' اس رسولؐ کے نام پر تمہارے ساتھ ناانصافی کر رہا ہے جس کی تعلیمات انصاف پر مبنی تھیں۔ کتنا بڑا تضاد ہے"۔ جیراڈ' کوریا۔

○ "تمہارا ایمان مسیحی برادری کے لیے انوکھی مثال ہے"۔ "واسنک' فلپائن۔

○ "ہماری جدوجہد تمہاری رہائی تک جاری رہے گی" گریڈنس' ہالینڈ۔

○ "حوصلہ رکھو ہم افریقہ میں تمہارے لیے کوشش کر رہے ہیں"۔ آرنا' جنوبی افریقہ۔

○ "میں نے اسلامی تعلیمات کے متعلق کافی پڑھا ہے۔ اسلام اور مسیحیت ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ تم نے رسولؐ کے بارے میں کچھ نہ کہا ہوگا"۔ ایڈبرگ' پرتگال۔

○ "حکومت پاکستان کو ہر صورت تمہیں باعزت بری کرنا ہوگا" جین' آسٹریلیا۔

○ "مضبوط ہو جاؤ' مسیح کی محبت سے ہمیں کوئی طاقت جدا نہیں کر سکتی"۔ اسٹوڈنٹس آف یونیورسٹی آف ڈبلن' آئرلینڈ۔

○ "ہم آپ کی طرف سے حکام بالا کو لکھ رہے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ انہیں معلوم ہو کہ دنیا اس پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہے کہ آپ کے ساتھ مناسب برتاؤ کیا جائے"۔ رسل و شیرن سوئل' امریکہ۔

○ "ہم نے پریذیڈنٹ' وزیراعظم اور اٹارنی جنرل کو خطوط لکھے ہیں"۔ مارک' مانچسٹر۔

○ "خداوند کے فرشتے تمہاری مدد کرتے ہیں"۔ جرلاک' ایمسٹرڈم۔

○ "میں نے برٹش فارن آفس کو خط لکھا اور اپیل کی کہ وہ آپ کے مقدمے کے لیے مدد کرے" برادر لیناکس' اسکاٹ لینڈ۔

○ "ہم دعاؤں سمیت اس جدوجہد میں تمہارے ساتھ ہیں" اسٹوڈنٹس آف اٹیلین ایونجلیکل بائبل انسٹیٹیوٹ' اٹلی۔

○ "برطانیہ میں آپ کے لیے کمپین جاری ہے اور ہمیں امید ہے کہ جلد ہی مثبت نتائج سامنے آئیں گے"۔ فریبک' فن لینڈ۔

○ "مجھے یقین ہے کہ تم بے گناہ ہو میں نے وزیراعظم نواز شریف سے اپیل

کی ہے کہ وہ قانون گستاخ رسول منسوخ کروائیں اور آپ کو جلد از جلد رہا کیا جائے"۔ ڈیوڈ' اسکاٹ لینڈ۔

- "تم کہاں ہو' ہم مل کر تمہیں ضرور ڈھونڈ لیں گے" ماروک' آسٹریلیا۔
- "ہم تمہارے حالات سے پوری طرح باخبر ہیں اور اپنی تمام تر میٹنگز میں یاد رکھتے ہیں"۔ ڈک' یو۔ کے۔
- "تم میری دعاؤں میں ہو"۔ کیٹ' آئرلینڈ۔
- "میرے ملک اسکاٹ لینڈ میں اس قسم کی ناانصافی ناممکن ہے"۔ کرسٹوفر' اسکاٹ لینڈ۔
- "ہمت نہ ہارنا' ہم تمہارے ساتھ ہیں"۔ کیرن' آئرلینڈ۔
- "ایک جمہوری ملک میں اس قسم کا تشدد خلاف توقع ہے"۔ کلاڈ' فرانس۔
- "میں تمہارا شکرگزار ہوں کہ تم خدا کے وفادار رہے"۔ نوئیل' کینیڈا۔
- "میں نے اسٹیٹ سے اعلیٰ افسران کو اس بات پر رضامند کیا ہے کہ وہ احتجاجی خطوط لکھیں"۔ مائیکل کنٹلے' امریکہ۔
- "یقین رکھو تم ہماری یادوں میں ہو" بیلی' آئرلینڈ۔
- "کینیڈا کی اخبار میں آپ کے متعلق پڑھا' ہم ہر طرح سے آپ کے ساتھ ہیں اور آپ کی رہائی کے لیے کوشاں ہیں"۔ لاری' کینیڈا۔
- "گل! ہر روز خدا کو بتاؤ کہ تم نے اپنے آپ اس کے سپرد کر دیا جو ہمیشہ ہمارا وفادار رہا اور ہماری خاطر اپنی جان صلیب پر دی"۔ مینڈرٹ' نیدرلینڈ۔
- "مسیح پر تمہارا بھروسہ قابل ستائش اور قابل تقلید ہے"۔ آئزک' ہانگ کانگ۔
- "پوری دنیا تمہارے لیے کوشش کر رہی ہے"۔ ڈورتھی' آسٹریلیا۔
- "بہت سے آئرش لوگ آپ کے لیے محتاط ہیں" رائے جان اون' آئرلینڈ۔
- "میں نے نواز شریف کو لکھا کہ آپ کے کیس پر دوبارہ غور کیا جائے"۔ لنڈا' یو کے۔
- "میں آپ کو یقین دلانا چاہتی ہوں کہ اس مشکل وقت میں ہم آپ کے لیے دعائیں اور سوچ بچار کر رہے ہیں"۔ اینا ایڈورڈ' انگلینڈ۔

○ ”اگر منصفانہ فیصلہ نہ ہوا تو ہم آپ کا کیس اقوام متحدہ تک لائیں گے“۔
بینٹ، ناروے۔

○ ”میں نے پریذیڈنٹ کو خط لکھا ہے اور مجھے یقین ہے کہ بہت سے لوگ ایسا کر رہے ہیں“۔ پیٹریشیا، شکاگو۔

رسالے نے یہ خطوط شائع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان خطوط سے نہ صرف گل مسیح کی حوصلہ افزائی ہوگی بلکہ اس کا نیکی پر اعتماد مضبوط تر ہوگیا۔ کیا مقدس انبیاء کی شان میں گستاخی نیکی ہے؟ کیا عیسائیت اور انجیل کی تعلیم یہی ہے؟ ہمیں مکمل یقین ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں کوئی ایسی چیز نہیں۔ یہ ان کے گمراہ پیروکاروں کے خیالات کی عکاسی ہے۔

سہ طرفی کاوشوں کے ساتھ چوتھی سمت سے نام نہاد انسانی حقوق کے چیمپئن کھوکھلے دانشور مسلمانوں کا تعاون حاصل کیا گیا۔ جنہوں نے اسی لے میں راگ الاپنا شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں ۹ جون ۱۹۹۴ء کو ایک سیمینار منعقد کیا گیا جس میں بڑے بڑے ناموں والے عیسائیوں کے علاوہ بطور مہمان خصوصی عابد حسن منٹو نے شرکت کی۔ اس شخص کو چاہیے کہ اپنا نام بھی تبدیل کر لے تاکہ مسلمانی کی اس آخری علامت سے بھی اس کی جان چھوٹ جائے اور دیگر لوگ دھوکے سے بچ جائیں۔ اس سیمینار میں اس قانون کو ناانصافی پر مبنی اور انسانی حقوق کے مخالف ثابت کیا گیا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے خلاف ہرزہ سرائی اور بکواس انصاف ہے اور اس کا سدباب ناانصافی ہے۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ برطانیہ کے قانون میں صرف عیسائیت کو آئینی تحفظ حاصل ہے اس لیے رشدی کے خلاف یہ قانون مسلمانوں کی کوئی مدد نہ کر سکا۔ اگر وہاں عیسائیت کا تحفظ ناانصافی نہیں تو پاکستان میں اسلام کا تحفظ کس طرح ناانصافی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان تو کبھی کسی خطہ میں کسی وقت بھی کسی نبی علیہ السلام کی شان میں گستاخی کا ادنیٰ تصور بھی نہیں رکھتا۔ یہ سارے کے سارے دوہرے معیار عیسائیوں کی تاریخ کا حصہ ہیں۔ عیسائیت پر زد آئے تو ان کا غیظ و غضب قابل دید ہوتا ہے۔ اسلام پہ چوٹ آئے تو یہ انسانی حقوق کی پاسداری ہے۔

مشہور امریکن گلوکارہ میڈونا کے ایک گانے ”لائک اے پریئر“ میں جب

صلیب' چرچ اور اسٹیج کا استخفاف دکھایا گیا تو صلیبی عوام اور اداروں کے غیظ و غضب کا سیلاب امڈ آیا۔ مشروبات کی وہ کمپنی جو میڈونا کو اپنے ٹی وی اشتہارات میں دکھایا کرتی تھی' اس پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ میڈونا کو اپنے اشتہارات میں دکھانا بند کر دے۔ اس پر کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ کمپنی کی آزادی میں مداخلت کے مترادف ہے۔ دوسری طرف جب مشہور گلوکار "کیٹ سٹیونز" نے اسلام قبول کر لیا تو امریکہ کے بیشتر ریڈیو اسٹیشنوں نے اس کے ریکارڈ چلانا بند کر دیے۔ بعض جگہوں پر بر سر عام اس کی موسیقی کے ریکارڈوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ مگر انسانی حقوق کے یہ دعویدار صدائے احتجاج بلند نہ کر سکے۔ گویا کہ ان کا اپنا قبیلہ' اپنا مذہب' اپنی برادری اور اپنے لوگ تو دائرہ انسانیت میں شامل ہیں۔ ان کے حقوق کا تحفظ ہی انسانی حقوق کا تحفظ ہے۔ باقی تو شاید انسان ہی نہیں۔ مسلمان اپنے عقیدے کا تحفظ کریں تو یہ جرم بنیاد پرستی ہے اور یہ اپنے نظریے کی جارحانہ تبلیغ بھی کریں تو روشن خیالی ہے۔ مسلمان شان رسالتؐ کا تحفظ کریں تو یہ ظلم ہے اور یہ اپنی شان خباثت کا تحفظ کریں تو عین انصاف ہے۔

انسانیت کو انسانی حقوق سے آشنا کرنے والے (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حقوق کا تحفظ انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے اور بے غیرت' بدقماش' شرابی' زانی لوگوں کے لیے شراب' زنا' بدمعاشی اور زبان درازی کا تحفظ انسانی حقوق کا تحفظ ہے۔ نبیؐ کو گالی دی جائے تو کوئی بات نہیں۔ ان کے ماں باپ کو گالی دی جائے تو پھر ان کے لیے اندھیری رات ہے۔ انسانیت کی فوز و فلاح کی فکر میں پریشان' راتوں کو اٹھ اٹھ کر رونے والے' انسانیت کے نجات دہندہ' محسن انسانیتؐ کے خلاف بکواس ہو تو ہم چپ رہیں اور پوپ پالوں' مذہبی آمروں کے خلاف بات ہو تو شور مچائیں۔ بابری مسجد کے واقعے کے بعد مشتعل ہو کر اگر چند نوجوانوں نے مندروں کو کچھ نقصان پہنچا دیا تو عبداللہ ملک جیسے لوگ اخبارات میں کالم کے کالم سیاہ کر دیں اور خود بابری مسجد کا انہدام ہو تو چپکے سے کسی کونے میں دبک جائیں۔ کیا یہی ان کا انصاف اور یہی سیکولر ازم ہے؟ عالم میں مسلمان خاک و خون میں تڑپے تو خاموش تماشا دیکھو اور کسی عیسائی کے کانٹا بھی چبھ جائے تو آہ و بکا برپا کرو۔ بوسنیا میں مسلمانوں کا خون بہے تو پانی سمجھو اور جو کہیں امریکی مفادات کی امیدوں پر پانی پھرے تو آگ برساؤ۔

کشمیر میں ہزاروں مسلمات کی عصمتیں لٹیں تو سانپ سونگھ جائے اور جو کہیں کسی غیر مسلم کا آنچل بھی ڈھلکے تو انہیں نہ نیند آئے نہ اونگھ۔ فلسطینی گھر سے بے گھر ہو جائیں تو اک ذرا تسلی دے دو اور یہودی آپے سے باہر ہو جائیں تو انہیں شام' مصر' لبنان کے علاقے اور غزہ کی پٹی دے دو۔ خود ایٹم بم کو چلا بھی دیں تو امن عالم کی خلاف ورزی نہ ہو اور ہم ایٹم بم کا سوچیں بھی تو دہشت گردی ہو۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ مسلمان تو کسی کے جھوٹے خدا کو بھی گالی نہیں دیتے لیکن کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے سچے خدا کے خلاف بکواس پہ گنگ ہو جائیں؟

ہمارے نزدیک تو سب پیغمبر قابل تعظیم' پھر آخر ہمارے پیغمبرؐ کے خلاف زبان درازی کیوں؟ اور پیغمبرؐ بھی وہ جو عورت کو تاریک گڑھوں سے نکال کر روشنی میں لے آیا' جس نے غلاموں کو انسان بنا دیا جس نے ہر رنگ و نسل کے انسان کو برابر کر دیا' وہ جو اپنے پرائے سب کے لیے رحمت' بلکہ رحمت للعالمین تھا' تو کیا ایسے پیغمبر کی رحمت و شفقت کا صلہ یہ ہے کہ انہی کو ہدف تنقید بنائیں اور ان کی عزت و ناموس کے تحفظ کو برا منائیں۔ اگر آپ کو غلطیوں سے درگزر کرنے والا' بات بات پہ معاف کرنے والا' بہت ہی نرم اور شفیق باپ ملا ہے اور آپ اس کی شفقت و نرمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے گالی نکالیں تو کیا یہ دنیا کی "اعلیٰ ترین" بے غیرتی نہیں اور پھر نبی تو باپوں کا باپ ہوتا ہے۔ اس کے خلاف زبان کھولی جائے' ایں چہ بو العجبی است!

یہ تو بس اپنی بے بسی پہ رونا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر مسلم اور باطل نواز قوتوں کو یہ ساری جسارت ہماری اپنی بے غیرتی نے فراہم کی ہے۔ مسلمان جب تک باغیرت تھا' اس وقت اپنے ماحول میں تو کیا پورے عالم میں کسی کو یہ جرات نہ تھی کہ وہ ناموس رسالتؐ پر نیش زنی کر سکے۔ یہ سب کچھ تب سے ہے' جب سے امت مسلمہ دینی غیرت کے مسئلہ میں اپاہج ہوئی ہے' اس کے بازو شل ہوئے ہیں اور ذہن مفلوج ہوئے ہیں۔ برائی کو ہاتھ سے روکنے والی حدیث کے بموجب چاہیے تو یہ تھا کہ ایسے سیمیناروں اور ایسی آوازوں کا گلا گھونٹ دیا جاتا۔ لیکن وائے ناکامی! اگر ہم ہاتھ سے کام نہیں لے سکتے تو ہماری زبانوں پہ تو تالے نہیں پڑے۔ آخر ہم سوچتے کیوں نہیں اور بولتے کیوں نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ وقت ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے

اور میدان باطل کے ہاتھ میں چلا جائے۔ اس سے پہلے ہی ہمیں آواز بلند کرنی چاہیے۔ کل مسیح کی حمایت میں سو وکیل ہیں تو ہمارے ہزار ہونے چاہئیں۔ قانون گستاخ رسول کی منسوخی کے لیے ہزار خط لکھے جاتے ہیں تو ہمارے لاکھ ہونے چاہئیں کیونکہ یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے ارباب اقتدار کا معیار حق و باطل نہیں' کرسی کا تحفظ ہوتا ہے۔ اگر باطل کی رعایت و حمایت کرنے سے ان کی کرسی بچ جائے تو انہیں ایسا کرنے میں بھی کوئی عار نہ ہوگی۔ دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے یہ خطوط نہ صرف ایک گہری اور منظم سازش کے آئینہ دار ہیں' بلکہ ہمارے لیے ایک لمحہ فکریہ بھی ہیں۔ اگر اس لمحے بھی ہم نے فکر و عقل سے کام نہ لیا تو تاریخ کے مجرم کے علاوہ خدا اور رسولؐ سے بے وفائی کے مرتکب بھی گردانے جائیں گے۔ اللہ کرے ایسا نہ ہو!

انسانی حقوق کا تحفظ

ایم ایم احسن

آج کل مغربی دنیا میں انسانی حقوق کے تحفظ کا بڑا چرچا ہے اور اکثر اسلامی ممالک کو ان حقوق کی پامالی کے لیے مورد الزام ٹھہرایا جا رہا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے ۱۹۴۸ء کے یونیورسل ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس کا آرٹیکل ۱۸ اس اسلامی انقلاب کی دین ہے جو اقوام متحدہ کے قیام سے ایک ہزار برس سے بھی زیادہ پہلے ظہور میں آیا تھا۔ اس آرٹیکل کے مطابق ہر آدمی خیال، ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق رکھتا ہے مگر اس اظہار خیال کی آزادی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کوئی شخص دوسروں کی دل آزاری کرے اور ان کے مذہبی پیشواؤں کو سب و شتم کا نشانہ بنائے۔

گزشتہ دنوں ساہیوال کے سیشن جج نے ایوب مسیح نامی ایک عیسائی کو توہین رسالت کے جرم میں سزائے موت سنائی تھی۔ جب فیصل آباد کے بشپ ڈاکٹر جان جوزف نے اس سزا کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے مذکورہ عدالت کے سامنے اپنے سر میں گولی مار کر خودکشی کر لی تو مغربی ممالک میں ہلچل مچ گئی اور اب امریکہ پاکستان پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ توہین رسالت کا قانون منسوخ کر دیا جائے کیونکہ اس کی دانست میں اقلیتوں کے ساتھ زیادتی و ناانصافی ہے۔ حالانکہ یہ قانون کسی مذہب یا اقلیت کے خلاف نہیں ہے۔

توہین رسالت کا قانون دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں کے تدارک کے لیے لازم ہے۔ ازل سے ہی غیر مسلموں نے یہ جان لیا ہے کہ مسلمانوں کی حمیت دین پر

ضرب لگانے کا واحد طریقہ مومنوں کے دلوں سے حضورؐ کی محبت اور احترام کا مٹانا ہے کیونکہ ایک مومن ناموس رسولؐ کے دفاع کی خاطر اپنی جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ تاریخ اسلام ایسی ایمان افروز داستانوں سے بھری پڑی ہے جہاں شمع رسالتؐ کے پروانوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے شاتمان رسولؐ کو جہنم واصل کیا ہے۔ حکیم الامت نے دشمنان کی اسی حکمت عملی کی نشاندہی فرمائی تھی

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

اگر غور کیا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ جدید دور میں مغربی دنیا میں جو انسانیت کا تصور ہے' اس کی رو سے مسلمان' انسانوں کے زمرہ سے خارج ہیں۔ مراد ہوفمین جو ایک جرمن سفارت کار تھے اور جو دین مبین کی تعلیمات سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں' انہوں نے اپنے ایک مضمون "دی یورپین مینٹلٹی اینڈ اسلام" میں اس حقیقت کو آشکار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "گرین پیس" اور "ایمنسٹی انٹرنیشنل" جیسی عالمی فلاحی تنظیمیں' جو اہل مغرب کے زیر اثر ہیں' وہ کسی ملک میں مظلوم مسلمانوں کی مدد کرنے سے زیادہ وہیل مچھلیوں کی بقا اور چین سے سیاسی نظربندوں کی رہائی میں دلچسپی رکھتی ہیں۔

ہوفمین کا یہ ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اہل مغرب کو اسلام کے علاوہ ہر چیز گوارا ہے۔ جب ان کا کسی مسلمان شخص کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے تو ان کی رواداری اور بے پایاں وسیع القلبی رخصت ہو جاتی ہے۔ غیر مسلموں کی وہی عادات و اطوار جو خوش دلی سے قبول کر لیے جاتے ہیں' مسلمانوں کے لیے باعث ننگ و عار بن جاتے ہیں اور انہیں کٹر' متعصب' غیر مہذب' غیر آئینی اور پسماندہ قرار دیا جاتا ہے۔ اگر چی گویرا داڑھی رکھتا ہے تو وہ ترقی پسند اور اگر کوئی مسلمان یہ عمل کرتا ہے تو اسے قدامت پسند کا لقب دیا جاتا ہے۔ حضرت مریم کی ہر شبیہ میں ان کا سر ڈھکا ہوا دکھایا جاتا ہے لیکن اگر کوئی مسلمان لڑکی اپنے سر پر رومال باندھ لیتی ہے تو فرانس میں اسے اسکول سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ یہ وہی فرانس ہے جس نے انقلاب کو جنم دیا تھا اور جو اپنے آپ کو شخصی آزادی کا بڑا علمبردار تصور کرتا ہے اور جو انسانی حقوق کے تحفظ میں پیش پیش ہے۔ فرانس اور جرمنی میں مزید یہ دوغلا پن ہے کہ سوائے اسلام

کے کسی مذہب کی عبادت گاہ کے قیام پر کوئی پابندی عائد نہیں ہے۔ ہوفمین کا یہ کہنا ہے کہ اگر آپ ان ممالک میں کوئی مسجد تعمیر کرنا چاہیں تو اگر آپ انتہائی خوش قسمت نہیں تو آپ کو نقشہ کی منظوری کے مختلف مراحل کے دوران عدالتوں کے بے شمار چکر کاٹنا پڑیں گے اور بالاخر آٹھ دس برس گزرنے کے بعد ممکن ہے کہ آپ کو کہیں ریل کی پٹڑی کے عقب میں یا کسی مذبح کے قرب و جوار میں مسجد بنانے کی اجازت مل جائے مگر پھر بھی مسجد کی مینار کی اونچائی پر متعلقہ محکموں کے ساتھ قدم قدم پر جھگڑے اور مناقشے ہوں گے۔ کیونکہ وہاں کے ماحول میں کارخانوں اور تجربہ گاہوں کی اونچی اونچی چمنیاں تو سما سکتی ہیں مگر مسجد کے میناروں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اذان کے لیے مینار کو استعمال کرنے پر اعتراض ہوگا اور یہ مشورہ بھی دیا جائے گا کہ اذان کی بجائے گرجوں کی طرح گھنٹہ بجانے پر غور کیا جائے۔

ایک اور تفریق یہ بیان کی جاتی ہے کہ گرچہ اکثر یورپی ممالک میں یہودیوں کو اپنے طریقہ پر جانور ذبح کرنے کی اجازت ہے مگر مسلمان حلال گوشت کا بندوبست کرنے سے محروم ہیں۔ کیونکہ ان کے معاملے میں جانوروں کے ساتھ بے رحمی کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ اس دہرے معیار کا ہی تو یہ مظہر ہے کہ کشمیر، فلسطین، بوسنیا، چیچنیا، اور اب کوسوو میں ان کے کشت و خون پر مغربی دنیا اور اس کے زیر تسلط اقوام متحدہ کی انجمن خاموش تماشائی بنی بیٹھی رہی جبکہ دوسری جانب یہ حال ہے کہ اگر پاکستان کی کوئی عدالت قانوناً بھی کسی عیسائی کو موت کی سزا دیتی ہے تو دنیا بھر کی انسانی حقوق کے تحفظ کی انجمنیں واویلا مچانا شروع کر دیتی ہیں۔

عراق پر خلیج کی جنگ کے بعد سے ہنوز اقوام متحدہ کی طرف سے سخت پابندیاں عائد ہیں اور اسے ایک مقررہ مقدار سے زیادہ اپنا تیل بیچنے کی اجازت نہیں ہے جس کے سبب زرمبادلہ کی کمی کی وجہ سے وہ ملک بچوں کی جان بچانے والی ادویہ کی درآمد سے محروم ہے لہٰذا ہر سال ہزاروں معصوم بچے لقمہ اجل بن رہے ہیں مگر چونکہ یہ ہلاک شدگان مسلمان ہیں اس لیے مغربی دنیا کے ضمیر کو مطلق خلش نہیں ہوتی اور اقوام متحدہ نے اپنے حالیہ اجلاس میں آٹھ سال سے عائد اس پابندی کی توسیع کی منظوری دے دی ہے۔

یہ انسانی حقوق کے تحفظ کے دعویداران سب منافق ہیں۔ ان حقوق کی حقیقی ضمانت صرف دین اسلام دیتا ہے۔ جب حضورؐ سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کا افضل درجہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا "یہ کہ تم سب لوگوں کے لیے وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لیے چاہتے ہو اور پسند کرتے ہو اور اس چیز اور حالت کو سب لوگوں کے لیے ناپسند کرو جس کو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو" اس حکم میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر انسانی حقوق کے تحفظ کا اور کون سا منشور ہو سکتا ہے؟

(روزنامہ "نوائے وقت" ۲۷ مئی ۱۹۹۸ء)

مکتوب بنام مدیر روزنامہ "دن"

جمیل احمد عدیل

مکرم ایڈیٹر صاحب!

السلام علیکم!

۱۰ر مئی کا ادارتی صفحہ پیش نظر ہے، جس میں سینئر کالم نگار جناب حسین نقی کی تحریر "مذہبی رواداری کا مظاہرہ کیجئے" دعوت فکر دے رہی ہے۔ بلاشبہ نقی صاحب کا تجزیہ بصیرت افروز ہے۔ مذہب کے نام پر قتل و غارت گری کا جو بازار گرم ہے، اس کا حل لاریب مذہبی رواداری ہی میں مضمر ہے۔ نقی صاحب کے کالم میں جہاں نہایت توانا نکات ایک مثبت فضا کے فروغ کے لیے حد درجہ اہم ہیں، وہاں ایک پہلو ایسا بھی ہے جس سے اختلاف کی گنجائش پیدا ہوتی ہے، جذبات کی اساس پر نہیں بلکہ معروضی فراست کی بنیاد پر۔

نقی صاحب نے لکھا ہے "جبر اور زبردستی کے اس ماحول کے نتیجہ میں پاکستان کی غیر مسلم ہی نہیں مسلم اقلیتیں بھی مایوسی اور بے چینی کا شکار ہیں اور اسی صورتحال نے بشپ جان جوزف کو خودکشی پر مجبور کیا۔ اس صورتحال کو تبدیل کرنے کی ذمہ داری پاکستان کی مسلمان اکثریت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ آئین و قوانین سے ایسی دفعات کو خارج کرنے کی تحریک چلائیں جن کے سبب مسلم اکثریت کا حامل پاکستانی معاشرہ عدل، امن، آشتی کا گہوارہ بننے کی بجائے خلق خدا کے لیے باعث آزار نہ بنے......"

پہلی بات تو "مسلم اقلیتیں" کے حوالے سے عرض کرنی ہے کہ "غیر مسلم

اقلیتوں" کی تو سمجھ آتی ہے۔ مسلم اور اقلیت ان دونوں میں ہی تضاد ہے۔ وطن عزیز میں بے شک مسلمانوں کے متعدد فرقے ہیں' مگر وہ سب بہرحال مسلمان ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی فرقے کو "مسلم اقلیت" قرار دینا ناقابل فہم ہے۔ عددی کثرت یا قلت کی بنا پر تو کسی فرقے کو نہ "مسلم اکثریت" سے موسوم کیا جا سکتا ہے اور نہ "مسلم اقلیت" سے۔ مسلمان' مسلمان ہیں۔ یہاں اقلیت کا مفہوم ہی غیر مسلموں سے وابستہ ہے۔

جہاں تک آئین اور قانون سے ایسی دفعات کو خارج کرنے کا تعلق ہے' جو نقی صاحب کے خیال میں بشپ کی خودکشی کا سبب بنی ہیں' تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ جب تک بشپ صاحب کی موت کی تحقیقات سامنے نہیں آ جاتیں' یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے توہین رسالتؐ کے قانون کے خلاف احتجاجاً موت کو سینے سے لگایا ہے۔ ویسے بھی یہ قانون ایسا انسان کش نہیں جس پر اس انداز میں صدائے احتجاج بلند کی جائے۔ اور اگر بالفرض انہوں نے خودکشی ہی کی ہے تو قطعی ثبوت فراہم کرنا ہوگا کہ انہوں نے مذکورہ قانون کے خلاف یہ "حرام احتجاج" کیا ہے۔

امریکی دباؤ کے بعد ہمارے بعض "روشن خیال احباب" نے بھی کہنا شروع کر دیا ہے کہ مذکورہ قانون عادلانہ نہیں ہے۔ اس حوالے سے سب سے پہلا سوال یہی سامنے آتا ہے کہ آیا توہین رسالتؐ کی سزا موت' کے خلاف وہی لوگ ہیں جو (معاذ اللہ) توہین کا ارادہ رکھتے ہیں؟ سیدھی سی بات ہے جس کے وہم و گمان میں بھی توہین کا خیال نہیں' اسے اس قانون سے خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ سوچنے والی بات ہے' بھلا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص خود کو مسلمان بھی کہے اور اپنے عظیم رسولؐ کی شان مبارک میں کمی کا مذموم ارادہ بھی رکھے' یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ایک مسلمان خود کو حضورؐ کا پیروکار بھی کہے اور آپؐ کی اہانت بھی کرے۔ نتیجہ ظاہر و باہر ہے جو توہین کا مرتکب ہوتا ہے' وہ مسلمان ہی نہیں' حضورؐ کا امتی ہی نہیں۔ ویسے بھی مسلمان کیسا بھی گنہگار کیوں نہ ہو "باخدا دیوانہ باش بامحمدؐ ہوشیار" کے اصول کو کبھی نہیں بھولتا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں صرف مسلمان ایسی امت ہے جو اپنے نبیؐ سے اس حد تک محبت کرتی ہے کہ آپؐ کے نام پر ہر لحظہ اپنا لہو بہانے کو تیار رہتی ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ایسی جذباتی وابستگی کی تاریخ

عالم میں مثال نہیں ملتی۔

اب رہے وہ غیر مسلم جو "اہانت نبیؐ پر سزائے موت" کے قانون کو اپنی آزادی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں' تو اس حوالے سے یہی کہنا ہے کہ پاکستان میں ہی نہیں پوری دنیا میں جتنی غیر مسلم اقوام آباد ہیں' سب کی سب اسی اختلافی نکتے پر متفق ہیں کہ کسی کی بھی واجب الاحترام شخصیت کی شان میں بے ادبی کرنا نہایت بدتہذیبی ہے۔ یا آپ دنیا کے کسی قانون میں لکھا ہوا دکھا دیں کہ دوسرے کے مرکز عقیدت کو بدتمیزی کا نشانہ بنانا مستحسن اقدام ہے۔

انبیاء تو خیر انسانیت کی معراج ہوتے ہیں کہ ان کے آگے درجات ہی ختم ہو جاتے ہیں' عام انسانوں کی سب سے بڑی متاع عزت نفس ہوتی ہے۔ یہ سارے قوانین' آئین' اصول' ضابطے' اقدار... یہ سب کیا ہیں؟ ان کا ماحصل کیا ہے؟ صرف اور صرف عزت نفس کا تحفظ' کسی کو بے توقیر کرنے یعنی کسی کی عزت نفس کو مجروح کرنے سے بڑا جرم اور کیا ہوگا؟ بلاتمیز مذہب و ملت اور بلاتخصیص رنگ و نسل' ہر انسان کی انا یکساں محترم ہے۔ جو دوسرے کی آبرو کو پامال کرتا ہے' اس سے بڑا خطاکار اور کون ہوسکتا ہے؟ ایسے گناہگار کو سزائے موت کی رحمت سے نہیں نوازنا چاہیے بلکہ اس کے ہر عضو کو باری باری اس طرح کاٹنا چاہیے کہ کم از کم ایک برس میں اس کے بدن کی بریدگی کا عمل مکمل ہو۔

جو اس عقوبت کو وحشت و درندگی سے تعبیر کرتے ہیں' اس کا مطلب ہے ان کی نظر میں انسان کا وقار بے معنی ہے۔ اب ایسے کورچشموں کے متعلق کیا کہا جائے' بجز اس دعا کے کہ اللہ انہیں سوچنے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ویسے یہاں عام سائیکی کا ذکر بھی کر دوں کہ اپنی ذات کے متعلق ہر فرد حد درجہ حساس ہوتا ہے' خرابی کی جڑ بھی یہی ہے' جب دل میں دوسرے کا بھی اتنا ہی احترام پیدا ہوگا' جتنا اپنے نفس کا کیا جاتا ہے' پھر مثبت نتائج سامنے آئیں گے۔ تب کوئی کسی کی واجب العقیدت شخصیت کے متعلق نازیبا کلمات نہیں کہے گا۔

اسلام کی بنیادی تعلیم یہی ہے کہ کسی کی دل آزاری نہیں کرنی' جب ہم کسی شخص کے مذہبی پیشوا کے بارے میں کلمہ سوء زبان پر نہیں لاتے' تو کسی کو کیا حق ہے کہ وہ ہمارے نبی برحق سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گستاخی کا تصور بھی دل

میں پیدا کرے۔ قانون تو محض سبق سکھانے کے لیے ہوتا ہے' جب قلوب میں یہ احساس جاگزیں ہوجائے گا کہ دوسرے کا عقیدہ اور عقیدت بھی اتنی ہی مکرم ہے' جتنی میری تو پھر اس قانون کی ضرورت نہیں رہے گی۔

مزید اس قانون کی یہ افادیت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ فرد خود انتقام لینے کی بجائے عدالت سے رجوع کرے گا۔ ملزم کو صفائی کا پورا موقع ملے گا' اگر واقعی جرم ثابت ہو جاتا ہے تو اس کے بعد انصاف کے تقاضوں کے مطابق سزا پر عملدرآمد ہوگا۔ باقی رہا یہ پہلو کہ بعض شرپسند ذاتی عداوت کو اس الزام کی صورت میں وسعت دے رہے ہیں' تو اس میں صرف اسی قانون کا استثنا نہیں ہے' ایسے عیار دیگر قوانین سے بھلا کب استفادہ نہیں کر رہے؟ کیا چوری' ڈکیتی' فراڈ' قتل اور حدود کے جھوٹے مقدمات میں مخالفین کو پھنسانے کا اسلوب جہلاء میں مروج نہیں ہے؟ اس حساب سے ہر وہ قانون معطل کر دینا چاہیے جس کی آڑ میں کسی پر جھوٹا الزام عائد کیا گیا ہے۔ عدالتوں میں اس جھوٹ اور سچ کا ہی تعین کیا جاتا ہے۔

ابتدا میں نقی صاحب کا جو اقتباس درج کیا ہے' اس کی آخری سطور کی معنوی بے ربطی مصنف کی نظرثانی کی منتظر ہے۔

توہین رسالتؐ

مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیس کے متعلق مسلمانوں کے جذبات کا صحیح اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے، اسلام میں قتل کی سزا ہے اور آپؐ کو گالی دینے والے کا خون مباح قرار دیا گیا ہے۔ "نسائی" میں کئی طریقوں سے ابو برزہ الاسلمی کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک شخص پر ناراض ہو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا میں اس کی گردن ماروں؟ یہ سنتے ہی آپؓ کا غصہ دور ہوگیا اور آپ نے جھڑک کر مجھے فرمایا کہ **ماھذا لا حد بعد رسول اللہ**۔ یعنی رسولؐ اللہ کے بعد یہ کسی کا درجہ نہیں ہے کہ اس کی گستاخی کرنے والے کو قتل کی سزا دی جائے۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک اندھے مسلمان کی لونڈی نے رسولؐ اللہ کی شان میں گستاخی کی اور اس مسلمان نے تکلے سے اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ دوسرے دن جب اس کے مارے جانے کی خبر رسولؐ اللہ کی خدمت میں پہنچی، تو آپؐ نے فرمایا کہ جس نے یہ کام کیا ہے اس کو میں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اٹھ کھڑا ہو۔ یہ سن کر وہ اندھا گرتا پڑتا آیا اور اس نے عرض کیا، یا رسولؐ اللہ! یہ فعل میں نے کیا ہے۔ وہ میری لونڈی تھی۔ مجھ پر مہربان تھی، مگر آپؐ کی شان میں بہت بدگوئی کرتی تھی۔ میں اسے منع کرتا تو نہیں مانتی تھی۔ میں ڈانٹتا تو اس پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ کل رات پھر اس نے آپؐ کو برا کہا۔ اس پر میں اٹھا اور تکلا چبھو کر اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا، "سب لوگ گواہ رہو کہ اس کے خون کی کوئی قیمت نہیں ہے"۔

اسی طرح "بخاری شریف" میں کتاب المغازی میں کعب ابن اشرف کے قتل کا واقعہ موجود ہے کہ وہ رسولؐ اللہ کی ہجو کر کے اور قریش کو آپؐ کے خلاف بھڑکا کر آپؐ کو ایذا دیتا تھا۔ اس لیے آپؐ نے محمد ابن سلمہ کے ہاتھوں اسے قتل کرا دیا۔ ابی داؤد میں کعب ابن اشرف کے قتل کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ "وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا تھا اور کفار قریش کو آپؐ کے خلاف جوش دلاتا تھا"۔

قسطلانی نے "بخاری" کی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ "وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو ایذا دیتا تھا' اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہجو کرتا اور قریش کو ان کے خلاف بھڑکاتا"۔

ابن سعد نے بھی اس کے قتل کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ "وہ ایک شاعر آدمی تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کی ہجو کرتا تھا اور ان کے خلاف لوگوں کے جذبات کو بھڑکاتا تھا"۔

کتب فقہ میں بھی اس کے متعلق صریح احکام موجود ہیں۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں: "ابوبکر بن المنذر کا قول ہے کہ اس امر پر عامہ اہل علم کا اجماع ہے کہ جو کوئی نبیؐ کو گالی دے' وہ قتل کیا جائے گا۔ اس قول کے قائلین میں سے مالک بن انس' لیث اور احمد اور اسحٰق ہیں اور یہی مذہب ہے شافعیؒ کا اور یہی مقتضا ہے حضرت ابوبکرؓ کے قول کا۔ ان بزرگوں کے نزدیک اس کی توبہ مقبول نہیں ہے۔ ایسا ہی قول ہے ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور ثوری اور اہل کوفہ اور اوزاعی کا بھی"۔

شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ اپنی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں لکھتے ہیں کہ "اس طرح ہمارے اصحاب یعنی حنابلہ کی ایک دوسری جماعت نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے گی خواہ وہ کافر ہو یا مسلم"۔

پس جزئیات میں فقہا کے درمیان خواہ کتنا ہی اختلاف ہو' مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظمت میں حنفی' مالکی' حنبلی' شافعی سب کا اتفاق ہے کہ آپؐ کو گالی دینے والا' واجب القتل ہے۔ اس سے صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں داعی اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی حرمت و عزت کے متعلق کیا احکام ہیں اور اس بارے میں مسلمانوں کا مذہب ان کو کیا تعلیم دیتا ہے۔

(ماہنامہ "ترجمان القرآن" جون ۱۹۹۸ء)

توہین رسالتؐ کیا ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد

میری آج کی گفتگو کا موضوع "توہین رسالت" ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ گزشتہ دنوں مجھے ایک صاحب کی طرف سے رقعہ ملا تھا جس میں توہین رسالت کے حوالے سے سوال کیا گیا تھا۔ اسے پڑھ کر فوری طور پر ۹۱ء میں بننے والا توہین رسالت کا قانون ذہن میں آیا' جس کے بارے میں نہ صرف اندرون ملک عیسائی اقلیت نے شدید احتجاج کیا ہے' بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی مغربی حکومتوں کی جانب سے تاحال احتجاج جاری ہے۔

اس عمل کا آغاز ۱۹۸۳ء میں ہوا۔ لاہور میں مشتاق راج نامی وکیل نے انگریزی زبان میں Heavenly Commonism کتاب لکھی جس میں اس نے اللہ تعالیٰ' حضورؐ اور اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا۔ اس کتاب پر پورے ملک میں زبردست احتجاج کیا گیا تو مجبوراً حکومت نے نقص امن کے خطرے کی وجہ سے وکیل کو دفعہ 295(A) کے تحت گرفتار کر لیا۔ ۱۹۸۴ء میں وفاقی شرعی عدالت میں جناب اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ کی طرف سے شریعت پٹیشن دائر کی گئی' جس میں کہا گیا کہ توہین رسالتؐ کو قابل گرفت جرم قرار دیا جائے اور اس کی سزا موت مقرر کی جائے۔ اس اہم مسئلے پر پورے ملک میں بحث و تمحیص شروع ہو گئی۔ اسی دوران انسانی حقوق کے حوالے سے شہرت حاصل کرنے والی خاتون ایڈووکیٹ مسماۃ عاصمہ جہانگیر نے اپنی تقریر میں حضورؐ کے لیے نامناسب الفاظ استعمال کیے۔ اس خاتون نے "امی" کے لیے "Illiterate" کا لفظ استعمال کیا' یہ لفظ یقیناً توہین آمیز ہے۔ ایک اور خاتون مرحومہ

آپا نثار فاطمہ بھی تھیں' جو دین کی پرجوش مبلغہ اور اس وقت ایم۔ این۔ اے تھیں۔ محترمہ مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی خواہر نسبتی (سالی) بھی تھیں۔ انہوں نے ۱۹۸۷ء میں قومی اسمبلی میں باقاعدہ ایک "بل" 295(C) کے نام سے پیش کیا۔ اس بل کو قومی اسمبلی نے باقاعدہ بحث کے بعد منظور کر لیا۔

اس قانون کے مطابق توہین رسالتؐ کے جرم کے مرتکب شخص کے لیے عمر قید اور سزائے موت پر مبنی دو سزائیں مقرر کر دی گئیں۔ اس پر جناب اسماعیل قریشی نے شرعی عدالت میں ایک اور پٹیشن دائر کر دی کہ توہین رسالتؐ کے جرم پر عمر قید کی سزا درست نہیں ہے۔ اس قانون میں ترمیم کر کے توہین رسالتؐ کی سزا بطور حد "موت" مقرر کی جائے۔ لہٰذا ۱۹۹۱ء میں 295(C) کی حیثیت سے پورے ملک میں توہین رسالتؐ کا قانون لاگو ہوگیا جس کے خلاف بین الاقوامی سطح پر احتجاج کیا جا رہا ہے۔ امریکی صدر کلنٹن اور پوپ پال تک کو اس قانون سے پریشانی لاحق ہے۔ توہین رسالتؐ کے قانون کی منظوری جناب اسماعیل قریشی کا اصل کارنامہ ہے۔

اسی طرح قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا معاملہ ہے۔ ۱۹۷۴ء میں اٹھنے والی ختم نبوت کی تحریک کے نتیجے میں وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اس قادیانی مسئلے کو نہایت عمدہ طریقے سے قومی اسمبلی کے ذریعے حل کر دیا۔ اگرچہ مختلف عدالتی کیسوں میں قادیانیوں کے خلاف فیصلے ہوچکے تھے مگر اسے قانونی حیثیت قومی اسمبلی کے فیصلے کے ذریعے حاصل ہوگئی۔ اسی طرح توہین رسالتؐ کا قانون وفاقی شرعی عدالت کی ہدایت پر قومی اسمبلی کے ذریعے نافذ العمل ہوا ہے۔

قانون توہین رسالتؐ کی حکمت کیا ہے اور یہ کیوں دنیا کی سمجھ میں نہیں آ رہا؟ اسے واضح کرنا بہت ضروری ہے۔ بڑا اہم سوال ہے کہ پوری دنیا آخر اس قانون کو سمجھنے سے کیوں قاصر ہے؟ اسی طرح اسلام کا ایک قانون "قتل مرتد" کا ہے جو موجودہ دنیا کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ دنیا میں مقبول عام تصورات میں سے ایک تصور "آزادی" کا ہے۔ ہر شخص کو آزادی حاصل ہونی چاہیے کہ وہ جو چاہے عقیدہ رکھے اور جب چاہے اپنے مذہب کو بدل لے' جبکہ اسلامی ریاست میں اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرنے والے مرتد کی سزا تو قتل ہے۔ اسی طرح اظہار رائے کی آزادی کا معاملہ بھی ہے۔ ایک شخص اپنے مطالعہ اور غور و فکر سے جو بھی رائے

پیش کرنا چاہے' اسے اس کی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ وہ اگر رشدی کی طرح پیغمبر ؐ کی زندگی پر کیچڑ اچھالنا چاہے تو اسے اس کا بھی حق حاصل ہے۔ آج کی دنیا میں رائج ان نظریات کا اصل سبب کیا ہے؟ اسے جاننا بہت ضروری ہے۔

دنیا میں یہ مقبول عام تصورات یہودیوں کی طویل جدوجہد کا نتیجہ ہیں۔ سیکولرازم کا نظریہ یہ ہے کہ دین اور ریاست دو الگ چیزیں ہیں۔ ریاست کا کوئی تعلق کسی بھی مذہب سے نہیں ہوگا۔ اگرچہ دنیا کی ہر ریاست کا سرکاری مذہب تو ہوتا ہے مثلاً آج سیکولرازم کا سب سے بڑا علمبردار امریکہ ہے۔ لیکن عیسائیت امریکہ کا سرکاری مذہب ہے۔ امریکہ میں سرکاری تعطیلات عیسائی مذہب کے حوالے سے ہی ہوتی ہیں۔ اگرچہ وہاں بھی قانون سازی کی سطح پر انجیل یا توراۃ کے کسی حکم سے ریاست امریکہ کو کوئی بحث اور سروکار نہیں ہے۔ سیکولرازم کے نظریات پر مبنی نظام گزشتہ دو سو برس سے دنیا میں رائج ہے۔ یہ خودبخود نافذ نہیں ہوا۔ خدا' رام اور "God" کو عبادت گاہوں تک محدود کر کے اور ایوان حکومت اور ایوان عدالت سے اسے دیس نکالا دے کر "No Admission" کا بورڈ لگا دیا گیا ہے۔ ملکی قانون کو قانون ساز اسمبلی کے ممبران کی اکثریت سے منظور کر لیا جاتا ہے اور عدلیہ بھی کسی آسمانی وحی کی قطعاً پابند نہیں ہوتی۔ گویا سیکولرازم کے تحت انسانی زندگی میں مذہب کی حیثیت محض ایک ضمیمے کی رہ گئی ہے۔ جبکہ انسان کی اجتماعی زندگی کا اصل نظام رائج الوقت سیکولر نظام کے تحت چل رہا ہے اور سیاسی' معاشی اور معاشرتی نظام' دیوانی قانون اور فوجداری قانون سب سیکولرازم کے تابع ہیں۔ گویا دنیا کا ۹۹ فیصد نظام بے دینی اور لامذہبیت پر چل رہا ہے۔ اجتماعی زندگی سے تمام مذاہب کے عمل دخل کو یکسر اور کلی طور پر ختم کر دیا گیا ہے۔ اس صورت حال میں اگر مذہب کے چھوٹے سے دائرے اور گوشے میں تبدیلی واقع بھی ہو جائے تو آخر کون سا بڑا فرق واقع ہو جائے گا؟ کوئی شخص پہلے ہندو یا عیسائی تھا اور اب مسلمان ہوگیا تو اس سے ملک کے نظام میں تو کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

لہٰذا مذہب تبدیل کرنے کی آزادی بھی دی جاتی ہے اور بانیان مذاہب کی ذات پر ہر قسم کی ہرزہ سرائی کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو "God "Son of" قرار دیتے ہیں جبکہ یہودی انہیں "Son of man" قرار دیتے ہیں گویا ہر

ایک کو "اظہار رائے" کی آزادی حاصل ہے۔

یہ سب کچھ یہودی سازش کی کرشمہ سازی ہے۔ یہودی بہت چھوٹی سی قوم ہے۔ پوری دنیا میں یہود کی تعداد ۱۳ یا ۱۴ ملین سے کسی طرح بھی زائد نہیں ہے جن میں سے ۳۵ لاکھ یہودی اسرائیل میں آباد ہیں۔ اتنی ہی تعداد میں یہودی امریکہ میں آباد ہیں جبکہ باقی پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود وہ پوری دنیا کا کنٹرول حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر سیاست کا رشتہ مذہب سے برقرار رہے تو یہود کو اپنے پیش نظر مقاصد میں کبھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ نہایت قلیل اقلیت کیا کر سکتی ہے؟ لہٰذا یہود نے سیاست اور مذہب کے باہمی رشتے کو منقطع کر دیا اور آرڈر آف ایلومیناٹی کا جو "Insignia" بنایا تھا' وہ آج بھی ایک ڈالر کے نوٹ پر موجود ہے۔ یہود نے سیکولرازم کو دنیا میں بڑی طویل محنت کے بعد رائج کیا ہے۔ یہودی مذہب غیر تبلیغی مذہب ہے۔ وہ کسی دوسرے مذہب کے پیروکار کو یہودی بناتے ہی نہیں' چونکہ یہودیت نسل پر مبنی ہے۔ اس لیے ان کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ عیسائیت میں تفریق پیدا کر دیں جیسے مسلمانوں میں عبداللہ ابن سبا نامی ایک یہودی نے تقسیم پیدا کر دی تھی۔ اسی طرح یہود نے عیسائیوں کو پروٹسٹنٹ اور کیتھولک میں تقسیم کر دیا۔ اس سے پہلے عیسائیوں کے عہد اقتدار میں سود کی مکمل ممانعت تھی لیکن پروٹسٹنٹ کے ذریعے یہودیوں نے سود کو جائز کروا لیا۔ اس سودی نظام کی وجہ سے آج جس طرح دنیا کی معیشت عالمی مالیاتی اداروں کی گرفت میں ہے' اسی طرح ڈیڑھ صدی قبل یورپی ممالک کی معیشت پر یہودی گرفت مسلط ہو چکی تھی۔ علامہ اقبال نے اپنے سفر یورپ میں اسی صورت حال کا مشاہدہ کرنے کے بعد کہا تھا کہ ؎

فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے

سیکولرازم کا نظریہ مذہب اور ریاست کی جدائی کا نام ہے جسے اقبال نے یوں بیان کیا ہے ؎

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری' ہوس کی وزیری

دیگر مذاہب کے برعکس اسلام صرف ایک مذہب نہیں بلکہ مکمل دین اور نظام زندگی ہے۔ لہٰذا کوئی بھی ایسی شے جو اس نظام کو نقصان پہنچاتی ہو' اس کا

سدباب ضروری ہے۔

ارتداد کا مسئلہ کیا ہے؟ حضورؐ کی حیات طیبہ کے دوران مدینے کے یہود نے جب دیکھا کہ جو شخص ایک دفعہ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتا تھا' پھر اس سے علیحدہ ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا انہوں نے سوچا کہ ایسی چال چلو جس سے اسلام کی دھاک اور ساکھ مجروح ہو جائے۔ چنانچہ یہودی صبح اسلام لاتے اور شام کو مرتد ہو جاتے تاکہ لوگوں کو اسلام سے متنفر کیا جا سکے۔ اسلام اگر محض ایک مذہب ہوتا تو مسلمانوں کے لیے ترک اسلام کے راستے کو کھلا رکھنے سے کوئی فرق واقع نہ ہوتا' لیکن اسلام تو درحقیقت ایک ریاست بھی ہے۔ ارتداد کا فتنہ اسلامی ریاست کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے نہایت موثر ہتھیار ثابت ہوتا۔ لہٰذا اس فتنے کا سدباب کرنے کے لیے "**من بدل دینہ فاقتلوہ** کا حکم جاری کر دیا گیا۔ اسلامی ریاست کی حدود میں کوئی مسلمان اگر مرتد ہو جاتا ہے تو وہ **واجب القتل** ہے۔

قتل مرتد کی سزا ان لوگوں کی سمجھ میں کیسے آئے جو مذہب اور ریاست کو جدا سمجھتے ہیں۔ جبکہ اسلامی ریاست کی بنیاد ہی مذہب ہے۔ لہٰذا مذہب سے بغاوت درحقیقت اسلامی ریاست سے بغاوت کے مترادف ہے۔ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے۔ اگر ریاست کے نظریہ ہی کو کمزور کر دیا جائے تو پھر خود ریاست ہی کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔

اسلام کا نظام حیات' اس کا سارا قانونی ڈھانچہ رسالت و نبوت محمدیؐ پر استوار ہے۔ ایک شخص بہت پکا موحد بھی ہو اور اس کے اخلاق بھی اچھے ہوں لیکن اگر وہ آپؐ کی رسالت و نبوت کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ عقیدۂ توحید کے باوجود غیر مسلم قرار پائے گا۔ کوئی شخص کتنا ہی متقی' عابد' زاہد اور پرہیزگار کیوں نہ ہو' جب تک رسالت محمدیؐ کا قلادہ اس کی گردن میں نہیں ہوگا' وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتا۔ اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا ہے کہ ؂

بمصطفی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام **بولہبی** است

دین تو نام ہی محمدؐ کا ہے۔ شریعت کا سارا وجود ہی آپؐ کی نبوت و رسالت کی بنیاد پر قائم ہے۔ اسلام کا پورا نظام محمدؐ کی شخصیت کے گرد گھومتا ہے۔ اگر اس تعلق

کو مجروح کر دیا جائے تو گویا اسلام کی پوری عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔

حضورؐ کے ساتھ ایک بندۂ مومن کے رشتے دار تعلق کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان پر ایمان لاؤ' ان کی اطاعت کلی کرو' اور تمام انسانوں سے بڑھ کر انہیں محبوب سمجھو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے محبوب تر نہ ہو جاؤں اس کے والد' اس کی اولاد سے' یہاں تک کہ تمام انسانوں سے۔ بدقسمتی سے آج ایمان کی یہ شرائط بھی امت کی عظیم اکثریت کے ذہنوں سے نکل چکی ہیں۔ عید میلاد مناؤ' نعتیں پڑھو' جلسے کر لو' سیرت کانفرنسیں کر لو' مگر جہاں تک اتباع رسولؐ' اطاعت رسولؐ اور محبت رسولؐ کا معاملہ ہے' اس سے بھی امت بیگانہ ہوتی جا رہی ہے۔ ایک ہے محبت جو دل کی چیز ہے جبکہ اطاعت کا تعلق عمل سے ہے جو نظر آتا ہے۔ ایک اور شے ہے جسے قرآن مجید ادب و احترام کے حوالے سے بیان کرتا ہے۔ بقول شاعر۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اسلامی ریاست یا اسلامی معاشرے کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک قانونی اور دوسری جذباتی۔ قانونی بنیاد کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات سے سرتابی نہ کی جائے۔ ان سے تجاوز نہ کیا جائے۔ مسلمان فرد ہو یا ریاست' دونوں قرآن و سنت کے دائرے کے اندر اندر آزاد ہیں۔ ان حدود سے تجاوز کی انہیں اجازت نہیں ہے۔ حضورؐ کا ادب و احترام اسلام کے نظام معاشرت اور اسلامی تہذیب میں یک رنگی اور تسلسل کا ضامن ہے۔ ایک ستون اگر دستوری و قانونی بنیاد ہے تو دوسرا ستون حضورؐ سے جذباتی محبت اور آپ کا اتباع ہے۔ اگر حضورؐ کا ادب و احترام اور آپ کی اتباع کا جذبہ کمزور پڑ جائے تو اسلامی تہذیب کی بنیاد ختم ہو کر رہ جائے گی۔ دین الٰہی کے اندر بھی یہی فتنہ تھا۔ جب کہا گیا کہ دین کی اصل توحید ہی ہے' رسالت وغیرہ کی چنداں اہمیت نہیں ہے۔ اس سے امت محمدؐ کا تشخص ختم ہو رہا تھا' اس فتنے کی سرکوبی کے لیے مجدد الف ثانیؒ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ بقول اقبالؒ

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

شیخ احمد سرہندیؒ حضرت مجدد الف ثانی کے مکاتیب میں اس قدر اتباع سنت پر زور دیا گیا ہے' اس کا عام آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

توہین رسالتؐ کا قانون نہ ہو تو اسلام اور پاکستان کے دشمنوں کو موقع مل جائے گا کہ وہ ہماری معاشرتی اور ملی زندگی کے جذباتی مرکز و محور کو منہدم کر دیں۔ اس سے مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔ اس بات کو علامہ نے بیان فرمایا ہے کہ۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

غیر مسلم قرار دیے جانے کے باوجود قادیانی فتنے کا پوری طرح سدباب نہیں ہو سکا۔ یہ فتنہ مکمل طور پر ختم تو نہیں ہوگیا' خفیہ طور پر اب پاکستان میں بھی مسلمانوں کو قادیانی بنایا جا رہا ہے۔ پوری دنیا میں قادیانی امت کا بول بالا ہے۔ قادیانی جماعت کے سربراہ کے خطبات سیٹلائٹ پر نشر ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ ہم پاکستان میں "Half way" تو چلے گئے کہ ہم نے انہیں غیر مسلم قرار دے دیا مگر اس فتنے کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لیے "قتل مرتد" کی سزا نافذ نہیں کی۔ قتل مرتد کے قانون کے نفاذ کے بعد جو مسلمان قادیانی ہوگا' وہ تو مرتد شمار کیا جائے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ جب تک "قتل مرتد" کی سزا کا نفاذ نہیں کیا جاتا' اس وقت تک قادیانی فتنے کا سدباب نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلم قرار دینے کے بعد قادیانی ٹولے نے مظلومیت کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ پوری دنیا میں انسانی حقوق کے حوالے سے انہوں نے اپنے لیے ہمدردی حاصل کر رکھی ہے کہ پاکستان میں ہمیں مسلم تسلیم نہیں کیا جاتا' ہمیں کلمہ پڑھنے سے روکا جاتا ہے' ہمیں مساجد کی تعمیر کی اجازت نہیں ہے۔ میں نے کئی مواقع پر مجلس عمل ختم نبوت کے ذمہ دار حضرات سے بھی کہا ہے کہ جب تک "قتل مرتد" کا قانون منظور کرانے کے لیے آپ مورچہ بند نہیں ہوں گے' اس وقت تک قادیانی فتنے کو روکنا ناممکن ہے۔ جناب اسماعیل قریشی پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ملکی قانون میں توہین رسالتؐ کے جرم کے لیے "Capital Punishment" نافذ کروا دی۔ تو کیا توہین رسالت کے قانون کی طرح "قتل مرتد" کی سزا نافذ نہیں ہو سکتی! غالباً مجلس عمل ختم

نبوت بھی عالمی فضا اور رجحان کے زیر اثر "قتل مرتد" کی سزا کے نفاذ کا مطالبہ کرنے کی جرات نہیں کر رہی۔

پاکستان میں قانون ناموس رسالت کی جو مخالفت ہو رہی ہے' وہ بظاہر عیسائی کر رہے ہیں۔ مگر حقیقت میں اس کے پس پردہ قادیانی لابی سرگرم عمل ہے۔ عالمی سطح پر بھی قادیانی متحرک ہیں۔ قادیانی عیسائیت کے آلہ کار بن چکے ہیں اور عیسائیت یہود کی آلہ کار ہے۔ گویا توہین رسالت' کے قانون کی مخالفت اصل میں یہودی سازش ہے۔ یہود نے عالم عیسائیت کو مفتوح کر لیا ہے اور برطانیہ' فرانس' امریکہ کی سرپرستی کی وجہ سے یہود کا ڈنکا بج رہا ہے۔ قادیانیوں کو یہ تشویش لاحق ہے کہ اگر پاکستان میں اسلام کے نفاذ کی جانب مزید پیش رفت ہوتی تو "قتل مرتد" کا قانون بھی نافذ ہو جائے گا جو قادیانیوں کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔

قادیانی حضرت مسیحؑ کے بارے میں کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے کشمیر میں آ کر وفات پائی ہے اور کشمیر میں ان کی قبر بھی موجود ہے۔ گویا قادیانی حضرت مسیحؑ کے نہ تو رفع سماوی کے قائل ہیں اور نہ ان کی دوبارہ آمد کے۔ مرزا غلام احمد قادیانی اس بات کا مدعی تھا کہ خود میں مثیل مسیحؑ ہوں۔

مرزا قادیانی نے کہا کہ مسیحؑ دوبارہ نہیں آئیں گے بلکہ ان کی سی صفات رکھنے والا شخص آئے گا اور وہ میں ہی ہوں۔ اس حوالے سے دیکھئے کہ عقائد کے ضمن میں قادیانیوں کا کس قدر بعد ہے عیسائیوں سے۔ جبکہ مسلمانوں کا عیسائیوں سے بہت زیادہ قرب ہے۔ اگر اس کے باوجود وہ قادیانیوں کے آلہ کار بنیں تو یہ بہت افسوس ناک بات ہے۔

باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

اکرام اللہ ساجد

یہ افسوس ناک واقعہ ۱۷ مئی ۱۹۸۶ء کی شام کو اسلام آباد ہوٹل میں ایک سیمینار کے دوران پیش آیا ـــــــ روزنامہ جسارت کے الفاظ میں:

"خواتین محاذ عمل اسلام آباد کے ایک جلسے میں صورت حال اس وقت سنگین ہوگئی' جب ایک خاتون مقرر عاصمہ جیلانی نے شریعت بل کے خلاف' تقریر کرتے ہوئے سرور کائناتؐ کے بارے میں غیر محتاط زبان استعمال کی۔ اس پر ایک مقامی وکیل نے احتجاج کیا اور کہا کہ رسولؐ خدا کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے محتاط رہنا چاہیے۔ جس پر دونوں کے درمیان تلخی ہوگئی اور جلسے کی فضا کشیدہ ہوگئی۔ عاصمہ جیلانی نے اپنی تقریر میں "تعلیم سے نابلد" اور "ان پڑھ" کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ لیکن بعد میں پولیس فاؤنڈیشن کے چیئرمین حبیب الرحمٰن اور شریعت کورٹ کے سابق چیف جسٹس آفتاب حسین نے عاصمہ جیلانی کے دلائل کی تائید کی"۔

("جسارت" کراچی' مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۸۶ء)

اس کے بعد کے واقعات یوں ہیں کہ:

محترمہ نثار فاطمہ ایم۔ این اے نے اس بے ادبی رسولؐ کا سخت نوٹس لیا اور اخبارات میں اس کے خلاف بھرپور مہم چلائی ـــــــ حتیٰ کہ بات قومی اسمبلی تک بھی پہنچی ـــــــ پھر اسی سلسلہ میں انہوں نے ایک مستقل مضمون بعنوان "شان

رسالت اور اس کے تقاضے" بھی لکھا جو روزنامہ "جنگ" کی دو اشاعتوں (۱۷-۱۸ جون ۸۶ء) میں قسط وار شائع ہوا---- لیکن مغربیت کے پجاریوں نے جن کے نزدیک حب رسولؐ اور احترام رسالت کا یہ جذبہ' جرم قرار پایا ہے' عاصمہ جیلانی کی حمایت اور محترمہ نثار فاطمہ کی تردید میں جوابی مضامین لکھنے ضروری سمجھے ہیں اور اس کے لیے انہوں نے لفظ "امی"---- جس کا متبادل لفظ استعمال کیا جانا ہی توہین رسالتؐ کے اس جرم کا ارتکاب قرار پایا ہے--- کی طول طویل لغوی بحثیں چھیڑ کر معاملہ کی سنگینی کو کم کرنے کی ناپاک جسارت اور ناکام کوشش کی ہے!

قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے لغت کی اہمیت سے کسی کو بھی مجال انکار نہیں۔ لیکن قرآن مجید کے اکثر و بیشتر الفاظ کا معنی و مفہوم جاننے کے لیے ان الفاظ کو قرآن مجید کے اپنے ہی پیش کردہ سیاق و سباق کی روشنی میں دیکھنا ضروری ہوتا ہے---- قرآن کریم میں لفظ "امی" مختلف صورتوں میں چھ مقامات پر آیا ہے اور ہر مقام پر اس کا معنی و مفہوم اس کے سیاق و سباق نے متعین کیا ہے---- سورۃ البقرۃ' آیت ۷۸ میں ارشاد ہوا:

و منهم امیون لا یعلمون الکتب الا امانی و ان هم الا یظنون

○

"اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں کہ اپنے خیالات باطل کے سوا (خدا کی) کتاب سے واقف ہی نہیں اور وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں"۔

(ترجمہ مولانا فتح محمد جالندھریؒ)

اس سے قبل کی دو آیات ہمیں بتلاتی ہیں کہ بات منافقین اور یہود و نصاری کی ہو رہی ہے جبکہ زیر بحث لفظ "امیون" کی تعریف میں وارد شدہ قرآن کریم کے اپنے ہی آئندہ الفاظ **لا یعلمون** نے ان لوگوں کی جہالت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور **الا امانی و ان هم الا یظنون** کے استثناء و حصر نے ان کے نفاق کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے---- لیکن اس کے بالکل برعکس جب یہی لفظ "امی" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہوا تو یہ آپؐ کا اعجازی وصف قرار پایا---- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندهم

فی التوراۃ و الانجیل یامرھم بالمعروف و ینھھم عن المنکر و یحل لھم الطیبت و یحرم علیھم الخبئث و یضع عنھم اصرھم و الاغلل التی کانت علیھم فالذین امنوا بہ و عزروہ و نصروہ و اتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون

"وہ جو (محمدؐ) رسول (اللہ) کی' جو نبی امی ہیں' پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں' وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق' جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے' اتارتے ہیں تو جو لوگ ان پر ایمان لائے' اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے' اس کی پیروی کی' وہی مراد پانے والے ہیں"۔

(الاعراف' ۱۵۷)

یہ ترجمہ بھی مولانا فتح محمد جالندھری کا ہے—— اول الذکر مقام پر آپ نے لفظ "امیون" کا ترجمہ "ان پڑھ" کیا ہے جبکہ یہاں اس آیت میں لفظ "امی" کا ترجمہ "امی" ہی کیا ہے۔ اس میں لغت کی کوئی مخالفت نہیں ہوئی' ہاں سیاق و سباق کو ملحوظ رکھا گیا ہے—— اور سیاق و سباق صاف بتلا رہا ہے کہ یہاں شان رسالت کا ذکر ہے اور "امی" ہونا حضورؐ کا وصف ہے۔ آپؐ کی خوبیوں کی ایک طویل فہرست کے ضمن میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے' تو اس سیاق و سباق میں آپؐ کے لیے یہ انتہائی قابل تعریف ہے' باعث تحقیر ہرگز نہیں—— یہی وجہ ہے کہ آیت میں لوگوں کو نہ صرف آپؐ کی اتباع کی دعوت دی جا رہی ہے' بلکہ حضورؐ کے متبعین کو فوز و فلاح کی نوید بھی سنائی جا رہی ہے۔ پھر قرآن مجید نے خود ہی دیگر مقامات پر اس بات کی مزید وضاحت بھی کر دی اور آپؐ کے "امی" ہونے کی حکمت بھی بیان فرما دی ہے—— چنانچہ اہل باطل یہ شک کر سکتے تھے کہ یہ قرآن مجید آپؐ نے خود لکھ لیا ہے' اس لیے تردید فرما دی کہ:

و ما کنت تتلوا من قبلہ من کتب و لا تخطہ بیمینک اذا لا

رتاب المبطلون

"اور آپؐ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے ایسا ہوتا تو اہل باطل ضرور شک کرتے"۔

(العنکبوت' ۴۸)

اسی طرح شاعری ایک اہم فن ہے' کہا جاسکتا تھا کہ ایسا کلام پیش کرنا حضورؐ کے اس فن کا حصہ ہے۔ لہٰذا آپؐ کے شاعر ہونے کی نہ صرف تردید کی گئی بلکہ اسے حضورؐ کے مقام و مرتبہ ہی کے منافی قرار دیا گیا:

و ما علمنہ الشعر و ما ینبغی لہ ان ھو الا ذکر و قران مبین

"اور ہم نے ان (پیغمبرؐ) کو شعرگوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ ان کو شایاں ہے۔ یہ تو محض نصیحت اور صاف صاف قرآن (پر از حکمت) ہے"۔

(یٰسین' ۶۹)

الغرض' یہاں ضرورت طول طویل لغوی بحثوں کی نہیں' سیاق و سباق کو پیش نظر رکھنے کی ہے اور مذکورہ ہر دو مقامات پر لفظ کی یکسانیت' نیز لغت کے اپنی جگہ درست ہونے کے باوجود' یہ وہ سیاق و سباق ہی ہے کہ جس نے مفہوم میں زمین و آسمان کا سا فرق کر دیا ہے۔

علاوہ ازیں آپؐ "امی" ان معنوں میں بھی ہیں کہ کسی بھی دنیاوی استاد کے سامنے آپؐ نے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا۔ ہاں بلکہ **الرحمن○ علم القران○ خلق الانسان○ علمہ البیان○** کے تحت آپؐ براہ راست اللہ رب العزت سے فیض یافتہ ہیں اور یہی بات آپؐ کے لیے باعث صد افتخار ہے۔ امام کعبہ **فضیلتہ** الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل نے انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے شعبہ اسلامیات کی نئی عمارت کا افتتاح کرتے ہوئے ۲۴ جون ۸۶ کو فرمایا:

"آپؐ کو نہ صرف قرآن مجید ایسی جامع العلوم کتاب ملی' بلکہ آپؐ کی حدیث کے جامع کلمات اس قدر فصیح و بلیغ ہیں کہ ایک ایک کلمہ میں ہزاروں نکتے پوشیدہ ہیں اور ایک ایک نکتہ ہمارے لیے روشنی کا معیار۔۔۔۔۔۔! پس اس سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے (اور آپؐ کے "امی" ہونے کی وضاحت میں قرآن مجید کے دیگر مقامات

سے صرف نظر کرتے ہوئے) اگر آپؐ کو ان پڑھ کہا جائے گا' تو یہی چیز توہین رسالت کے دائرہ میں داخل ہو کر ناقابل معافی جرم قرار پائے گی۔---- کیونکہ یہی لفظ امیون کی صورت میں قرآن مجید کے دوسرے مقام پر جہاں منافقین یہود و نصاریٰ کے لیے بھی بولا گیا ہے۔--- ہاں مگر سیاق و سباق نے یہ واضح کر دیا ہے کہ

ع چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک!

سیاق و سباق کی اس مختصر گفتگو کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مسٹر عبدالعزیز خالد' ہمارے دیرینہ کرمفرما پروفیسر وارث میر اور وفاقی شرعی عدالت کے سابق چیف جسٹس کی موکلہ عاصمہ جیلانی نے لفظ امی کا کیا معنی لیا اور کس سیاق و سباق میں لیا ہے؟ روزنامہ "جسارت" کے مطابق اس نے "تعلیم سے نابلد" اور "ان پڑھ" کے الفاظ استعمال کیے۔ اور یہ الفاظ آج کل ہمارے ہاں "غیر مہذب اور جاہل" کے مفہوم میں مستعمل ہیں۔ پھر اس عورت کے شاتم رسولؐ اور دشمن رسولؐ ہونے میں کون سا شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے؟ جبکہ حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں' ایک یہودی عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بدزبانی کی تو ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کا قصاص نہیں لیا اور اس کا خون رائیگاں کر دیا۔ (ملاحظہ ہو "سنن ابی داؤد مع العون" ص۲۲۶' ۴' "السنن الکبریٰ" بیہقی' ص۲۰۰' ۹' "الصارم المسلول علی شاتم الرسولؐ" ابن تیمیہ' ص۶۱) (مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے "محدث" جلد۱۶' عدد ۵-۶)

اور اگر یہ الفاظ متنازعہ فیہ ہوں (اس لیے کہ بعد میں ان وکلاء حضرات کی طرف سے ان پر کافی لے دے ہوئی ہے۔ اگرچہ "جسارت" کی متذکرہ بالا رپورٹ کی روشنی میں اس کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ ۱۷ مئی کو یہ واقعہ پیش آیا اور ۱۸ مئی کو "جسارت" میں یہ خبر شائع ہوئی) تو بھی جس سیاق و سباق میں لفظ "امی" کے مترادف الفاظ استعمال کیے گئے' اسے نظر انداز کرنا مشکل ہے۔---- یہ بات تو ان وکلاء حضرات کو بھی تسلیم ہے کہ محترمہ' شریعت بل کے خلاف تقریر کرتے ہوئے زہر اگل رہی تھیں۔---- پروفیسر وارث میر کے اپنے ہی نقل کردہ الفاظ میں:

"Asma Jahangir Considered Shariat Bill

Was a Great Danger For Women"

اب اگر شریعت بل کے بارے میں اس کا یہ خیال ہے تو صاحب شریعت کے بارے میں اس کی رائے کیا متحقق ہوئی؟ ظاہر ہے' اس نے شریعت بل میں بحیثیت بل کسی سقم کی نشاندہی نہیں کی' جس کا اسے حق پہنچتا تھا (بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ کیونکہ اس نے خود یہ اعتراف کیا ہے کہ اس کا شوہر قادیانی ہے' اس کے باوجود اس نے اپنے اس شوہر کو عام مسلمانوں سے بہتر مسلمان قرار دیا ہے---- ملاحظہ ہو روزنامہ "نوائے وقت" ۳۰ جون ۸۶ء' صفحہ آخر)

لیکن شریعت بل کو اس وجہ سے عورتوں کے لیے "خطرہ عظیم" قرار دینا کہ یہ نفاذ شریعت کے لیے ایک تحریک ہے' شریعت دشمنی نہیں تو اور کیا ہے' اور اس سے وہ صاحب شریعت کی حدی خواں کیونکر ہوگئی؟ قرآن مجید نے تو جس سیاق و سباق میں حضورؐ کو "امی" کہا ہے' اس میں آپؐ کی شریعت کی اتباع کرنے والوں کو فلاح و کامرانی کی نوید سنائی ہے۔ لیکن یہاں صاحب شریعت کی شریعت کے نفاذ کو عورتوں کے لیے "خطرۂ عظیم" (Great Danger) قرار دیا جا رہا ہے تو اس سے اس کی عداوت رسولؐ کے علاوہ اور کون سا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے؟ پھر اس گستاخانہ سیاق و سباق (شریعت دشمنی کا ایک افسوس ناک پس منظر بھی ہے---- کیا یہ عاصمہ جہانگیر "ویمن ایکشن فورم" (خواتین محاذ عمل) کی وہی سرگرم رکن نہیں جو اس سے قبل قانون شہادت' مسودۂ قصاص و دیت کے خلاف جلوس نکال چکی اور "سب کچھ ۱/۲" کے بینر لکھ کر اور نعرے لگا کر ارکان اسلام نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ ایسے احکام الٰہیہ کا مذاق اڑا چکی ہے؟ اور اگر یہ ساری شریعت دشمن کارروائیاں آج بھی اخبارات کی فائلوں میں موجود ہیں تو کیوں نہ یہ مطالبہ کیا جائے کہ ان کی پاداش میں اس دریدہ دہن گستاخ رسولؐ کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے تاکہ آئندہ کسی کو بھی مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہونے کی جرات نہ ہو۔

اور اس "انجمن وکالت عاصمہ جیلانی" سے بھی پوچھا جانا چاہیے کہ ان لوگوں نے اس کی وکالت کر کے شاتم رسولؐ راجپال کی روح کو خراج تحسین پیش کیا

ہے تو آخر کس خوشی میں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں---- بلکہ ان میں سے ایک تو اس شریعت دشمن کے شانہ بشانہ کھڑے نظر آتے ہیں---- اسی ۱۸ مئی کے لیے روزنامہ "جسارت" نے صفحہ اول پر لکھا ہے:

"وفاقی شریعت کورٹ کے سابق چیف جسٹس آفتاب حسین نے کہا ہے کہ شریعت بل آئین کے منافی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ خواتین کے حقوق پامال کرنے کی سازش ہے۔ وہ آج یہاں خواتین محاذ عمل کے زیر اہتمام ایک مجلس مذاکرہ سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ شریعت بل کا مقصد یہ ہے کہ دینی مدارس کے طلباء کے لیے نان روٹی کا بندوبست کیا جاسکے۔ انہوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ دینی مدارس میں فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والے علماء کی قابلیت محدود ہوتی ہے"۔

گویا یک نہ شد دو شد! قطع نظر اس سے کہ شریعت بل کا مقصد کیا ہے؟ اسی شریعت سے منسوب، جس شریعت سے یہ بل منسوب ہے، ایک عدالت کے آپ چیف جسٹس رہے ہیں، اور شریعت اگر ایسی ہی حقوق کو پامال کرنے والی چیز ہے تو آپ نے اس عہدہ کو قبول فرما کر قبل ازیں خواتین کے حقوق پامال کرنے کی یہ سازش کیوں کی تھی؟ یا کیا یہ بھی محض نان روٹی کا ایک بندوبست ہی تھا؟ پھر (بالفرض) دینی مدارس کے لیے یہ بندوبست شجر ممنوعہ کیوں قرار پایا اور اس کی پاداش میں وہ قابل گردن زدنی کیوں ٹھہرے؟ آپ ایک انتہائی باوقار عدالت کے جج رہے ہیں، کیا آپ کی عدل پروری اور کرم گستری کا یہی تقاضا ہے کہ دینی مدارس کے طلباء کے لیے نان روٹی کا بندوبست بھی نہیں ہونا چاہیے، محض اس جرم میں کہ وہ علوم شریعت پڑھتے اور پڑھاتے ہیں----؟ شریعت بیزار، اس شخص کو شریعت کورٹ ہی کا چیف جسٹس بنا دینا متعلقہ حکومت کا وہ کارنامہ ہے کہ تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا!

آپ کی موکلہ مسز عاصمہ جہانگیر نے یہ اعتراف کیا ہے کہ اس کا شوہر قادیانی ہے اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ دنیا اسلام میں مسلمہ طور پر قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے شوہر کو عام مسلمانوں سے بہتر مسلمان قرار دیتی ہے۔ پھر آپ ہی بتائیے وہ خود کیا ہوئی؟ اور اگر وہ خود مسلمان ہے اور اپنے

ہی بقول ۱۴ سال سے وہ اس کے ساتھ رہ رہی ہے' تو بتایئے یہ حدود اللہ کی پامالی نہیں تو اور کیا ہے؟ اور شریعت کورٹ کے ایک سابق چیف جسٹس کو "توہین رسالت" کی سزا کی علاوہ' اسے حدود آرڈیننس کے تحت بھی سزا دینے کی سفارش کرنی چاہیے تھی یا اسی کے لب و لہجہ میں گفتگو کر کے اور اس کی حمایت میں کھڑا ہو کر توہین رسالت کے ساتھ ساتھ توہین عدالت کا بھی مرتکب ہونا چاہیے تھا؟ شاید یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے دور عدالت میں بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں تاہم شکوہ آپ کو علمائے دین سے ہے کہ "ان کی قابلیت محدود ہوتی ہے"۔

اور شاید ایسے ہی لوگوں کے لیے پروفیسر وارث میر صاحب نے عاصمہ جیلانی کی حمایت میں لکھے جانے والے مضمون "امی کا مفہوم کیا ہے" کے ذریعے ان کی "بیداری شعور" کی اطلاع ہمیں دی ہے---- لکھتے ہیں:

"اگر شعور کی بیداری کا نام کفر ہے تو پھر پاکستان میں "گیم" علماء کے ہاتھ سے نکل چکی ہے"۔

چنانچہ "گیم" (Game) کے علماء کے ہاتھ سے نکلنے ہی کا نتیجہ ہے کہ

ع "ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے انجام گلستاں کیا ہوگا؟"

کی کیفیت نظر آتی ہے اور آپ ایسے باشعور ہر چہار سو بکھرے نظر آتے ہیں کہ جن کے عقل و شعور پر عقل و شعور ہی ماتم کناں ہیں---- اس "شعور کی بیداری" کا ایک قابل فخر نمونہ تو آپ نے اوپر ملاحظہ فرما لیا' ایک مزید نمونہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ آپ کے ہم مشرب عبدالعزیز خالد ہیں---- عاصمہ جیلانی کے خلاف مضمون تو لکھا۔ آپا نثار فاطمہ نے' لیکن یہ گلے پڑ گئے مولویوں کے' بغیر یہ سوچے سمجھے کہ نہ تو وہ مولوی ہیں اور نہ ہی کسی مسجد کی خطیب۔ لیکن غیظ و غضب کا طوفان ہے کہ رو کے نہیں رکتا۔ چنانچہ مولویوں کو:

"مذہبی فدائی--- نام نہاد مذہبی طبقہ--- جاہلیت و عصبیت کو ہوا دینے والے--- بڑے جابر--- بڑے مستبد--- بڑے خون آشام--- بدمزاج--- بددماغ--- پندار و نخوت کے پیکر--- غرور پارسائی میں اپنے آپے سے باہر ہونے والے--- ملوکیت کے حاشیہ بردار--- لوگوں کی جان

و ناموس کے دشمن—— تنگ نظر—— اسلام کے اجارہ دار—— مذہب کو ذریعہ معاش بنانے والے—— خوش اخلاقی، رواداری، مروت و محبت اور مساوات و اخوت سے نفرین—— اور اس کے علاوہ بھی ڈھیر ساری گالیاں!......"۔

دے ڈالی ہیں—— ان کے جس مضمون کا یہ اقتباس آپ نے ملاحظہ فرمایا، اس کا عنوان ہے "شان رسالت اور اس کے تقاضے"

یہ موضوع دیکھئے اور کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی یہ زبان دیکھئے—— "شعور کی بیداری" اگر اسی کا نام ہے تو پاگل پن کے لیے آپ کو لغت میں کوئی اور لفظ ایجاد کرنا ہوگا—— محترم، آپ نے مولوی کی جتنی بھی خوبیاں گنوائی ہیں، افسوس ان میں سے کوئی ایک خوبی بھی ان میں موجود نہیں ورنہ آپ کی یہ زبان طعن اس قدر دراز کیوں ہوتی؟ اب تک اسے لگام مل چکی ہوتی!

پاکستان میں علمائے دین کے خلاف یہ محاذ آرائی صرف اس لیے ہے کہ وہ نفاذ شریعت کی بات کرتے ہیں اور شریعت دشمن یہ ٹولہ، شریعت سے اس قدر الرجک ہے کہ اس کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتا—— چند دن ہی پیشتر ۲۹ جون کو پنجابی عالمی کانفرنس کے سٹیج سے یہ آواز بلند ہوئی ہے کہ:

"شریعت بل کے خلاف فضا تیار کی جانی چاہیے ورنہ اس کا نتیجہ فاشزم کی صورت میں نکلے گا"۔

شریعت کو اس سے بڑی گالی اور کوئی کیا دے گا اور ملک کی نظریاتی بنیادوں پر اس سے مہلک اور اس سے بڑھ کر کیا ہوگا؟ لیکن اس کے باوجود اگر یہی بحالی جمہوریت ہے کہ جس کے جو منہ میں آئے، بک دے، تاہم راوی چین ہی چین لکھتا ہے تو پھر اس ملک کا خدا ہی حافظ ہے—— حکمرانو! پھر وہ وقت جلد آئے گا کہ تمہیں پچھتانا بھی نصیب نہ ہوگا!

ہاں لیکن رسول اللہؐ کی خاطر اگر تمہیں عزیز ہے، آپؐ کی شریعت سے کچھ بھی لگاؤ ہے اور اس ملک کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ میں بھی تم مخلص ہو، تو یہاں شریعت کا نفاذ جلد از جلد کرو—— ہمیں یقین ہے کہ یہ شاتمین رسولؐ، اعدائے شریعت اور دشمنان ملک و ملت پھریوں دندناتے نہیں پھریں گے، ہر

ایک کو اس کا انصاف جلد ملے گا' اللہ کا قانون سب کے لیے کافی و شافی ہو گا!-----
اس دنیا میں تمہیں سردردی سے نجات ملے گی اور آخرت میں تمہارا بھلا
ہو گا----- **و ما علینا الا البلاغ**

(ماہنامہ "محدث" لاہور)

اقلیتوں کے حقوق اور قانون تحفظ رسالت

محمد سلیم دانش

پچھلے دنوں فیصل آباد کے بشپ جان جوزف کی خودکشی کا واقعہ رونما ہوا۔ واقعات کے مطابق ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ساہیوال نے ایوب مسیح نامی شخص کو توہین رسالت پر سزائے موت کا حکم سنایا' جس کے ردعمل کے طور پر بشپ جان جوزف نے احتجاجاً خودکشی کا ارتکاب کیا۔ جس پر پورے ملک میں مسیحی برادری نے توہین رسالت کے قانون کے خلاف شور بپا کر دیا اور اس کام میں انٹرنیشنل لابیاں بھی ان کی حمایت کو آن پہنچیں۔ جان جوزف کی اس خودکشی کو بعد میں قتل کی واردات بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی مگر ابھی تک تحقیقات کی روشنی میں کوئی حتمی فیصلہ سامنے نہیں آیا۔ اس واقعہ کو اس انداز میں پیش کیا گیا کہ اعتدال اور انصاف کا دامن بھی ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔

مثال کے طور پر چند روز قبل بشپ آف لاہور ڈاکٹر الیگزینڈر جان ملک نے پریس کانفرنس کر کے مطالبہ کیا کہ عیسائیوں کو شراب اور زکوٰۃ کی طرح توہین رسالت کا بھی پرمٹ دیا جائے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب اقلیتیں دائرہ اسلام سے خارج ہیں تو پھر ان پر اسلامی شرعی قوانین کا نفاذ کیوں؟ انہوں نے اقلیتوں کے حقوق کی بات کرتے ہوئے 295-B اور 295-C کو بھی کڑی تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ 295-B اور 295-C اقلیتوں کے حق پر ڈاکہ ہے اور یہ قوانین اقلیتوں کو ڈرانے' دھمکانے اور غلام بنانے اور قتل کرنے کا لائسنس ہے۔ ان کی بات کس حد تک صحیح ہے' اس کو پرکھنے کے لیے 295-B اور PPC-295-C کا انگریزی متن اور اس کا ترجمہ پیش کر رہا

ہوں:

Defiling etc. of Holy Quran whoever wilfully defiles, demages or desecrates a copy of the Holy Quran or of an extract Therefrom or uses it in any derogtory manner or for any unlawful purpose shall be punishable with inprisonment for life.

اردو متن تعزیرات پاکستان:
قرآن پاک کے نسخوں کی بے حرمتی وغیرہ کرنا:
جو کوئی قرآن پاک کی نسخے یا اس کے کسی اقتباس کی عمداً بے حرمتی کرے اسے نقصان یا اس کی بے ادبی کرے یا اسے توہین آمیز طریقے سے کسی غیر قانونی مقصد کے لیے استعمال کرے تو وہ عمر قید کی سزا کا مستوجب ہوگا۔

مندرجہ بالا قانون سے کوئی بھی فرد ہو' وہ مستثنٰی نہیں۔ چاہے اس کا تعلق اسلام سے ہو' چاہے عیسائیت سے یا دوسرے غیر مسلم حضرات جو پاکستانی ہیں اور اس قانون کی حیثیت اور اہمیت و ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور کسی بھی طبقے کو اس قانون سے مستثنٰی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے قرآن مجید کی بے حرمتی' بے ادبی اور گستاخی کا لائسنس جاری کر دیا جائے اور اپنی مذہبی اور دینی کتاب کی بے حرمتی کی اجازت مسلمان تو کیا عیسائی خود بھی نہیں دیں گے۔ کیا عیسائی غیر عیسائیوں کو Bible کی توہین اور بے حرمتی کا لائسنس جاری کر سکتے ہیں؟ اور پھر اگر ایک اسلامی ملک میں بھی قرآن مجید کی حرمت اور عزت اور ادب و تکریم نہیں تو پھر اور کہاں ہوگی اور کون مسلمان کو اس بنیادی حق سے محروم کر سکتا ہے کہ وہ اپنے ملک میں اپنی دینی کتاب کی حفاظت نہ کریں۔

Use of derogatory remarks etc. Inrespect of the Holy Prophet whoever by words, either spoken or written by visible representation or by any- Imputation innuendo insinuation directly or

in-directly, defiles the sacred name of Holy Prophet Muhammad (Peace be upon him) shall be punished with death or imprisonment for life and shall by liable to fine.

اردو ترجمہ ۲۹۵ (ج) پیغمبر اسلامؐ کی شان میں توہین آمیز الفاظ وغیرہ کا استعمال:

جو کوئی الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی یا تحریری یا نقوش کے ذریعے یا کسی تہمت کے ذریعے کنایہ یا درپردہ تعریض کے ذریعے بلاواسطہ یا بالواسطہ رسول اللہؐ کے پاک نام کی توہین کرے گا تو اسے موت کی سزا دی جائے گی یا عمر قید کی سزا اور مزید جرمانہ کی سزا بھی دی جائے گی۔

میں نے ان قوانین کا انگریزی متن اور اردو ترجمہ اس لیے تحریر کیا تاکہ ایک معتدل اور انصاف پسند ان قوانین کی جانبداری اور غیر جانبداری کا صحیح فیصلہ کر سکے اور سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کی بجائے حقائق کو خود اپنی نگاہوں سے دیکھے اور عقل سے پرکھے۔ ان قوانین میں مسلمان اور غیر مسلم کی تفریق بھی نہیں ہے جو کوئی بھی یہ حرکت قبیح کرے گا وہ اس قانون کی زد میں آئے گا۔ لیکن عیسائی برادری ان قوانین کو منفی انداز میں پیش کر کے جو مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہے، اسے وہ تو حاصل ہوں یا نہ، مگر ایک کام ضرور ہوگا، وہ یہ کہ عیسائی برادری وطن پاکستان مین بہت زیادہ پریشانیوں کو مفت میں خرید رہی ہے اور ڈاکٹر الیگزینڈر کا "سیاہ مسیحا" بنانے دھمکی دینا، ان کے لیے خود مصیبت کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

مسلمان قوم سے ان کے نبیؐ عالی شان کی توہین کا پرمٹ اور لائسنس طلب کرنے والے عیسائی راہنما کیا اپنے والدین کی بے عزتی کا لائسنس اپنے ہاتھوں سے کسی کو جاری کریں گے؟ سادہ لوح غیر مسلم قوم کو بے وقوف بنا کر عیسائی راہنما اقلیتوں کے حقوق کی نام پر کس جاہلانہ مطالبے کی رٹ لگا رہے ہیں، وہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ پاکستان ایک خالصتاً" اسلامی ملک ہے، جس کی اساس دو قومی نظریہ ہے۔

کہیں ایسا مطالبہ کر کے عیسائی پادری مسلمانوں میں آپس کے اختلافات بھلا کر اپنے خلاف محاذ بنانے کی دعوت تو نہیں دے رہے اور یقیناً ان کی رنگ رنگ کی

بولیاں انہیں اسی انجام سے دو چار کریں گی۔ ایسی صورت حال میں عیسائی محب وطن شہریوں کو سوچ سمجھ کر ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں آنا چاہیے۔ کہیں غلطی سے اپنی موت کا سامان خود اپنے ہاتھوں سے تیار نہ کرلیں۔

توہین رسالت کا حق نہ تو کسی کو دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی یہ حق کسی کو حاصل ہے اور گستاخ رسول کو کیفر کردار تک پہنچانا صرف حکومت کی ہی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ اسلام نے ہر مسلمان کی فرائض میں شامل کیا ہے جو غازی علم الدین کے واقعہ سے عیاں ہے۔

اس فعل قبیح کو حقوق کے پلڑے میں ڈالنا از خود حقوق کے ساتھ زیادتی ہے' انسانوں میں سب سے افضل ذات کی عزت و ناموس اگر غیر محفوظ ہے تو پھر دوسرے انسانی حقوق کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ پھر یہ کیسا حق ہے' جس کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ وہ ذات جو دین اسلام کی بنیاد ہے' اس کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو کون مسلمان تحفظ دے سکتا ہے؟

بلا شک و شبہ اسلام اقلیتوں کے حقوق کا محافظ ہے۔ مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ اپنی عزت و عظمت کو خود اپنے ہاتھوں خاک میں ملا دے۔ اسلام حقوق و فرائض کا خود تعین کرتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ کسی کے جھوٹے خدا کو بھی برا بھلا نہ کہو' مبادا کہ وہ جواباً تمہارے سچے خدا کو بھی برا بھلا کہیں۔ عیسائی برادری کو ہمارے اس عقیدے سے بھی آگاہ رہنا چاہیے۔ ان کے نبی ہمارے نزدیک ان سے بڑھ کر معزز و محترم ہیں۔ بلکہ ہم اپنے ایمان اور اسلام کو اس وقت تک مکمل نہیں گردانتے جب تک کہ ہم تمام انبیاء کی عظمت اور ناموس کی پاسداری نہ کریں۔ مزید یہ کہ ہمارے ہاں کسی ایک نبی کی بھی توہین دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے لیے کافی ہے۔ لہٰذا واضح رہے کہ عظمت و ناموس انبیاء صرف مسلمان پر لازم نہیں بلکہ یہ تمام انسانوں کے لیے یکساں لازمی ہے اور عیسائیت اس مسئلے میں اسلام سے بڑھ کر شدت اختیار کر گئی ہے۔ کیونکہ بقول بشپ کینتھ لیزلی توہین رسالت کے سلسلے میں عیسائیت میں اسلام سے بھی زیادہ سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ کیونکہ عیسائیت نے محض سزائے موت تجویز نہیں کی بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ توہین رسالت کے مرتکب کو کنواں کھود کر اس میں پھینک دیا جائے اور پھر اس قدر سنگ باری کی جائے کہ وہ تڑپ

تڑپ کر مر جائے۔

لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کو اچھالنے کی بجائے معاملے کی نزاکت کو سمجھا جائے اور معاندانہ طرز عمل اختیار کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ جو صورت حال اس کے نتیجہ میں پیدا ہوگی وہ حکومت تو کیا ان کے کنٹرول سے بھی باہر ہوگی جو آپ کو ڈکٹیشن دے رہے ہیں۔

(روزنامہ "دن" لاہور' ۲۳ مئی ۱۹۹۸ء)

پاکستان میں توہین رسالت کا قانون

واقعات و مشاہدات کی روشنی میں ایک اجمالی خاکہ

مولانا عیسیٰ منصوری' لندن

۱۶ مئی ۹۸ء کے اخبار جنگ (لندن) میں "مسلسل غلط استعمال کی وجہ سے توہین رسالت کا قانون تبدیل کرنا ضروری ہوگیا ہے" کے عنوان کے تحت جنگ فورم کا مذاکرہ نظر سے گزرا۔ اس قانون میں پاکستان کے آئین کی دفعہ ۲۹۵ سی کے تحت پیغمبر اسلامؐ کی توہین پر سزائے موت مقرر ہے۔ اس موضوع پر مسیحی نمائندے جناب **جیمز شیرا'** سابق میئر رینگی اور دیگر پانچ نامور وکلاء حضرات کے خیالات سامنے آئے۔ **جیمز** شیرا صاحب نے بتایا کہ پاکستان میں دفعہ ۲۹۵ سی کی وجہ سے نہ صرف نفرتیں بڑھ رہی ہیں بلکہ سبھی (اقلیتی) طبقات اپنے آپ کو بے سہارا سمجھنے لگے ہیں۔ اس دفعہ کے نافذ ہونے کے بعد پاکستان میں تقریباً دو سو مقدمات درج ہوچکے ہیں جبکہ دنیا کے دوسرے کسی مسلم ملک میں ایسے قانون یا ایسے مقدمات کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے۔ اب بھی مسیحی اقلیت پر دھڑا دھڑ جھوٹے مقدمات بن رہے ہیں۔ انہوں نے یہ شکایت کی کہ اگر چھوٹی عدالت کسی ملزم کو مجرم قرار دیتی ہے تو لوگوں کے غضب کی وجہ سے کوئی وکیل بڑی عدالت میں مقدمہ لڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اس طرح اقلیتوں کو انصاف نہیں مل پاتا۔ **جیمز** شیرا صاحب نے یاد دلایا کہ رسول کریمؐ اپنے اوپر کوڑا کرکٹ پھینکنے والی عورتوں کی تیمارداری کرنے چلے جایا کرتے تھے۔ وہ اس وقت پیغمبر بھی تھے اور حاکم بھی۔ انہوں نے اپنی گستاخی کے جرم میں دوسروں کو قتل نہیں کیا۔

بیرسٹر ظہور بٹ صاحب نے کہا کہ پاکستان کے مولوی جھوٹے الزام لگا کر آنکھیں بند کر کے اور اقلیتوں کے خلاف تقریر کر کے لوگوں کو بھڑکا کر عوام میں نفرت و انتقام کے جذبات پیدا کر رہے ہیں۔ جن کا مقصد محض اقلیتوں کو تنگ کرنا اور ذاتی بدلے چکانا ہے۔ دوسرے دن کے اخبار جنگ میں موصوف نے اپنے ایک مضمون میں پاکستان میں اقلیتوں پر مظالم کی مکمل فہرست پیش کی ہے۔ ظہور بٹ صاحب نے چیلنج کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ توہین رسالت کے قانون کے تحت قائم کیے گئے تقریباً سارے کے سارے مقدمات جھوٹے ہیں۔ جناب بیرسٹر صبغتہ اللہ قادری نے کہا کہ توہین رسالت کی دفعہ کسی منتخب اسمبلی نے نہیں بنائی بلکہ ایک فوجی ڈکیٹیٹر (ضیاء الحق) نے شخصی طور پر نافذ کی۔ آپ نے زور دے کر کہا کہ اس مسئلے کا واحد حل یہ ہے کہ یہ قانون ہرگز قائم نہیں رہنا چاہیے۔ اس کے خاتمے کے لیے باشعور لوگوں کو ایماندارانہ طور پر آگے بڑھ کر عملی اقدامات کرنے چاہئیں۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ حکومت پاکستان کو چاہیے کہ وہ خود ہی اس قانون کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیشن بنائے' جس میں جامعہ ازہر کو شامل کرنے کے علاوہ دنیا بھر کے اسلامی ممالک کے علماء کو شامل کیا جائے اور ان سے پوچھا جائے کیا یہ کوئی اسلامی قانون ہے؟ کیونکہ دنیا کے کسی دوسرے مسلم ملک یا قرآن و سنت میں کہیں بھی ایسا قانون تجویز نہیں کیا گیا۔ یہ غیر مسلم اقلیتوں کو ستانے کا ایک ذریعہ ہے۔ پاکستان' یونیورسل ڈیکلریشن پر دستخط بھی کر چکا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ میں چیلنج کرتا ہوں کہ یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ یہ کوئی اسلامی قانون نہیں ہے بلکہ محض ایک پاکستانی قانون ہے کیونکہ اس کے سوا دنیا کے کسی ملک میں نافذ نہیں ہے۔ یہ قانون نہ خلافت راشدہ کے زمانے میں رائج تھا نہ بنو امیہ نہ بنو عباس کے زمانے میں اور نہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں تھا۔

سولیسٹر جناب شاہد دستگیر صاحب نے کہا کہ میں قادری صاحب سے اتفاق کرتے ہوئے کہوں گا کہ (پاکستان میں) واقعی ایسے قانون بنائے جا رہے ہیں جن سے نفرتیں پھیل رہی ہیں۔ اور ان سے کسی بھی مہذب آدمی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا مقصد بعض طبقات کو ڈرانا دھمکانا ہے۔ آپ نے مزید کہا کہ اسے ختم کرنے کے لیے کمیشن کا قیام انتہائی ضروری ہے۔ سلیم قریشی صاحب نے ابھی کچھ دیر

پہلے کہا تھا کہ یہ انسانی حقوق کا مسئلہ نہیں ہے۔ میں ان کی اس بات سے شدید اختلاف کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ جس قانون میں لوگوں کی ناجائز طور پر جانب داری کی جا رہی ہو' وہ انسانی حقوق کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ بیرسٹر یوسف صاحب نے کہا کہ دفعہ ۲۹۵ سی رسول کریمؐ کی شان کو تحفظ فراہم کرتی ہے۔ اس لیے اس میں کوئی خامی نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو تبدیل کرنے کی بات کرنے کے بجائے اس موضوع پر یہ بات ہونی چاہیے کہ اس کو نافذ کرنے کے کون سے بہتر طریقے اختیار کیے جائیں۔ اس قانون کے خلاف آواز اٹھانے والے پیغمبر اسلام کی توہین کا کھلا لائسنس چاہتے ہیں۔ اس لیے مسیحی لوگوں سے درخواست ہے کہ وہ اس کو اتنا بڑا ایشو نہ بنا لیں جبکہ بیرسٹر سلیم قریشی صاحب نے اس دفعہ کی موافقت کرتے ہوئے یاد دلایا کہ اگر توہین رسالت کا قانون نہ بنایا جاتا تو ہر شخص قانون اپنے ہاتھ میں لے لیتا۔ اس قانون کی وجہ سے تو مسیحیوں کو بہت تحفظ ملے گا۔ یہ قانون غیر مساوی حقوق پر ہرگز مبنی نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی مسلمان بھی اگر حضورؐ کی توہین کرتا ہے تو یہ قانون اس پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

اس فورم کا مجموعی طور پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ توہین رسالت پر سزا کی دفعہ ۲۹۵ سی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ محض ایک فوجی ڈکٹیٹر نے جذباتی ملاؤں کے کہنے پر نافذ کر دی ہے۔ اس سے اقلیتوں کے حقوق اور جان کو شدید خطرات لاحق ہیں۔ لہٰذا اس کو ختم کرنے کی جدوجہد وقت کی بہت بڑی ضرورت' جہاد اور پاکستان کی عظیم خدمت ہے۔ چنانچہ جب جیمز شیرا صاحب نے اس قانون کے خلاف انٹرنیشنل کمیشن میں اپیل دائر کرنے کا عندیہ ظاہر کیا تو اول الذکر تینوں دانشور وکلاء نے رضاکارانہ طور پر اس "جہاد" کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہم تینوں جیمز شیرا کی اپیل کی وکالت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اور کل سے ہی اس کی تیاری کا کام شروع کر دیں گے۔ کیونکہ یہ پاکستان کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

آیئے اس مسئلے کا علمی و تاریخی طور پر جائزہ لیں کہ آیا قرآن و سنت' سیرت نبویؐ اور مسلمانوں کے پورے چودہ سو سالہ دور میں توہین رسالت ایسا جرم تسلیم کیا جاتا رہا' جس کی سزا صرف موت ہو' یا حال ہی میں چند جذباتی ملاؤں نے اقلیتوں کو تنگ کرنے کے لیے ایسا غیر مہذب قانون ہے؟

اسلام میں توہین رسالت ایک سنگین جرم ہونا اور اس کے مرتکب کے لیے سزائے موت کا مسئلہ رسول کریمؐ کے دور اقدس سے لے کر آج تک ملت اسلامیہ میں کبھی بھی مختلف فیہ نہیں رہا۔ حدیث کی ہر کتاب اور فقہ کی کوئی سی کتاب میں گستاخ رسالتؐ کے باب کو اٹھا کر دیکھ لیا جائے تو دور رسالتؐ سے لے کر آج تک گستاخ رسولؐ کی ایک ہی سزا نظر آئے گی اور وہ ہے سزائے موت۔ علماء نے ہر دور میں اس مسئلے پر کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول' علامہ تقی الدین سبکیؒ کی کتاب السیف المسلول علی من سب الرسول اور علامہ زین العابدین شامیؒ کی تنبیہہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الانام' اہل علم میں معروف و متداول ہیں۔ جن میں تفصیل سے قرآن و حدیث کی روشنی میں اور نبوت کے علمی شواہد اور دلائل سے گستاخ رسالت کے لیے سزائے موت مذکور ہے۔ دراصل توہین رسالت کا مسئلہ اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے جس پر ایمان کی بقاء کا دارومدار ہے۔

متعدد صحیح احادیث میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین' اولاد اور تمام لوگوں حتیٰ کہ خود اس کی اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

گزشتہ چودہ سو سال میں تمام مکتبہ فکر کے محدثین' فقہاء' علماء اس مسئلے پر متفق رہے ہیں۔ دور نبوت سے ہر دور میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔ برصغیر میں مغلیہ دور کے اختتام تک عدالتوں میں یہ قانون جاری رہا حتیٰ کہ اکبر اعظم جیسے روادار بادشاہ کو اپنی ہندو چہیتی رانیوں کی ناراضگی کے باوجود بنارس کے گستاخ رسول برہمن کو سزائے موت دینی پڑی۔

قادری صاحب اگر صرف فتاویٰ عالمگیری ہی اٹھا کر دیکھ لیتے تو تفصیل سے راہنمائی مل جاتی۔ برصغیر میں انگریز کی حکومت قائم ہونے کے بعد مسلمانوں کا عدالتی نظام ختم کر دیا گیا (جس میں فقہ حنفی کے مطابق فیصلے کیے جاتے تھے) اور برطانوی قوانین رائج کیے گئے۔ آزادی سے پہلے ہندوستان میں توہین رسالت کے متعدد واقعات پیش آئے جس کے مرتکب انگریز اور متعصب ہندو ہوئے۔ ہر واقعے میں کسی غیرت مند مسلمان نے گستاخ رسول کو قتل کر کے پھانسی کا پھندا چوم لیا۔ حتیٰ کہ جب

لاہور میں راج پال نے رنگیلا رسول جیسی فحش اور گندی کتاب لکھی تو غازی علم الدین نے اسے قتل کر کے بخوشی موت کی سزا قبول کر لی۔ اس وقت پورے ملک میں اس مسئلے نے ایک زبردست تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ غازی علم الدین کیس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، علامہ اقبالؒ اور محمد علی جناحؒ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ حتیٰ کہ برطانوی دور کے جج حضرات کو یہ کہنا پڑا کہ کوئی بھی مسلمان اپنے رسول کی توہین اور گستاخی برداشت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ انگریز گورنمنٹ کو توہین رسالت پر سزا کا قانون بنانا پڑا۔

رسول اللہؐ کی دو حیثیتیں ہیں (۱) آپؐ کی ذاتی حیثیت (۲) منصب رسالت پر فائز ہونے کی حیثیت۔ جہاں تک پہلی حیثیت کا تعلق ہے، آپؐ کی ذات اقدس کو تکلیف پہنچانے، اذیت دینے اور سخت سے سخت مظالم ڈھانے والوں کو آپؐ نے ہمیشہ فراخ دلی سے معاف فرمایا۔ آپ نے پوری زندگی میں سخت سے سخت دشمن کا بھی اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا۔ مکہ مکرمہ میں ۱۳ سال تک مسلسل آپؐ کے خاندان، اصحاب اور خود آپ کو جن شدید ترین مظالم، تکالیف سے گزرنا پڑا، اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن فتح مکہ کے دن ایک ہی سانس میں آپؐ نے فرما دیا، تم سب آزاد ہو۔ تم سے پچھلا کوئی حساب نہیں لیا جائے گا لیکن جہاں تک رسالت کی حیثیت سے تعلق ہے، کسی بھی گستاخ رسالت کو آپؐ نے معاف نہیں فرمایا۔ حتیٰ کہ شان رسالت میں گستاخی کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ کعبہ کے پردے میں لپٹے ہوئے ہوں، تب بھی انہیں قتل کرنے سے گریز نہ کرنا۔ چنانچہ آپؐ کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے گستاخان رسالت کو حرم کعبہ میں بھی قتل کیا گیا۔ یہ بدیہی بات ہے کہ کسی پیغام کی عظمت اس کے لانے والے کی عظمت سے مستلزم ہوتی ہے۔ جب رسول ہی کی عظمت باقی نہ رہے تو اس کے پیغام کی عظمت بھی باقی نہیں رہ سکتی۔

اس لیے دنیا کے ہر مذہب میں اس کے بانی یا داعی اول کی گستاخی یا توہین کی سزا موت مقرر ہے۔ جو شخص بھی اسلام کے قانون (فقہ) پر نظر رکھتا ہو گا، وہ بے ساختہ کہے گا کہ ۱۴ سو سالہ تاریخ میں گستاخ رسالت کے لیے موت کی سزا کے سوا کسی سزا کا سوچا بھی نہیں گیا۔

آج تک کسی محدث، فقیہ یا عالم نے اسلام کے وسیع ذخیرے میں فرضی طور پر بھی توہین رسالت کے مسئلے پر کسی متبادل سزا کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ کسی روزنامہ یا اخبار کے صفحات ان طویل حوالوں کے متحمل نہیں ہوسکتے ورنہ ہم ہر ہر دور کے فقہاء و علماء کے متفقہ فیصلے نقل کرتے۔ پنجاب کے سابق گورنر چودھری الطاف حسین صاحب کوئی مذہبی شخصیت نہیں۔ آپ نے اپنی کتاب قصاص و دیت میں مختلف احادیث کے حوالے سے گستاخ رسالتؐ کے لیے سزائے موت کے متعلق تفصیل سے شرعی موقف بیان کیا ہے۔ سنن ابوداوٗد و سنن نسائی کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک نابینا صحابی نے اپنی محبوب باندی کو اور بیوی جس سے ان کے دو بچے بھی تھے، شان رسالتؐ میں گستاخی کے جرم میں قتل کر دیا۔ جب رسول کریمؐ کے سامنے واقعہ پیش کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا، گواہ رہو اس کا خون ساقط (معاف) ہے۔ اسی طرح ظہیر بن امیہ کے شان رسالت میں گستاخی کرنے کی پاداش میں ان کی بہن کے قتل کرنے کا واقعہ نقل کیا ہے کہ اطلاع ہونے پر آنحضرتؐ نے اس کے بیٹوں کو اطلاع دی کہ تمہاری ماں کا خون ساقط کر دیا گیا ہے۔ (بحوالہ مجمع الزوائد)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ایک عورت کا واقعہ نقل کیا ہے جو شان رسالتؐ میں گستاخی کیا کرتی تھی۔ عمر بن عدی نے آدھی رات کو اس عورت کے گھر میں داخل ہو کر اس کو قتل کیا۔ حضورؐ نے فرمایا جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کی غیبی مدد کی تو وہ عمر بن عدی کو دیکھ لے۔

اسی طرح چودھری الطاف صاحب نے عکرمہ مولی ابن عباس کی روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہؐ کو گالی دی تو حضرت زبیرؓ نے اس کو للکارا اور مقابلہ کر کے قتل کر دیا اور رسول اللہؐ نے اس کا سامان حضرت زبیر کو دلوا دیا۔ (بحوالہ مصنف عبدالرزاق) ایک روایت سیدنا حضرت علیؓ کی نقل کی ہے کہ ایک یہودی عورت حضورؐ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ ایک شخص نے اسے گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا اور حضور نے اس کا خون ساقط فرمایا۔ یہ سب واقعات سابق گورنر پنجاب چودھری الطاف حسین نے اپنی کتاب میں تفصیل سے نقل کیے ہیں جو اخبار جنگ میں چھ سال پہلے چھپ چکے ہیں۔ چودھری صاحب نے واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص

نے خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو زبان سے اذیت پہنچائی۔ ابو برزہ اسلمی نے اسے قتل کرنا چاہا تو اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا' نبی کے بعد کسی شخص کا یہ مقام نہیں کہ اس کو گالیاں دینے والے کو قتل کیا جائے۔

اس پر چودھری صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے اس اشارے میں واضح دلیل ہے کہ جو شخص نبی اکرمؐ کو گالیاں دے' اسے قتل کر دیا جائے۔ اسی طرح جو شخص نبی اکرمؐ کو اذیت پہنچائے یا آپؐ میں عیب یا نقص نکالے' اسے بھی قتل کیا جائے گا۔

یاد رہے کہ اسلام نے حالت جنگ بلکہ میدان جنگ میں بھی عورت کے قتل کرنے کو منع کیا ہے۔ مگر اسلام کی نظر میں توہین رسالت کا جرم اس قدر سنگین ہے کہ اس کی پاداش میں عورت تک کو قتل کیا گیا۔

یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ توہین رسالتؐ کی سزا کا اطلاق صرف مسلمان پر ہوگا۔ آپ نے ابھی ملاحظہ فرمایا کہ دور رسالت میں بھی متعدد یہودی و کافر عورتوں تک کو اس جرم میں سزا دی گئی۔ یہ صرف اسلام کے ساتھ تو خاص نہیں' یہ حکم ہر مذہب میں آپ کو ملے گا۔ خود بائبل مقدس میں نہ صرف حضرت مسیح کے گستاخ کے لیے بلکہ حاکم' قاضی' کاہن' حتیٰ کہ والدین کے گستاخ کے لیے بھی سزائے موت بیان کی گئی ہے۔ بائبل مقدس کی کتاب استثناء ۱۲-۱۳ میں ہے۔ اگر کوئی شخص گستاخی سے پیش آئے' اس کاہن کی بابت جو خداوند کی خدمت میں کھڑا ہے یا اس قاضی کا کہا نہ مانے تو وہ شخص مار ڈالا جائے۔ اور تو اسرائیل میں سے اس برائی کو دور کرا لینا اور سب لوگ سن کر ڈر جائیں پھر گستاخی سے پیش نہ آئیں۔ اسی طرح بائبل مقدس میں ہے' ان کے امراء اپنی زبان کی گستاخی کے سبب تہ تیغ ہوں گے (یوسع' ۷-۱۶)

دوسری جگہ حضرت مسیح کے گستاخ کے متعلق بائبل بتاتی ہے کہ یہ لوگ بے عقل جانور کی مانند ہیں جو پکڑے جانے اور ہلاک ہونے کے لیے حیوان مطلق پیدا ہوئے۔ (پطرس- ۲/۱۰ تا ۱۲) بائبل مقدس بتاتی ہے کہ توریت جس صندوق میں رکھی گئی تھی اس کو گستاخی سے دیکھنے یا چھونے والے کے لیے سزائے موت کا حکم ہے۔ دیکھئے (خروج ۲۵- ۱۰ تا ۲۲) اور اس جرم میں ہزارہا لوگوں کو قتل کیا گیا۔ بائبل مقدس میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت داؤد کے متعلق تحقیر سے یہ الفاظ کہے

"داؤد کون اور سی کا بیٹا کون ہے۔ جب حضرت داؤد کو اس کی خبر ہوی تو بائبل کی زبان سے یہ الفاظ صادر ہوئے۔ تب داؤد نے اپنے لوگوں کو کہا' اپنی تلوار باندھ لو۔ سو ہر ایک نے اپنی تلوار باندھی اور داؤدؑ نے اپنی تلوار حمائل کی' تقریباً چار سو جوان داؤد کے پیچھے چلے۔ (سموئیل ۲۴-۲ تا ۱۳)

مذہب ہی نہیں' ہر نظریے کے تحفظ کے لیے عملاً یہی کیا گیا۔ دور کیوں جائیے' کون نہیں جانتا کہ روس میں کمیونزم اور اس کے بانی کی شان میں کوئی لفظ کہنے کی پاداش میں ہزارہا انسان موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں۔ توہین رسالت کے اسلامی قانون میں ملزم کو اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا پورا موقع دیا جاتا ہے۔ یہی نہیں عدالت کے فیصلے کے بعد وہ اعلیٰ عدالت میں اپیل بھی کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس قانون کی تنسیخ کے مطالبے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہر شخص کو رسالت مآبؐ کی شان میں توہین آمیز الفاظ استعمال کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی جائے۔ اس سے ملک میں نقص امن اور بدامنی کی شدید صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ قانون موجود نہ ہونے کی صورت میں شمع رسالت کے پروانوں کو توہین رسالت کے مرتکب افراد کی خبر لینے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ مسیحی بھائیوں کو سوچنا چاہیے کہ دفعہ ۲۹۵ سی ہرگز کسی فرقے کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ اقلیتوں کا تحفظ اس سے وابستہ ہے تاکہ کوئی شخص قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لے سکے۔

آیئے اب پاکستان میں دفعہ ۲۹۵ سی کے نفاذ اور اس پر عمل کی صورت حال پر ایک نظر ڈالیں۔ یہ صحیح ہے کہ یہ دفعہ جنرل ضیاء الحق کے دور میں نافذ کی گئی تھی مگر اس کے بعد جونیجو دور میں پاکستان کی قومی اسمبلی اسے باقاعدہ طور پر پاس کر چکی ہے بلکہ اس پر فل کورٹ کا فیصلہ بھی آچکا ہے۔ یہی نہیں بلکہ سپریم کورٹ نے بھی اس دفعہ کی توسیع و تصدیق کر دی ہے۔ اس کے بعد یہ دفعہ حتمی اتھارٹی اختیار کر چکی ہے۔ اب اس میں کوئی پارلیمنٹ بھی کمی بیشی نہیں کر سکتی۔ پاکستان میں ۱۹۹۴ء میں حکومت نے قومی اسمبلی میں قانون توہین رسالتؐ کمیٹی کے عنوان سے ایک کمیٹی بنائی جس کا پہلا اجلاس وزیر داخلہ کی صدارت اور وزیر قانون کی موجودگی میں ہوا۔ اس میں ۴ مسلمان اور ۴ ہی اقلیتی نمائندے موجود تھے۔ اس اجلاس میں ۴ میں سے ایک بھی اقلیتی نمائندے نے مطالبہ نہیں کیا کہ سزائے موت کے قانون میں کمی یا

ترمیم کی جائے۔ ان کا کہنا صرف یہ تھا کہ بعض اوقات اس کو غلط یا ناجائز طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے سیکولر حکمرانوں نے بیرونی طاقتوں کے دباؤ میں آکر کبھی بھی اس دفعہ پر عمل نہیں ہونے دیا۔ چند سال قبل گوجرانوالہ تھانہ لدھاکے گاؤں رتہ دوہتر کے مشہور واقعے میں عدالت میں ملزم پر تقریباً جرم ثابت ہوچکا تھا کہ مسز رابن رافیل کی اس وقت کے وزیراعظم بے نظیر سے ملاقات کے بعد امریکی دباؤ میں آکر سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ کی کارروائی میں مداخلت کرکے بالا ہی بالا ملزمان کی ضمانت کروا کر انہیں بیرون ملک روانہ کر دیا گیا۔ آج تک کسی ایک ملزم کو بھی اس دفعہ کے تحت سزا نہیں ہونے دی گئی۔

حکمرانوں نے اپنے بیرونی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے اس دفعہ کو غیر موثر کرنے کے لیے انتہائی شرمناک حیلے اختیار کیے ہیں۔

پاکستان میں یہ واحد قانون ہے جس کے لیے یہ شرط عائد کی گئی کہ توہین رسالت کے مقدمے کی پیش رفت کا فیصلہ سیشن جج کرے گا۔ کیا پاکستان میں کوئی دوسرا قانون ہے' جس میں پہلے سیشن جج یا مجسٹریٹ فیصلہ کرتا ہو کہ یہ کیس قابل پیش رفت ہے یا نہیں؟ اس طرح اس دفعہ کے دانت پہلے ہی نکالے جا چکے ہیں۔ ہمارے سیکولر حکمران توہین رسالت کے مرتکب افراد کو سزا سے بچانے کے لیے جو حیلے اختیار کر رہے ہیں' ان میں ایک یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ جرم ثابت نہ ہونے پر مدعی کو دس سال قید کی سزا دی جائے۔ شریعت سے کھیل کرنے اور شیطانی مکر و فریب کی یہ پہلی مثال نہیں ہے۔ دوسری صدی ہجری میں عباسی خلیفہ منصور (جس نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کو درے لگوائے تھے' حتیٰ کہ امام اعظمؒ کا انتقال جیل ہی میں ہوا) کے پاس آکر ایک بار ابن ھبرمہ (جو ایک مشہور شاعر اور شرابی تھا) نے اس کی مدح سرائی میں کچھ اشعار پڑھے۔ منصور نے خوش ہو کر کہا' مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا' آپ حاکم مدینہ کو لکھ دیجئے کہ وہ جب مجھے نشے کی حالت میں دیکھے تو مجھ پر شرعی حد جاری نہ کرے۔

منصور نے کہا' میں اللہ کی حدود میں دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا' تو پھر میرے لیے کوئی حیلہ بنا دیجئے۔ چنانچہ منصور نے حاکم مدینہ کو لکھ بھیجا کہ جو

شخص ابن ھبرمہ کو نشے کی حالت میں پکڑ کر لائے' اس لانے والے کو سو درے مارے جائیں۔ اب اگر حاکم خود بھی اس کو نشے کی حالت میں دیکھتا تو یہ کہہ کر صرف نظر کر لیتا کہ اسے اسی درے لگوانے کے لیے خود کون سو درے کھائے۔ ہمیں اپنے سیکولر حکمرانوں پر ترس آتا ہے کہ یہ بے چارے اپنے مغربی آقاؤں کی ہدایات اور اپنے ممالک کے عوام کے دینی رجحانات کے درمیان سینڈوچ بنے ہوئے ہیں۔ ان غریبوں کا حال یہ ہے کہ جب مغربی ملکوں اور لابیوں کا دباؤ بڑھتا ہے تو ان کو نام نہاد انسانی حقوق اور ویسٹرن سویلائزیشن کا راگ الاپنا پڑتا ہے۔ اور جب ان کے اپنے ملک کے عوام سڑکوں پر نکل آتے ہیں تو اسلام کے ساتھ وابستگی اور اسلامی احکامات پر ایمان و یقین کا ورد کرنے لگ جاتے ہیں۔ ان دنوں پاکستان میں مسیحی اقلیت دفعہ ۲۹۵ سی کے خلاف سراپا احتجاج بنی ہوئی ہے۔ یہی نہیں بلکہ برطانیہ و امریکہ سمیت متعدد یورپی ممالک میں مظاہرے' احتجاج اور لابنگ ہو رہی ہے۔ اب خیر سے برطانیہ میں اخبار جنگ کی بدولت مسلمان وکلاء کی معاونت سے اس قانون کو انٹرنیشنل کمیشن میں چیلنج کرنے کے لیے کمیٹی بن چکی ہے۔

اس دفعہ کو انسانی حقوق کی مخالف مسلم بین الاقوامی ضوابط و قوانین اور اقوام متحدہ کے منشور انسانی حقوق و انسانی آزادی کی خلاف ورزی کہا جا رہا ہے۔ اسے شخصی آزادی پر قدغن اور مسیحیوں سے امتیاز برتنے کا ذریعہ بتایا جا رہا ہے۔ ہم اسے پڑھ کر حیرت میں ڈوب جاتے ہیں کہ یاخدا! ایک ارب سے زیادہ انسانوں کی محبوب ترین ہستی حضرت محمد مصطفیؐ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے سے روکنے پر مسیحی اقلیت آزادی تحریر و تقریر سے یکسر محروم ہوگئی۔ بے چارے بے دست و پا ہوگئے۔ ان کی سوچ و فکر کی قوتیں مقفل ہوگئیں۔ ان کی شہری آزادیاں ختم ہوگئیں۔ رسول کو گالی نہ دینے سے ان پر ظلم کی انتہا ہوگئی۔ وہ دوسرے درجے کے شہری بن گئے۔ سمجھ نہیں آتا کہ یاالٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پاکستان میں مسیحی برادری تمام غیر مسلموں کی نمائندگی کرتی رہی ہے۔ مثلاً شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کے شامل کرنے کے مطالبے کا مسیحیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مسلمانوں کا یہ مطالبہ سو فیصد قادیانیوں کے پس منظر میں تھا کہ وہ خود کو مسلمان ظاہر کر کے ناواقف مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ یہ

ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آج تک قادیانی بننے والوں میں دس فیصد بھی غیر مسلم نہیں ہیں۔ قادیانی ہمیشہ دین سے ناواقف مسلمانوں کا شکار کرتے رہے ہیں مگر اس مسئلے پر مسیحی اقلیت نے ملک بھر میں مظاہرے اور بھوک ہڑتالی کیمپ قائم کیے اور شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کے اندراج میں رکاوٹ کھڑی کی۔

گزشتہ انتخابات میں جے سالک اور دیگر عیسائی نمائندوں نے برملا کہا کہ ہم اس پارٹی کو ووٹ دیں گے جو شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ اور گستاخ رسولؐ کی سزا ختم کرے گی۔ توہین رسالتؐ کے مسئلے کو پاکستان کی کسی اور اقلیت نے کبھی ایشو نہیں بنایا۔

یہ تاثر دینا کہ مسیحی پیغمبر اسلام کی توہین و تنقیص کا کھلا لائسنس چاہتے ہیں یا بیرونی ممالک میں شور مچا کر پاکستان یا آئین پاکستان کو بدنام کرنا یا مغربی طاقتوں سے دباؤ ڈلوانے کی کوشش کرنا مسیحی اقلیت کی خیر خواہی نہیں بلکہ بدترین بدخواہی ہے۔ دنیا کی کوئی بھی اقلیت' اکثریت سے اس کے مذہب کے متعلق محاذ آرائی کر کے پرسکون نہیں رہ سکتی۔ اس سے ان کی مشکلات میں اضافہ ہی ہو سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس سے جو فائدہ ممکن ہے' وہ یہ کہ کچھ مسیحیوں کو مغربی ممالک میں کچھ سہولت...... مل جائے۔

ہم عیسائی برادری سے درخواست کریں گے کہ دفعہ ۲۹۵ سی ہرگز ہرگز کسی اقلیت کے خلاف نہیں ہے۔ ہاں اس کے غلط اور ناجائز استعمال کو روکنے کے لیے ضرور قانون سازی ہونی چاہیے۔ دنیا میں چند لوگوں کے کسی قانون کو غلط استعمال کرنے کی وجہ سے قانون کو ختم کرنے کا مطالبہ کبھی نہیں ہوا۔ اسی طرح اس قانون کے تحت دیگر انبیاء حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ کو بھی لایا جا سکتا ہے بلکہ دیگر مذاہب کے بانیوں کی توہین کے متعلق بھی یہی قانون نافذ کر دیا جائے تو کسی مسلمان کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ کیونکہ تمام مذاہب اور اس کے بانیوں کا احترام اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔

آئیے' ہم اس بات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں کہ کیا وجہ ہے کہ پاکستان میں وقتاً" فوقتاً" اچانک اس قسم کے مسائل اٹھتے رہتے ہیں۔ جب ہم ان کے اسباب کا بغور جائزہ لیتے ہیں تو اس کے دو بنیادی سبب نظر آتے ہیں۔ ایک فکری' دوسرے

سیاسی۔ فکری سبب کا عنوان ہے سیکولرازم۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ مغرب میں تین سو سال تک کلیسا اور سائنس کے درمیان محاذ آرائی اور خون ریز جنگ ہوتی رہی ہے۔ کلیسا نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے علم و سائنس کا راستہ روکنا چاہا۔ خالص علمی و سائنسی نظریات کی بنیاد پر **گلیلیو** جیسے بے شمار مایہ ناز افراد کو پھانسیاں لگوائیں۔ ہزارہا افراد کو زندہ جلایا۔ کلیسا کے مظالم کے ردعمل کے طور پر اہل یورپ کے دلوں میں مذہب کے خلاف ہر طرح کی نفرت' بغض اور عداوت بیٹھ گئی۔ اس کشمکش کے نتیجے میں مذہب کو سائنس کے مقابلے میں شکست کھانا پڑی جس کے نتیجے میں مذہب کو چرچ تک محدود کر دیا گیا اور یہ طے کر لیا گیا کہ مذہب کا دائرہ کار محض شخصی عقائد و عبادات ہے۔ تمام اجتماعی امور سے مذہب کو بے دخل کر کے یہ طے کر لیا گیا کہ وہ عقل سے کیے جائیں گے۔ اس فکر کا نام ہے سیکولر ازم۔ الغرض سیکولرازم اسلام کے متوازی ایک مستقل نظام فکر و عمل یا نظام حیات ہے۔ پھر کمیونزم کے زوال کے بعد سیکولر ازم نے اپنا حریف اسلام کو بنا لیا۔ چنانچہ گزشتہ دنوں جب مغرب کی سب سے بڑی عسکری تنظیم ناٹو کے جنرل سیکرٹری سے ایک صحافی نے سوال کیا کہ کمیونزم کے ختم ہو جانے کے بعد اب ناٹو کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس نے بے ساختہ جواب دیا کہ ابھی اسلام باقی ہے۔ اس وقت الجزائر' ترکی' مصر' پاکستان وغیرہ میں جو باہمی کشمکش نظر آ رہی ہے' درحقیقت وہ اسلام اور سیکولرازم کی کشمکش ہے۔ جس طرح ہر سچے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے نظام حیات میں قرآن و سنت کی بالادستی کو قائم کرے اسی طرح ہر سچے سیکولرسٹ کا فرض ہے کہ وہ زندگی کے اجتماعی شعبوں سے مذہب کے اثر کو کھرچ کر پھینک دے۔

سیکولرازم اس مذہب کے خلاف نہیں ہے جو محض چند عقائد اور عبادات کی رسموں کا مجموعہ ہو۔ وہ صرف اس مذہب کے خلاف ہے' جو مکمل نظام حیات ہو۔ جس کا دعویٰ زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی شعبوں میں رہنمائی کا ہو اور وہ مذہب صرف اسلام ہے اور ان واقعات کا سیاسی سبب یہ ہے کہ جب مغرب نے روس کی شکست و ریخت کے بعد شعوری طور پر اسلام کو اپنا حریف اور دشمن نمبر ایک قرار دے دیا تو اس کا اولین فرض یہ بنتا ہے کہ وہ کسی مسلم ممالک میں اسلام کی بالادستی قائم نہ ہونے دے خواہ اس کے لیے اسے الجزائر کی طرح خانہ جنگی کروانی پڑے۔

اس لیے مغرب کی پوری کوشش یہ ہے کہ پاکستان کی طرح کوئی بھی ملک جو برملا اسلام کا نام لیتا ہو' طاقت حاصل نہ کرنے پائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حال میں بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے بعد مغرب کا پورا زور اس پر تھا کہ پاکستان دھماکہ نہ کرے۔ پاکستان میں مذہبی قوتوں کا پرزور مطالبہ تھا کہ فوری دھماکہ کیا جائے اور وہاں قومی سلامتی کے مسئلے پر زبردست اتفاق و اتحاد کا خدشہ پیدا ہوگیا تھا۔ اس لیے ان کو باہمی طور پر الجھانے کے لیے توہین رسالت کا مسئلہ کھڑا کیا گیا جو دیکھتے ہی دیکھتے عالمی شکل اختیار کرگیا۔ اس قسم کے مسائل ہمیشہ ایسے ہی موقع پر کھڑے کیے جاتے ہیں۔

گزشتہ دنوں اخبارات میں سی آئی اے کی رپورٹ چھپ چکی ہے جس میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ امریکی انٹیلی جنس سی آئی اے نے مسیحیوں کے سب سے بڑے مذہبی سربراہ پوپ کو افریقہ و ایشیاء کے متعلق ملکوں میں اپنے مقاصد کے لیے کس طرح استعمال کیا۔ جو عالمی طاقتیں اور ایجنسیاں اپنے مذموم مقاصد کے لیے پوپ تک کو استعمال کرسکتی ہیں' ان کے لیے عام مسیحی کو استعمال کرنا کیا مشکل ہے؟ ہم مسلسل دیکھ رہے ہیں کہ مغرب ہمیشہ رشدی' تسلیمہ نسرین اور عاصمہ جہانگیر جیسے لوگوں کی پیٹھ ٹھونکتا رہا اور ان کی ہمت افزائی کرتا رہا۔ امریکہ و یورپ کے سربراہ جنہیں ملنے کے لیے مسلم ممالک کے سربراہوں تک کو برسوں انتظار کرنا پڑتا ہے' وہ رشدی جیسوں کو بار بار ملاقات کا شرف بخشتے رہتے ہیں۔ اور میڈیا کے ذریعے ان کی خوب تشہیر کی جاتی ہے تاکہ اور لوگ بھی اس راستے پر گامزن ہو کر یہ قدر و منزلت اور اعزاز حاصل کرسکیں۔ ہمیں مسیحیوں کے اس مطالبے کا اس وقت عالمی طور پر اسلام اور سیکولرازم کی کشمکش کے پس منظر میں جائزہ لینا ہوگا۔ دیکھا گیا ہے کہ ایسے موقع پر وہ مسلمان بھی سرگرم ہو جاتے ہیں جنہوں نے سیکولرازم کو بطور ایک نظام حیات قبول کیا ہے۔ چنانچہ گزشتہ دنوں پاکستان میں خواتین کی تیس تنظیموں کی نمائندہ لیگل فورم نے ان قوانین کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا جو (ان کے خیال میں) خواتین کے حقوق کو متاثر کرتے ہیں۔ ان کے مطالبے کا ہدف آئین کے اسلامی قوانین (بشمول حدود و قصاص اور ازدواجی معاملات کے متعلق شرعی قوانین) تھے۔ ان میں ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ توہین رسالتؐ کا قانون منسوخ کیا جائے حالانکہ توہین رسالت کے قانون کا خواتین کے حقوق سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ مطالبہ صرف

مسیحی اقلیت کا ہے۔ یہ ایک بین حقیقت ہے کہ پاکستان میں ماڈرن خواتین کی جتنی بھی تنظیمیں ہیں، بظاہر ان کا مقصد عورتوں کے حقوق کا تحفظ ہے مگر ان کا حقیقی مقصد ہمیشہ اسلامی قوانین اور اسلام کی مخالفت رہا ہے۔ انہوں نے آج تک خواتین کی کوئی قابل ذکر خدمت نہیں کی۔ ان سب تنظیموں نے مل کر بھی خواتین کی اتنی خدمت نہیں کی، جتنی بعض رفاہی افراد نے کی۔ یہ حقیقت ہے کہ جب تک مسلمانوں کے دلوں میں رسالت کی عظمت اور ان کا اپنے رسول سے والہانہ تعلق ہے، مغرب انہیں اپنی طرح کا سیکولر اور آزاد خیال بنانے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے وہ عشق رسولؐ کے جذبے کو دلوں سے کھرچ کر پھینکنا چاہتا ہے۔

آیئے اب ایک نظر اس پر ڈالیں کہ سیکولر فکر اپنانے کے بعد مغرب نے اپنے نبی حضرت مسیحؑ کی عظمت کا کیا حشر کیا۔ ۱۹۹۴ء میں برطانیہ میں ایسٹر کے متبرک ہفتے کے موقع پر جیکی لیوں کا گایا ہوا مشہور گیت (سو مائی سول لیکن سنک) فروخت کیا گیا جس میں حضرت مریمؑ، حضرت مسیحؑ اور حضرت یوسفؑ کو ۲۵ مرتبہ نعوذ باللہ...... گالی دی گئی ہے۔ لیکن **مسیحیوں** کا اپنے نبیؑ کی توہین کے خلاف کوئی ردعمل سامنے نہیں آتا۔ حتیٰ کہ مغرب میں حضرت عیسیٰؑ کی توہین پر پادریوں کے زبانی احتجاج و بیانات کے سوا کوئی خاص ردعمل نہیں ہوا۔ برطانیہ میں ملکہ، سیاسی قائد کے ساتھ ساتھ مذہبی سربراہ بھی مانی جاتی ہے۔ یعنی ملکہ، سیاسی سربراہ کے ساتھ محافظ دین بھی ہے۔ ان کی سرپرستی میں برطانوی پارلیمنٹ مرد کی مرد کے ساتھ بدفعلی کو جائز قرار دینے کا قانون پاس کرتی ہے۔ اس روسیاہی کو گناہ نہ ٹھہرانے کے لیے یہاں کے ایک مذہبی رہنما **انگلیکن** کف مونٹ فائر نے جولائی ۱۹۹۷ء میں حضرت مسیحؑ کے شادی نہ کرنے اور مجرد رہنے کی ایک وجہ یہ بتائی تھی کہ نعوذ باللہ!!! اگرچہ برطانیہ میں گستاخ مسیحؑ کا قانون موجود ہے۔ اس پر ایک ممتاز مسیحی رہنما بشپ آف ڈرھم نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ: "خدا کو گستاخی سے بچانا تضیع اوقات ہے"۔

یاد رکھئے مغرب مسلمانوں کے اپنے نبیؐ کے ساتھ تعلق کو اس معیار اور اس سطح پر لانا چاہتا ہے، اس لیے پوری قوت سے توہین رسالت کی دفعہ کو ہدف بنایا گیا ہے اور یہ سب انسانی حقوق اور اقلیتوں کے حقوق کے نام پر کیا جا رہا ہے۔

ہمیں یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ انسانی حقوق کا تعین ہر

قوم کی اپنی اخلاقی قدروں اور تہذیب اور عقائد کے پس منظر میں ہوتا ہے۔ چند سال پہلے مغرب نے اقوام متحدہ کو آلہ کار بنا کر جنسی بے راہ روی کا کنڈوم کلچر جبراً مسلم ممالک پر مسلط کرنا چاہا تھا۔ اس کے لیے قاہرہ اور بیجنگ میں کروڑوں ڈالر خرچ کر کے عالمی کانفرنسیں منعقد کیں تھیں۔ اس وقت خیر سے کیتھولک چرچ کے رہنماؤں کی شدید مخالفت کی وجہ سے مغرب کے سیکولر حکمران کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ کچھ عرصے سے امریکی صدر اور برطانوی پرائم منسٹر سمیت مغرب کے سیکولر حکمران جس طرح ہم جنس پرستی کی حمایت اور عزت افزائی کر رہے ہیں' آپ دیکھیں گے بہت جلد یہ قبیح فعل انسانی حقوق میں شمار ہوگا۔ میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ کچھ عرصہ بعد مسلم ممالک پر اس حوالے سے بھی پابندیاں عائد کی جائیں گی اور ان کو معاشی بائیکاٹ کی دھمکیاں ملیں گی کہ وہ ہم جنس پرستی کے انسانی حق کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس وقت دنیا کے اسٹیج پر اسلام اور سیکولر ازم کی کشمکش فائنل راؤنڈ میں داخل ہوچکی ہے۔ بہت جلد مسلمانوں اور عالم اسلام کو دونوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا دو ٹوک فیصلہ کرنا ہوگا۔ مغرب اور سیکولر حضرات کی انسانی حقوق کی حس صرف سلمان رشدی' تسلیمہ نسرین اور بشپ پیٹر جان جوزف کے موقعے پر پھڑکتی ہے انہیں عراق کے لاکھوں معصوم بچوں کی موت اور بوسنیا' چیچنیا' فلسطین و کشمیر میں لاکھوں بے قصور انسانوں کے قتل اور لاکھوں بے قصور انسانوں کے جیلوں میں سڑنے پر کبھی انسانی حقوق کا خیال نہیں آیا اور نہ ان مظلوموں کی لسٹ کبھی کسی نے پیش کی۔ البتہ قادیانیوں کی لسٹ جناب ظہور بٹ صاحب سے لے کر امریکہ کی وزارت خارجہ کے ٹیبل تک ہر وقت موجود ہے۔ ۱۹۸۷ء میں امریکی سینٹ کی خارجہ تعلقات کی کمیٹی نے پاکستان کی امداد کے لیے جن شرائط کو اپنی قرارداد میں شامل کیا تھا' اس میں ایٹمی تنصیبات کے معائنے کے بعد دوسری شرط انسانی حقوق کے حوالے سے ختم نبوت ایکٹ کو ختم کرنے کی تھی تاکہ قادیانی کھلم کھلا نئی نبوت اور نئی وحی کی دعوت دے سکیں۔ وہ علی الاعلان مرزا کو نبی' اس کی ہفوات کو وحی اور اس کے ساتھیوں کو صحابہ' اس کی بیویوں کو ازواج مطہرات کہہ سکیں۔

اس طرح چودہ سو سال سے جو شعائر مسلمانوں کی شناخت و پہچان اور ان کا

ٹریڈ مارک ہیں، یعنی اسلام، مسجد، اذان، کلمہ طیبہ، وہ اسے آزادی سے استعمال کر سکیں۔ میں آخر میں سبھی مذہبی رہنماؤں سے درخواست کروں گا کہ وہ سیکولر حکمرانوں اور لابیوں کے آلہ کار نہ بنیں ورنہ یہ لوگ مسیحیت کی بچی کھچی اقدار کو بھی کھرچ کر پھینک دیں گے۔ توہین رسالت کے قانون کے خاتمے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کے بجائے گستاخ مسیحؑ کے قانون کی مدافعت پر توجہ دیں۔ میں ان کی خدمت میں آکسفورڈ کے بشپ رچرڈ ہیریز کا قول بغرض غور و خوض پیش کروں گا۔ "گو گستاخ رسالت کا موجودہ قانون کئی پہلوؤں سے تسلی بخش نہیں ہے تاہم اسے ختم کر دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ اب ہمارے معاشرے میں مذہب کا کوئی مقام نہیں رہا"۔

قانون توہین رسالت مابؐ کا
حقائق و واقعات کی روشنی میں جائزہ

حافظ محمد عبدالاعلی بریڈ فورڈ

توہین رسالت کا قانون دنیا میں پہلی مرتبہ معرض وجود میں نہیں آیا۔ دنیا کی ہر غیور قوم مذہب' اور مملکت اپنی محسن شخصیات کی حرمت کی پاسداری کرتی ہے۔ اہل کتاب کو یقیناً اس بات کا علم ہوگا کہ بائبل میں نہ صرف رسولوں کی شان میں گستاخی کی سزا' سزائے موت ہے بلکہ نائبین رسول کے گستاخوں کو بھی واجب القتل قرار دیا گیا ہے۔ بائبل کی کتاب استثناء کے باب ۱۷ میں یہ صریح حکم آج تک موجود ہے۔

برطانیہ جو اپنے آپ کو عیسائیت کا علمبردار سمجھتا ہے' اس میں قانون توہین مسیح (بلاس فیمی) (Blasphemy) ملک کے قانون عام (Common Law) کے طور پر رائج ہے اور انگلستان کے مجموعہ قوانین (Statutory Book) میں موجود ہے۔ اگرچہ الحاد پرستی کی وجہ سے مسیحؑ کی عزت و حرمت کا پیمانہ ہی بدلا جا چکا ہے' تاہم قانون اپنی جگہ موجود ہے جس سے مسلمانوں نے عیسائیوں کے ساتھ مل کر فائدہ بھی اٹھایا (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)

جہاں تک تعلق ہے' اس بات کا کہ اس قانون سے انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے' تو ہم آج تک' انسانی حقوق کی تعریف اور اس کا اطلاق کن لوگوں' حالات یا قوموں پر ہوتا ہے' نہیں سمجھ سکے۔ کیونکہ جب بھی ان الفاظ کا اطلاق کیا گیا' صرف مجرم ہی سامنے لائے گئے۔ انہی کی حمایت ہی کی گئی ہے' انہیں ہی ہیرو بنا

کر پیش کیا گیا۔ قاتلوں' ڈرگ سمگلروں' ڈاکوؤں اور معاشرے کے گھناؤنے افراد ہی کی "عزت خراب ہونے سے بچانے کی سعی کی گئی۔ پاکستان جیسے غریب ملک میں چائلڈ لیبر انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی زد میں آتی ہے اور یورپ میں ہر گلی کی نکڑ پر کھڑی سولہ سترہ سالہ جسم فروش لڑکیاں جس "مزدوری سے روٹی" کماتی ہیں' وہ عین انسانی حقوق کے تحت ہے۔ سعودی عرب میں ایک قاتلہ نرس کو سزا کا اعلان حقوق انسانی کی خلاف ورزی تھا لیکن بوسنیا' فلسطین' کشمیر' الجزائر' کوسوود وغیرہ میں مسلمانوں کا قتل عام عین انسانی حقوق کے مطابق ہے۔ اس وقت ان لوگوں کو انسانی حقوق ہرگز یاد نہیں آتے' جب عراق کے لاکھوں بچے دوائی کے ایک ایک قطرے کو ترستے ہیں اور لیبیا کے باشندے جرم وفا میں گزشتہ آٹھ برس سے دنیا سے علیحدہ کیے جا چکے ہیں۔ اگر ان کے مجرم کو سزا دی جائے تو پورا یورپ چیخ اٹھتا ہے اور اگر ہمارے ہاں کوئی ملزم' جرم ثابت ہونے سے مستوجب سزا قرار دیا جائے تب یہ اسے ہیرو بنا کر پیش کرتے ہیں اور راتوں رات یورپ کے غلام حکمرانوں کے حلق پر انگوٹھا رکھ کر ایمرجنسی پاسپورٹ تیار کروا کر انہیں خصوصی اہتمام سے یہاں سیاسی پناہ دی جاتی ہے اور یوں ہمارے جرم ضعیفی کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اپنے ملک کے باشندوں کا تحفظ کرتے ہوئے اسے ان کے حوالے نہ کرے تو اس کا عالمی بائیکاٹ کر دیا جاتا ہے۔ غرضیکہ اب تک انسانی حقوق کا مطلب یہی سامنے آیا ہے کہ جس کی لاٹھی' اس کی بھینس اور مسلمان ملکوں کے حق میں یہ پیغام ہے کہ:

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

ایک مجرم کے جذبات کو مجروح کرنا انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے' لیکن لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمانوں کے آقائے دو جہاں' کائنات کی سب سے بڑی ہردلعزیز ہستی کے خلاف زبان طعن دراز کر کے پوری دنیا کے شمع رسالتؐ کے پروانوں کی دلازاری' انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہے؟ ڈھٹائی' حقائق سے فرار' بے رحمی' سنگدلی' بے انصافی' ظلم و طغیان' بغاوت و سرکشی کی آخر کوئی تو حد ہونی چاہیے۔ دنیا میں عدل و انصاف اور انسانی حقوق کے نام نہاد علمبردار کچھ تو اس کی بھی وضاحت کریں۔

نیز توہین رسالتؐ کے اس قانون کا اطلاق صرف سرکار دو جہاں محمد رسول

اللہؐ کی اہانت کرنے والے تک ہی محدود نہیں رکھا گیا' بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں ان تمام انبیاء و رسل' جس میں انبیائے بنی اسرائیل اور جناب مسیحؑ بھی شامل ہیں' ان سب میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص کرنا جرم اور مستوجب سزا ہے۔

اہل اسلام جب اس قانون سے خوفزدہ نہیں ہوتے' جبکہ وہ سیدنا مسیحؑ کو سچا نبی مانتے ہیں' تو مسیحی حضرات کو اس سے خطرہ کیوں محسوس ہوتا ہے؟ سانچ کو تو کہتے ہیں کہ آنچ نہیں ہوتی لیکن یہاں بے بنیاد خدشات کو اچھال کر خواہ مخواہ اپنی پوزیشن کو مشکوک بنانے کی سعی کی جا رہی ہے۔

پھر یہ قانون کوئی اندھا قانون نہیں ہے جس کا استعمال بے سوچے سمجھے کیا جا سکتا ہے۔ سب کے جذبات اور انصاف کے تقاضوں اور اردگرد کے احوال کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اسلامی نظام تعزیرات میں کسی جرم کی جتنی سنگین سزا مقرر ہے' اسی قدر اسے ثابت کرنے کے لیے کڑی شرائط بھی درکار ہیں۔ چنانچہ حد کی سزا میں شہادت کا معیار عام شہادت سے کہیں زیادہ بلند' سخت اور غیر معمولی ہے۔ گناہ کبیرہ کے مرتکب فاسق فاجر کی گواہی قبول نہیں کی جاتی' بلکہ صادق القول' عادل اور تزکیہ الشہود کے معیار پر پورا اترنے والے کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک بنیادی شرط ملزم کے سامنے نیت' ارادہ' اور قصد کی بھی ہے۔ مزید برآں شک کا فائدہ بھی ملزم کو پہنچتا ہے۔ لہٰذا اس پہلو سے بھی اسے ہدف تنقید بنانا اسلام کے قانون شہادت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ ضروری نہیں کہ انگریزی قانون میں مہارت حاصل کرنے سے انسان میں اسلامی قانون کی مہارت بھی پیدا ہو جائے۔ اگر یہ نظر آئے کہ فیصلہ کرتے وقت ان کڑی شرائط کا لحاظ نہیں رکھا گیا تو عدالت میں اسے چیلنج کیا جا سکتا ہے۔

رہی یہ بات کہ قانون کے غلط استعمال کا خدشہ ہو سکتا ہے' یہ اعتراض بھی بے وزن ہے۔ دنیا میں کتنے سخت سے سخت قوانین موجود ہیں' ان کا استعمال بھی غلط ہو سکتا ہے' بلکہ ہوتا بھی ہے لیکن کبھی کسی نے اس پہلو سے احتجاج نہیں کیا' تو صرف اہانت رسول کو ہی اس امتیاز کا نشانہ کیوں بنایا جاتا ہے؟

جب یہ قانون نہیں بنا تھا تو تب توہین رسالت کے مجرم مسلمانوں کے ہاتھوں کب محفوظ رہتے تھے' جو اب مسیحی حضرات کو زیادہ خطرہ نظر آنے لگ گیا ہے۔ بلکہ

اب تو ایک قسم کا بے گناہ لوگوں کے لیے احساس تحفظ پیدا ہوگیا ہے۔ دراصل توہین رسالت اور اس طرح کے دیگر قوانین و اقدامات سے اصل تکلیف ایک غیر مسلم اقلیت کو ہوتی ہے جسے طویل جدوجہد اور قربانیوں کے بعد ۱۹۷۴ء میں قانونی طور پر غیر مسلم قرار دیا گیا۔ اس وقت سے وہ زخمی سانپ کی طرح کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ جس کی آڑ میں انہیں ملک کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کا بہانہ ہاتھ آتا ہو۔ خود سامنے آنے کی تو جرات نہیں ہوتی' اس لیے وہ دوسرے سادہ لوح اہل مذاہب کو آگے کر دیتے ہیں۔ جیسا اس توہین رسالت کے قانون کے خلاف مسیحی حضرات کو آگے کیا ہوا ہے۔ غرض سلسلہ نبوت سے تعلق رکھنے والے اصحاب خاص طور پر عیسائی براوری کو مسلمانوں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہیں کسی قسم کی جدوجہد کے بغیر اپنی عقیدتوں اور محبتوں کے مرکز سیدنا مسیحؑ کی عزت و احترام کے لیے قانون میں تحفظ کا اہتمام کیا گیا ہے۔

بلکہ یہ قانون کئی لحاظ سے ایک عظیم الشان واقعہ ہے' جو سوا سو سال کے بعد دوبارہ منصہ شہود پر رونما ہوا ہے کیونکہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد ۱۸۶۰ء میں برٹش گورنمنٹ نے ہندوستان میں قانون توہین رسالت کو منسوخ کر دیا تھا جسے دوبارہ بحال کرنے کی سعادت اب وطن عزیز کو نصیب ہوئی۔

اس قانون کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ جو لوگ توہین رسالت کے جرم کا ارتکاب نہیں کرتے' انہیں تحفظ مل گیا ہے۔ کیونکہ قانون کی موجودگی میں اسے اپنے ہاتھ میں لینا سٹیٹ کے ساتھ بغاوت ہوتا ہے۔ لیکن اگر قانون موجود نہ ہو تو انصاف طلبی کی آڑ میں حد سے تجاوز کرنے والے سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔ چنانچہ جب برٹش گورنمنٹ نے ہندوستان کے قانون سے توہین رسالت کا قانون ختم کر دیا تو اس کے بعد شمع رسالت کے پروانوں نے اس قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور گستاخان رسالت کو از خود جہنم رسید کرنا شروع کر دیا۔ اب وطن عزیز میں اسے قانونی حیثیت حاصل ہونے سے افراد کے ہاتھوں سے نکل کے مملکت کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔

یہ عیسائیوں اور مسلمانوں کی مشترکہ بدقسمتی ہے کہ ان دونوں کو آپس میں جتنا قریب ہونا چاہیے تھا' یہود کی سازشوں کے باعث ان میں اتنی ہی دوری پیدا ہوگئی۔ بلکہ عیسائیوں کے ساتھ زیادہ ہاتھ ہوگیا کہ جو ان کے سب سے بڑے دشمن

تھے' اسلام دشمنی میں وہی ان کے قریب سمجھے گئے۔ لیکن یہ بات نوشتہ دیوار سمجھ کر محفوظ کر لینی چاہیے کہ آخرکار یہود کے ساتھ ان کا غیر فطری اتحاد ختم ہو کر رہے گا اور اپنے سب سے قریبی محسنوں کے ساتھ انہیں ملنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر اس صدی کا سب سے بڑا فتنہ کمیونزم تھا۔ جو یہودی ذہن کی پیداوار ہے لیکن اسے مسلمانوں اور عیسائیوں نے مل کر کیفر کردار تک پہنچایا ہے۔ افغانستان کی جنگ میں پاکستان کی حمایت میں امریکہ اور یورپ کی دلچسپی کتنی عیاں حقیقت ہے۔

اس پہلو سے بھی مسیحی برادری کو دیکھنا چاہیے کہ یورپ جو گزشتہ تیرہ صدیوں سے عیسائیت کا نام نہاد علمبردار بنا ہوا ہے اور بلاس فیمی قانون کے باوجود جناب مسیح علیہ السلام کی عزت و احترام کا کوئی اہتمام نہیں ہے۔ بلکہ یہاں اہانت رسالت کے مجرموں میں رشدی وغیرہ کو الٹا تحفظ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ مجرم کی حوصلہ افزائی دنیا کے ہر قانون میں جرم سمجھی جاتی ہے۔ مگر انسانی حقوق کے علمبرداروں کے ہاں یہ گنگا بالکل الٹی بہتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہاں انبیاء کے کارٹون اور حیاء سوز فلمیں تک بنتی اور بکتی ہیں اور کسی عیسائی پادری کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

ابھی ۱۹۸۸ء کی بات ہے' لندن کے سینما گھروں میں ایک یہودی فلم ساز اسکورسس مارٹن کی ایک انتہائی شرمناک فلم (The Last Temptation of Christ) (مسیح کی آخری جنسی ترغیب) نمائش کے لیے پیش کرنے کے لیے اشتہار بازی کی گئی۔ جس میں مسیحؑ کو ایک طوائف کے ساتھ سرگرم اختلاط دکھلایا گیا۔ انڈر گراؤنڈ کے تمام اسٹیشنوں پر جگہ جگہ جناب مسیحؑ کے ساتھ اس طوائف کی نیم برہنہ قد آدم پوسٹر لگائے گئے۔ اس کھلے ظلم و جہل کے خلاف کس نے آواز اٹھائی تھی؟ عیسائیوں نے یا ان کے کسی پادری نے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ سید ولد آدمؑ کے جانثار' احترام نبوت کی شمع کے پروانے اہل اسلام ہی تھے جنہوں نے فوری طور پر سخت غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے برٹش فلم انسٹی ٹیوٹ تک رسائی حاصل کی اور اسے سخت نوٹس دیا کہ اس فلم کی نمائش برطانیہ کے قانون بلاس فیمی کی خلاف ورزی ہے۔ اگر اس فلم کی نمائش کو نہ روکا گیا تو نتائج کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔ مسلمانوں کی ترغیب سے کیتھولک چرچ کے رہنماؤں کو بھی غیرت آئی اور انہوں نے بھی عدالتی چارہ جوئی

کا نوٹس دیا' اس کے علاوہ متعلقہ سینما جہاں اس فلم کی نمائش ہو رہی تھی' اس کے سامنے بھی جمعہ ۱۲ ستمبر ۱۹۸۸ء کو احتجاجی مظاہرے کا اہتمام ہوا جس کے نتیجے میں اس فلم کے اشتہارات فوری طور پر ہٹا لیے گئے اور یہ فلم بری طرح فلاپ ہو گئی۔

یہ تو ایک مثال ہے کہ خود عیسائی مملکتوں میں بھی اللہ کے سچے پیغمبروں کی عزت محفوظ نہیں ہے۔ جن لوگوں نے بائبل نامی فلم دیکھی ہے' یا سدوم کا آخری دن نامی فلم بی بی سی' ٹی وی پر چلتی ہوئی دیکھی ہے' وہ کیا بتا سکتے ہیں کہ انبیاء کرام اور ان کی آل اولاد نعوذ باللہ آج کے یورپ کی طرح آبرو باختہ تھی؟ بائبل کے ابتدائی ابواب میں جو تصویر لوطؑ اور ان کی عفت ماب صاحبزادیوں' نوحؑ' داؤدؑ اور دیگر انبیاء کی پیش کی گئی ہے' کیا وہ نبی تو کجا عام' باحیاء انسان کی ہو سکتی ہے؟ اور ان کے مدمقابل جو تصویر قرآن کریم نے کھینچی ہے' اسے دیکھ کر نبوت کی بلند شان سمجھ میں آتی ہے اور قرآن پڑھنے والا بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ یقیناً وہ یہی لوگ ہیں جو اللہ کی سب سے بہترین مخلوق ہیں۔ جن کی زندگیوں کو مشعل راہ بنا کر ہر انسان کردار و اخلاق کی رفعتیں حاصل کر سکتا ہے۔ کچھ ایسی ہی سمجھ تھی جس کا مظاہرہ تیرہ سو سال پہلے ایک عیسائی سربراہ مملکت نے مکہ سے ہجرت کی خاطر آنے والے مظلوم مسلمانوں کے نمائندہ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی زبانی سورۂ مریم کی تلاوت سن کر کیا تھا اور قرآن کریم نے بھی اس کی تحسین فرمائی تھی۔ (دیکھئے پارہ سات کی ابتدائی آیات مبارکہ)

یہ تو آسمانی مذاہب کے پیروکاروں پر قرآن کا احسان ہے' جس پر انہیں اس کا شکرگزار اور احسان مند ہونا چاہیے۔ نہ کہ ان کے ایسے اقدامات پر چراغ پا ہونا چاہیے اور پھر ایک سوال عیسائی رہنماؤں سے یہ بھی ہے کہ آپ جب احترام نبوت کی اہمیت کے قائل ہیں تو آپ کو توہین رسالت کے قانون سے کیا خطرہ؟ تنکا تو چور کی داڑھی میں ہوتا ہے' سادھ کو کیا ضرورت پڑی ہے داڑھی کھجانے کی اور اگر کوئی بدبخت اس سطح پر اتر آتا ہے تو آپ حضرات کا کیا فرض نہیں بنتا کہ ایسے گندے انڈے کو اپنے گھر سے باہر پھینک دیں؟ ایسا بدنصیب' بدبخت انسان عیسائی' ہندو تو کیا انسان کہلانے کا بھی حقدار نہیں ہے۔ جو کائنات کی سب سے بہترین مخلوق انبیاء کرام کی اہانت کا ارتکاب کرے۔

آپ کو یہ کس نے کہہ دیا کہ یہ قانون صرف عیسائیوں کے خلاف بنایا گیا ہے' کیا کوئی مسلمان' کوئی ہندو' کوئی قادیانی' کوئی سکھ توہین رسالت کا مرتکب نہیں ہو سکتا؟ یقیناً ہر طبقے میں ایسے بدنصیب لوگ موجود ہیں۔

لہٰذا مسیحی برادری کا ایک غیر مسلم اقلیت کی شہ میں آ کر اس قانون کے خلاف احتجاج کرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ ان اعتراضات میں کوئی وزن اور معقولیت نہیں ہے۔ بلکہ سادہ لوحی' اسلامی قانون شہادت سے ناواقفیت اور محض جذباتیت کا نتیجہ ہے۔

بسنت اور توہین رسالتؐ

ڈاکٹر ام خولہ

بسنت ہندوؤں کا تہوار ہے لیکن ہندوؤں سے نفرت رکھنے کے باوجود ہم ہر سال یہ تہوار بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ کروڑوں روپے پتنگوں اور ڈوروں پر بے دریغ خرچ کر دیتے ہیں۔ غربت و افلاس کا ہم ڈھنڈورا بھی بہت پیٹتے ہیں لیکن غیروں کی فضول رسموں کو پھر بھی گلے سے لگائے پھرتے ہیں۔ یا تو پتنگ اڑانے سے کوئی فائدہ حاصل ہونے کی امید ہو تو ساری قوم یہ کام شروع کر دے۔ یا ہمارے دین میں اسے لازم قرار دیا گیا ہو۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہیں ہیں تو پھر وہ کون سی بات ہے' جو ہمیں کروڑوں روپے برباد کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ سڑکوں اور بازاروں میں بچے لمبے لمبے ڈانگے لیے اس بات سے بے خوف دوڑتے پھرتے ہیں کہ وہ کسی گاڑی سے ٹکرا سکتے ہیں یا کسی ٹرک کے نیچے آکر جان کی بازی ہار سکتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ جنون قوم کے سر پر کیوں سوار ہوگیا۔

ہندو کشمیر میں ہماری بہو' بیٹیوں کی آبرو ریزی کر رہے ہیں۔ دنیا بھر میں ہمیں نیچا دکھانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے لیکن ادھر ہم ہیں کہ اپنے دین کو پس پشت ڈال کر مسجدوں کو ویران چھوڑ کر والدین کی نافرمانی کر کے یہ تہوار بڑھ چڑھ کر مناتے ہیں۔ میرے ایک دوست ایسے بھی ہیں' جو عام دنوں میں تین ہزار روپے ماہانہ پتنگ بازی پر خرچ کرتے ہیں۔ بڑے گھروں کے کئی منچلے اس کارخیر میں اس کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ ہر جمعہ کی صبح کا سورج ان کو گھر سے باہر ہی پتنگ بازی میں نکلتا ہے۔ گھر والے سب پریشان ہیں لیکن وہ نوجوان نہ کسی دوست کی بات مانتا ہے اور نہ گھر والوں کی کسی نصیحت کا ان پر اثر ہوتا ہے۔ یہ کتنے المیے کی بات ہے کہ ہمارے ذرائع ابلاغ از خود بسنت کے تہوار کی اتنی تشہیر کرتے ہیں کہ "پتنگ باز سجنا" کی شان میں باقاعدگی سے گانے نشر کیے جاتے ہیں جس میں یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ پتنگ باز سجنا پر لڑکیاں زیادہ فدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ کھیل بہاروں کا مانا جاتا ہے۔ اسی گانے میں مکانوں کی چھتوں پر ڈیک لگا کر فحش گانوں کی بلند آواز میں ریکارڈنگ سنائی دکھائی گئی ہے۔ سرعام فائرنگ کی جاتی ہے۔ سرچ لائٹوں کی مدد لی جاتی ہے۔ بلکہ پتنگ بو کاٹا ہو جانے کی اتنی خوشی منائی جاتی ہے کہ

لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے مل کر ڈانس بھی کرتے ہیں۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ یہی عمل ہمارے معاشرے کے ہر گھر میں دہرائے جاتے ہیں۔ اول تو والدین بھی پتنگ بازی کے شوقین ہوتے ہیں وگرنہ اولاد اس معاملے میں والدین کے احکامات کی کھلے عام خلاف ورزی ضرور کرتی ہے۔ جب ہر طرف ایک ہی رسم چل پڑے تو بہت سے ایسے لوگ خودبخود اس میں رنگ جاتے ہیں' جو ابتداء میں اس کو برا سمجھتے تھے۔

آخر وہ بچے بھی تو کسی والدین کے ہوں گے' جو' ہر سال بسنت کے موقع پر ہسپتالوں میں ٹانگ یا بازو تڑوا کر بستر پر لیٹے ہوتے ہیں اور کئی بدقسمت والدین ایسے بھی ہیں' جو اپنے بچے اس منحوس تہوار کی نذر کر چکے ہیں اور پوری زندگی کے لیے اپنے دل پر اولاد کی جدائی کا داغ لیے پھرتے ہیں۔ المیہ تو یہ ہے کہ حکومت اور انتظامیہ اس تہوار کی روک تھام کرنے کی بجائے خود اس کی ترویج میں شریک نظر آتی ہے۔ لاہور اور قصور میں بسنت منانے کے لیے بہت اہتمام کیا جاتا ہے۔ سرکاری اور اہل ثروت لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے بلکہ یہاں تک کہ غیر ملکی سفیروں کو بھی نظارے کی زحمت دی جاتی ہے۔ وہ لوگ ہماری ان عیاشیوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں کہ اس قوم کا بچہ بچہ ہزاروں کا مقروض ہے لیکن یہ قوم اپنے ملک کو بچانے کی بجائے کروڑوں روپے پتنگ بازی پر اڑا دیتی ہے۔

چند سال پہلے ایک بسنت پر موٹر سائیکل کے آگے بیٹھی بچی کی گردن ڈور سے کٹ کر لٹک گئی تھی' جس کا والد اس بچی کو بٹھا کر شہر میں بسنت کا تہوار دیکھنے کے لیے نکلا تھا۔ زندہ بچی جب مردہ حالت میں گھر پہنچی ہوگی تو والدین پر کیا گزری ہوگی؟ کیا وہ زندگی بھر اس سانحے کو بھلا سکیں گے۔ ایسے کئی واقعات ہر سال رونما ہوتے ہیں لیکن ہماری قوم ان سے کوئی سبق نہیں لیتی۔ مرنے والوں کو دفنا کر' زخمیوں کو ہسپتال میں داخل کروا کر' پھر اسی جذبے کے ساتھ بسنت مناتی ہے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

ہم مسلمان ہیں اور ہندوؤں کے ظلم و ستم سے ہمارے بزرگوں کی بے پناہ قربانیوں کے عوض ہمیں یہ آزادی نصیب ہوئی ہے۔ کیا بسنت منا کر ہم تحریک پاکستان کے شہیدوں سے غداری نہیں کر رہے؟ کیا کشمیر کی آزادی کے لیے لڑنے والے مجاہدوں اور شہید ہونے والی بچیوں اور خواتین کے خون سے بے اعتنائی نہیں برت رہے؟ ہمارا ملک دیوالیہ پن کے بالکل قریب ہے۔ ہم وہ رقم ملک کے قرضے اتارنے کے لیے استعمال کرنے کے بجائے پتنگ بازی پر خرچ کر کے اس مٹی کے ساتھ غداری نہیں کر رہے؟ سٹیل وائر اور

پتنگوں کی بجلی کے تاروں میں الجھنے سے جو بار بار بجلی کے ٹرانس فارمر جلتے ہیں' جن کی مالیت لاکھوں میں ہے' وہ نقصان جو بجلی کی کمی و بیشی سے گھروں میں موجود الیکٹرونکس مصنوعات میں ہوتا ہے' اس کا کوئی شمار ہے؟

بسنت ایک فضول رسم ہے۔ جن کا تہوار ہے' ان کو ہی اسے منانا چاہیے۔ غیروں کی رسموں کو اپنے گلے لگا کر نہ ہم دین کی نظر میں سرخرو ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ملک و قوم کا کوئی فائدہ کر سکتے ہیں۔ بلکہ ہر سال کروڑوں روپے خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ کئی انسانی جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اس پر پابندی لگانا جہاں حکومت اور انتظامیہ کا بھی کام ہے' وہاں والدین کو بھی اولاد کی جان و مال کی حفاظت کی خاطر اس لعنت پر پابندی لگانا ہوگی۔ ورنہ ایک رسم کے ساتھ ساتھ کئی اور رسمیں بھی ہمارے معاشرے میں گھر کر لیں گی اور ہم دیکھتے ہی دیکھتے ہندو ازم کی جانب چل پڑیں گے۔

جناب محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ بسنت کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دوسرا اہم مقدمہ مغل حکمرانوں کے آخری دور حکومت اور اسی لاہور سے متعلق ہے' جس کا ذکر ایک ہندو مورخ ڈاکٹر بی۔ ایس نجار (Dr. B.S Nijjar) نے اپنی کتاب "پنجاب آخری مغل دور حکومت میں" (Punjab Under the Later Mughals) جب کہ زکریا خان (۱۷۰۷ - ۱۷۵۹) گورنر پنجاب تھا' اس طرح کیا ہے:

"حقیقت رائے باگھ مل پوری' سیالکوٹ کے کھتری کا پندرہ سالہ لڑکا تھا' جس کی شادی بٹالہ کے کشن سنگھ بھٹہ نامی سکھ کی لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی۔ حقیقت رائے کو مسلمانوں کے اسکول میں داخل کیا گیا تھا' جہاں ایک مسلمان ٹیچر نے ہندو دیوتاؤں کے بارے میں کچھ توہین آمیز باتیں کہیں (یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ واقعہ ایک متعصب ہندو مورخ لکھ رہا ہے جس کا مقصد سکھوں اور ہندوؤں کے ذہن کو مسلمانوں کے خلاف زہر آلود کرنا ہے۔ حالانکہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے اسلام نے مسلمانوں کو تاکید کی ہے کہ وہ کسی مذہب کے رہنماؤں کو برا بھلا نہ کہیں تاکہ انتقاماً خدا یا رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان میں گستاخی کا امکان ہی پیدا نہ ہو۔ مسلمان تو حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ جو یہودیوں اور عیسائیوں کے پیغمبر ہیں اور ان کے دوسرے تمام پیغمبروں کو' ان کے پیروان مذہب سے بڑھ کر احترام کرتے ہیں اور انہوں

نے رام چندر جی یا ان کے اوتار کرشن کی تاریخی عظمت سے کبھی انکار نہیں کیا اور نہ ہندوؤں کو ان کی رسوم و عبادات سے روکا جب کہ ان کے مذہب میں بتوں کی پرستش سب سے بڑا گناہ ہے۔ علاوہ ازیں وہ گرو نانک کو توحید کے مبلغین میں سمجھتے ہیں۔ اس لیے مسلمان استاد پر یہ الزام کہ اس نے ہندو اوتاروں کی توہین کی' قرین قیاس نہیں بلکہ خلاف حقیقت معلوم ہوتا ہے)۔

پھر یہی مصنف اسی سلسلہ میں آگے لکھتا ہے:

"حقیقت رائے نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس نے بھی انتقاماً پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور بی بی فاطمہؓ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ اس جرم پر حقیقت رائے کو گرفتار کر کے لاہور عدالتی کارروائی کے لیے بھیجا گیا۔ اس واقعہ سے پنجاب کی ساری غیر مسلم آبادی کو شدید دھچکا لگا۔ کچھ ہندو افسر زکریا خاں (جو اس وقت گورنر لاہور تھا) کے پاس پہنچے کہ حقیقت رائے کو معاف کر دیا جائے۔ لیکن زکریا خاں نے کوئی سفارش نہ سنی اور سزائے موت کے حکم پر نظر ثانی سے انکار کر دیا۔ جس کے اجراء میں پہلے مجرم کو ایک ستون سے باندھ کر اسے کوڑوں کی سزا دی گئی۔ اس کے بعد اس کی گردن اڑا دی گئی۔ یہ سال ۱۷۳۴ء سن عیسوی کا واقعہ ہے جس پر پنجاب کی تمام غیر مسلم آبادی نوحہ کناں رہی۔ لیکن خالصہ کیمونٹی نے آخرکار اس کا انتقام مسلمانوں سے لے لیا اور سکھوں نے ان تمام لوگوں کو جو اس واقعہ سے متعلق تھے' انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا"۔

اسی کتاب کے صفحہ ۲۷۹ پر لکھا ہے کہ "پنجاب میں بسنت کا میلہ اسی حقیقت رائے کی یاد میں منایا جاتا ہے"۔

("ناموس رسولؐ اور قانون توہین رسالتؐ" از محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ' ص۳۲۰ تا ۳۲۲)

روزنامہ "نوائے وقت" نے بسنت کے بارے میں اپنی تجزیاتی رپورٹ میں لکھا:

"بسنت خصوصی خالص ہندو تہوار ہے اور اس کا موسم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت میں بسنت کی کہانی ہر سکول میں پڑھائی جاتی ہے لیکن لاعلمی یا بھارتی لابی کی کوششوں سے بسنت اب پاکستان میں مسلمانوں نے موسمی تہوار بنا لیا ہے۔

بسنت کی حقیقت کیا ہے اور اس کا آغاز کیسے ہوا' اس بارے میں ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ قریباً دو سو برس قبل لاہور کے ایک ہندو طالب علم حقیقت رائے نے محمد مصطفیٰؐ کے خلاف دشنام طرازی کی۔ ہندوؤں کے مطابق اس ہندو طالب علم نے نبی اکرمؐ کے خلاف اس لیے دشنام طرازی کی تھی کہ ایک مسلمان استاد نے ہندوؤں کے اوتار کے خلاف بات کی تھی۔ مغل دور تھا اور قاضی نے ہندو طالب علم کو سزائے موت سنا دی۔ اس فیصلے کے خلاف آخری اپیل مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کو پیش کی گئی۔ اورنگ زیب نے فیصلہ دیا کہ اگر یہ ہندو طالب علم اسلام قبول کرلیتا ہے تو اسے آزاد کر دیا جائے لیکن حقیقت رائے نے اپنا دھرم چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اس ہندو طالب علم کو جس نے اقرار جرم کر لیا تھا' پھانسی دے دی گئی۔ پھانسی لاہور میں علاقہ گھوڑے شاہ میں سکھ نیشنل کالج کی گراؤنڈ میں دی گئی۔ قیام پاکستان سے پہلے ہندوؤں نے اس جگہ یادگار کے طور پر ایک مندر بھی تعمیر کیا لیکن یہ مندر آباد نہ ہو سکا اور قیام پاکستان کے چند برس بعد سکھ نیشنل کالج کے آثار بھی مٹ گئے۔ اب یہ جگہ انجینئرنگ یونیورسٹی (باغبانپورہ لاہور) کا حصہ بن چکی ہے اور کسی کو اس کا علم تک نہیں۔ ہندوؤں نے (اس واقعہ کو تاریخی بنانے کے لیے) اپنے اس ہندو طالب علم کی "قربانی" کو بسنت کا نام دیا اور جشن کے طور پر پتنگ اڑانے شروع کر دیے۔ آہستہ آہستہ یہ پتنگ بازی لاہور کے علاوہ انڈیا کے دوسرے شہروں میں بھی پھیل گئی۔ اب ہندو تو اس بسنت کی بنیاد کو بھی بھول چکے مگر پاکستان میں مسلمان بسنت منا کر اسلام کی رسوائی کا اہتمام کرتے رہتے ہیں"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور ۴ فروری ۱۹۹۴ء)

"بسنت کا تہوار تاریخ و مذہب کے آئینہ میں"

اس عنوان سے محترم محمد حنیف قریشی لکھتے ہیں:

"یہ بات اکثر کہی جاتی ہے کہ بسنت ایک موسمی اور ثقافتی تہوار ہے' جس کا مذہب اور قوم سے کوئی تعلق نہیں تاہم ابھی ایسے بزرگ ہزاروں کی تعداد میں موجود ہوں گے جو اس امر کی شہادت دیں گے کہ آزادی سے قبل بسنت کو عام طور پر ہندوؤں کا تہوار ہی سمجھا جاتا تھا اور لاہور میں ہی زیادہ جوش و خروش سے منایا جاتا تھا۔ جہاں دو تین جگہ بسنت میلہ منعقد ہوتا تھا' ہندو مرد اور عورتیں باغبانپورہ لاہور کے قریب حقیقت رائے دھری (جس کا ذکر تفصیل سے آگے آ رہا ہے) کی سمادھ پہ حاضری دیتے اور وہیں میلہ لگاتے۔ مرد زرد رنگ کی پگڑیاں باندھے ہوتے اور عورتیں اس رنگ کا لباس ساڑھی وغیرہ

پہنتیں۔ سکھ مرد اور عورتیں اس کے علاوہ، گوردوارہ گورو مانگٹ پہ بھی میلہ لگاتے۔ ہر جگہ خوب پتنگ بازی ہوتی۔

اندرون شہر بھی پتنگیں اڑائی جاتیں اور لاکھوں روپیہ اس تفریح پہ خرچ کیا جاتا۔ مسلمان بھی اس میں حصہ لیتے مگر زرد کپڑوں وغیرہ کے استعمال سے گریز کرتے، علاوہ ازیں میلہ کا بھی علیحدہ اہتمام حضرت مادھو لال حسین کی درگاہ پہ کیا جاتا۔ لوگ دور دور سے اس میلہ میں شرکت کے لیے آتے اور نہ صرف اس کی رونق بڑھاتے بلکہ نذرانے بھی پیش کرتے۔ حضرت مادھو لال حسین کا اپنا شعر بھی اس سلسلہ میں مشہور ہے:

رت آئی بسنت بہار دی
سانوں سک ہے مادھو یار دی

یہ سارا کھیل دن کو ہی ہوتا، رات کو روشنیاں لگانے اور لاؤڈ سپیکر، آتش بازی یا اسلحہ کے استعمال کا رواج نہ تھا۔ دوسرے شہروں میں بھی ہندو سکھ زرد کپڑے پہنتے اور پتنگ بازی کرتے مگر وہاں لاہور جیسا جوش و خروش نہیں ہوتا تھا۔ نہ ہی آج کل جیسی رونق ہوتی۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ "بسنت" اصل میں ہندوؤں کی عید تھی جو وہ موسم کی تبدیلی پہ مناتے۔ مشہور محقق، سیاح، فاضل اجل علامہ ابوریحان البیرونی جو تقریباً ایک ہزار سال پیشتر ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "کتاب الہند" کے باب ۷۶ میں "عیدین اور خوشی کے دن" کے تحت "عید بسنت" کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسی مہینے میں استوائے ربیعی ہوتا ہے، جس کا نام بسنت ہے، کے حساب سے اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید کرتے ہیں اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں۔ اس میں پتنگ بازی کا ذکر نہیں۔ شاید یہ تفریح بعد میں کسی وقت اس دن کے ساتھ منسلک کر دی گئی ہو۔ آزادی سے پیشتر تقریباً دو سو سال تک لاہور میں خصوصی طور پر بسنت کو حقیقت رائے دھرمی کے یوم شہادت کے طور پر منایا جاتا رہا ہے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں تو اسے سرکاری طور پر بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا تھا۔ مہاراجہ اور ان کے درباری سبھی زرد لباس میں قلعہ لاہور سے شالیمار گارڈن کی طرف جلوس کی شکل میں جاتے۔ راستہ میں سرسوں کے کھیت ہوتے، زرد پھولوں کے درمیان زرد پوش جلوس کا منظر نہایت دل فریب ہوتا۔ لیفٹیننٹ الیگزینڈر برنز جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں لاہور آئے تھے، بسنت کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں:

"بسنت کا تہوار جو بہار کا تہوار تھا' ٦ فروری کو بڑی شان و شوکت سے منایا گیا۔ رنجیت سنگھ نے ہمیں اس تقریب میں مدعو کیا اور ہم اس کے ہمراہ ہاتھیوں پر سوار ہو کر اس میلہ کی بہار دیکھنے چلے جو بہار کا خیر مقدم کرنے کے لیے منایا جاتا ہے۔ لاہور سے میلہ تک مہاراجہ کی فوج دو رویہ کھڑی ہوتی ہے۔ مہاراجہ گزرتے وقت اپنی فوج کی سلامی لیتا ہے۔ میلہ میں مہاراجہ کا شاہی خیمہ نصب تھا جس پر زرد رنگ کی ریشمی دھاریاں تھیں۔ خیمہ کے درمیان میں ایک شامیانہ تھا جس کی مالیت ایک لاکھ روپیہ تھی جس سے موتیوں اور جواہرات کی لڑیاں آویزاں تھیں۔ اس شامیانہ سے شاندار چیز کوئی نہیں ہو سکتی۔ مہاراجہ نے بیٹھ کر پہلے گرنتھ صاحب کا پاٹھ سنا پھر گرنتھی کو تحائف دیئے اور مقدس کتاب کو دس جزو دانوں میں بند کر دیا۔ سب سے اوپر والا جزودان بسنتی مخمل کا تھا۔ اس کے بعد مہاراجہ کی خدمت میں پھل اور پھول پیش کیے گئے اور ہر وہ بوٹی جس کا رنگ زرد تھا۔ بعد ازیں امراء' وزراء' افسران آئے جنہوں نے زرد لباس پہن رکھے تھے۔ انہوں نے نذریں پیش کیں۔ اس کے بعد طوائفوں کے مجرے ہوئے' مہاراج نے دل کھول کر انہیں انعامات دیئے"۔

(حوالہ "نقوش" لاہور نمبر' ص ۷۶۳)

اب حقیقت رائے دھری جس کا اوپر ذکر کیا ہے اور جس کی سمادھ پہ ۱۹۴۷ء تک ہندو اور سکھ بسنت کے روز میلہ لگاتے' کی شخصیت کے متعلق وضاحت کی جاتی ہے۔ یہ ایک نوجوان لڑکا تھا' جس کا سیالکوٹ سے تعلق تھا۔ وہ اس وقت کے رواج کے مطابق مسلمانوں کے ساتھ مدرسہ میں تعلیم پاتا تھا۔ وہاں اس کا کسی بات پہ کسی مسلمان طالب علم سے جھگڑا ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس طالب علم نے کسی ہندو دیوی کو گالی دے دی جس کے جواب میں حقیقت رائے نے خاتون جنت حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہہ دیئے۔ اس پر معاملہ بڑھ گیا اور بات قاضی اور حاکم تک پہنچی۔ حتیٰ کہ معاملہ حاکم لاہور کے سامنے پیش ہوا۔ حقیقت رائے کے اعتراف پر اسے موت کی سزا دی گئی اور سن ۱۸۰۳ بکرمی میں اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ وہ دن بسنت **پنچمی** کا تھا۔ اس واقعہ کا مختصراً ذکر گیانی خزان سنگھ سابق لیکچرار اورینٹل کالج لاہور نے اپنی کتاب "تاریخ گوردوارہ شہید گنج" میں اس طرح کیا ہے:

"تواریخ کے محقق اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بھائی حقیقت سنگھ جنہیں عام لوگ حقیقت رائے دھرمی کے نام سے یاد کرتے ہیں' امرت دھاری اور تیار بر تیار سنگھ تھے۔ آپ کے ننھیال والے سکھ تھے اور موضع سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ میں رہتے تھے۔ آپ کے ماموں بھائی ارجن سنگھ تیار بر تیار سنگھ تھے جو کہ آپ کے ساتھ ہی نخاس چوک میں شہید کر دیئے گئے تھے۔ آپ کے سسرال بھائی کنشن سنگھ وڈالے والہ کے گھر تھے..... لاہور میں اس جگہ (شہید گنج) پر آپ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ ان کے بوڑھے پتا' ضعیف والدہ اور جوان بیوی کی آہیں اور فریادیں' پتھروں کو بھی موم کر دینے والی چیخیں اور منتیں بھی اس وقت کے حکام کے دل میں رحم اور ترس کے جذبات پیدا نہ کر سکیں اور آپ نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ سن ۱۸۰۳ بکرمی میں بسنت پنچمی کے دن دھرم کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ گئے۔ بسنت پنچمی کے روز آپ کی سادھ پر بڑا بھاری میلہ لگتا ہے"۔

یہی واقعہ ڈاکٹر سر گوکل چند نارنگ سابق منسٹر لوکل گورنمنٹ پنجاب نے اپنی انگریزی تصنیف "ٹرانسفریمیشن آف سکھ ازم" میں اس طرح سے بیان کیا ہے:

"..... فیصلہ سنا دیا گیا اور فوراً ہی لاہور کے عین مرکز میں تمام ہندو آبادی کی آہوں اور بددعاؤں میں شریف لڑکے کا سر قلم کر دیا گیا۔ اس کی کریا کرم میں سب امیر و غریب شامل ہوئے اور اس کی راکھ لاہور کے مشرق میں چار میل دور دبا دی گئی' جہاں اس کی یادگار ابھی تک قائم ہے جس پر ہر سال بسنت پنچمی کے روز جو اس کی شہادت کا دن ہے' میلہ لگتا ہے۔

حقیقت رائے کی یادگار کوٹ خواجہ سعید (کھوجے شاہی) لاہور میں ہے۔ اب یہ جگہ "باوے دی مڑھی" کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں ہندو رئیس کالو رام نے بسنت میلے کا آغاز کیا جس کی یادگار قبرستان کے ساتھ اب بھی موجود ہے۔

(سنڈے میگزین روزنامہ "نوائے وقت" لاہور 7 مارچ 1999ء)

عیسوی سن کے مطابق یہ واقعہ ۱۷۴۷ء میں پیش آیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو لاہور اور پنجاب میں اقتدار اس کے کافی عرصہ بعد حاصل ہوا۔ مہاراجہ کا انتقال ۱۸۳۹ء میں ہوا۔ ان تاریخی حقائق سے بسنت کی اہمیت اور اس کی ہندوؤں' سکھوں سے مذہبی اور قومی وابستگی بالکل واضح ہے۔

گزشتہ سطور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بسنت کے تہوار کے دو پہلو تھے۔ ایک مذہبی اور قومی اور دوسرا موسمی اور ثقافتی۔ جہاں تک مذہبی اور قومی پہلو کا تعلق ہے، تو جیسا کہ اوپر واضح کر دیا گیا ہے کہ بسنت بلاشبہ خالصتاً ہندوؤں کا تہوار تھا جو اپنی رسوم کے مطابق اسے ہمیشہ مناتے رہے۔ البتہ غالباً رواداری، دباؤ یا کسی اور وجہ سے مسلمانوں نے اسے موسمی اور ثقافتی تفریح سمجھ کر پتنگ بازی میں شرکت کرنا شروع کر دی اور اپنا علیحدہ میلہ لگانے کا بندوبست کر لیا۔ یہ بھی مناسب نہ تھا کیونکہ ایک تو اس میں غیر قوم کے ساتھ مشابہت تھی، جو منع ہے۔ دوسرے اسلام میں کسی موسمی یا ثقافتی تہوار کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ہر شہر، ہر گاؤں میں علاقائی روایات اور رسم و رواج کے مطابق سارا سال پورا وقت میلوں ٹھیلوں میں ہی صرف ہو جاتا۔ ویسے اسلام میں مذہبی تہوار بھی دو ہی ہیں۔ یعنی عیدالفطر اور عیدالضحیٰ، باقی سب رسومات اور تقریبات ہی ہیں۔ ان دونوں موقعوں پر بھی زہد و عبادت، صدقہ اور قربانی کا ہی حکم ہے۔ موسمی اور ثقافتی سرگرمی کے نام سے عام طور پر جو کچھ کیا جاتا ہے، وہ اکثر قومی دولت اور قیمتی وقت کا ضیاع ہی ہوتا ہے اور بسنت میں تو جانوں کے تلف ہونے اور ہمیشہ کے لیے معذور ہو جانے کا خدشہ بھی ہے۔ ہمیں ایسی خطرناک تفریح سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

پادری کی خودکشی
احتجاج یا پندرہ لاکھ ڈالر کی تقسیم کا شاخسانہ

نصر اللہ غلزئی

پاکستان میں جب سے ناموس رسالت کو تحفظ دینے کا قانون بنا ہے' عیسائی دنیا' امریکہ کی زیر قیادت اپنے "بنیاد پرست" ہونے کا ثبوت ایک کے بعد ایک کی صورت میں مہیا کرتی چلی آ رہی ہے۔ تکبیر کے ان صفحات پر امریکہ کے اس قانون کا ذکر کیا جاچکا ہے' جس کے نفاذ کے بعد امریکہ کی حکومت کو کسی بھی ملک' بالخصوص مسلم ملک کے خلاف مختلف النوع پابندیاں عائد کرنے کا اختیار مل جائے گا' جس کے بارے میں امریکی صدر یہ حکم صادر کرے گا کہ اس ملک میں مذہبی امتیاز اور انتہا پسندی کی کارروائیاں ہو رہی ہیں۔

پاکستان میں "انسانی حقوق" کی آڑ میں کام کرنے والے امریکی اور یورپی ایجنٹ' جنہیں وہاں سے بے تحاشہ پیسہ ملتا ہے' جس کا ثبوت ایسے ہی ایک ادارے میں کام کرنے والے وہ سابق اخبار نویس ہیں' جنہیں ان کے اخبار میں تمام تر سینیارٹی کے باوجود جو تنخواہ ملتی تھی' ان کی موجودہ تنخواہ کے مقابلے میں عشر عشیر بھی نہیں تھی۔ اس تنظیم کی سربراہ اپنی وکالت سے اتنی بھاری تنخواہیں ادا نہیں کرتیں بلکہ یہ سارا سرمایہ اس امریکہ یا ان مغربی ممالک سے آ رہا ہے' جنہیں وہ محترم اخبار نویس ساری عمر سامراج قرار دے کر ہر وہ گالی دیتے رہے' جو ماسکو سے آتی تھی۔ بہرحال "انسانی حقوق" کی ایسی ہی دیگر انجمنیں قبل ازیں گوجرانوالہ میں رونما ہونے والے توہین رسالت کے مقدمے میں سرگرم رہیں اور اب وہ ساہیوال میں ایوب مسیح

کے حوالے سے سرگرم عمل ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنا چاہیے کہ پاکستان اور اس جیسے دیگر ممالک کے بارے میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر امریکہ میں جو رپورٹیں تیار ہوتی ہیں' ان کے لیے سارا مواد یہی تنظیمیں مہیا کرتی ہیں اور اس طرح ان ممالک کے عزائم پورا کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ جیسا کہ چائلڈ لیبر کے سلسلے میں ایسی ہی ایک تنظیم نے "بانڈڈ لیبر" کے حوالے سے کیا۔ جس کا خسارہ وطن عزیز کو آج تک بھگتنا پڑ رہا ہے اور پاکستان کو بے پناہ نقصان پہنچانے والا احسان اللہ خان یورپ کے "گوشہ عافیت" میں آسودگی کے دن گزار رہا ہے۔

ساہیوال میں ایک قدم آگے بڑھا ہے اور وہ یہ کہ ایوب مسیح کو توہین رسالت کے جرم کا مرتکب پانے کے بعد ابتدائی مقدمہ چلانے والی عدالت نے اسے سزائے موت کا حکم سنایا تو فیصل آباد سے آنے والے ایک بشپ نے اس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اپنی کنپٹی پر پستول چلا کر خودکشی کر لی۔ یہ ایک غیر معمولی اقدام ہے' جس کی دو توجیہات ممکن ہیں:

اول : یہ کہ بشپ جوزف کو یقین تھا کہ ایوب مسیح نے جو کچھ کیا' اس کے باوجود وہ پاکستان کے مروجہ قانون کے مطابق اس سزا کا حقدار نہیں تھا۔

دوم : یہ کہ وہ ۲۹۵- سی کے خلاف ایک ایسا انتہائی اقدام کرنا چاہتا تھا جس کے باعث پاکستان پر امریکہ اور دیگر ممالک اتنا دباؤ ڈالیں کہ حکومت پاکستان یہ قانون ختم کرنے پر مجبور ہو جائے۔

دونوں صورتوں میں خودکشی کا یہ اقدام حیرت زدہ کر دینے والا ہے لیکن اس سے پہلے یہ حقیقت سامنے رکھنا ضروری ہے کہ اس قانون میں ہی ابتدائی عدالت کے فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں ملزم کو اپیل کا حق دیا گیا ہے۔ گوجرانوالہ توہین رسالت کے مقدمہ کے ملزمان اسی حق کے باعث بری قرار پائے جنہیں اس کے سرپرستوں نے فوری طور پر بیرون ملک منتقل کر دیا۔ ایوب مسیح کیس میں بھی ابھی یہ مراحل باقی ہیں۔ گویا ابتدائی عدالت کا فیصلہ حتمی نہیں ہے۔ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ تک رسائی حاصل کیے بغیر' ابتدائی عدالت کے فیصلے کو حتمی سمجھنا اور اس کے خلاف اس قدر شدید احتجاج کرنا فہم و فراست سے بالا تر ہے۔

اوپر درج کیے گئے دو امکانات کا تجزیہ کیا جائے تو اول صورت یہ بنتی ہے کہ

ایوب مسیح نے توہین رسالت کا اقدام کیا جس کی بناء پر بشپ کو یہ یقین تھا کہ وہ اعلیٰ عدالت کے سامنے اپیل کی صورت میں بھی رہائی نہیں پا سکے گا۔

اسی امکان سے دوسری صورت پیدا ہوتی ہے کہ پھر اس قانون کے خلاف ایک ایسا احتجاج کیا جائے' جس سے پوری دنیا متوجہ ہو اور وہ پاکستان کو مجبور کرے کہ یہ قانون ہی ختم کر دیا جائے' جس سے توہین رسالت ایک باقاعدہ جرم بن گئی ہے۔

یہ عجیب و غریب بات ہے کہ توہین رسالت کے اس قانون کے خلاف صرف قادیانی اور عیسائی سرگرم ہیں۔ دیگر مذاہب کے لوگوں میں سے کسی کے خلاف ابھی تک اس قانون کے تحت کوئی مقدمہ قائم نہیں ہوا۔ اگر کہیں کونے کھدرے میں ہوا تو اس کے کسی ملزم کو سزا نہیں ہوتی۔ پاکستان میں' ان کے بیرونی سرپرستوں کے اشارے پر عیسائی قادیانی گٹھ جوڑ ان معاملات کو تشویش ناک رخ دے دیتا ہے جس کے مقاصد توہین رسالت کے قانون کو ختم کرانے سے کہیں آگے دکھائی دیتے ہیں۔ اس معاملے میں مسلمانوں کی مشکل یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے جواب میں' معاذ اللہ' اللہ کے کسی نبی کی توہین کر کے حساب برابر کر دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ایک مسلمان کا ایمان ہی تب مکمل ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء پر مکمل ایمان لائے۔ مزید برآں توہین رسالت کا کوئی مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہو تو مسلمان وکلاء توہین رسالت پر مبنی وہ تحریریں دہرانے تک پر آمادہ نہیں ہوتے' جو ایسے مقدمات کی بنیاد بنتی ہیں۔ گوجرانوالہ توہین رسالت کے ملزم اسی قانونی کمزوری کے باعث بری ہونے میں کامیاب رہے تھے کیونکہ جس انداز میں شہادت کو قانوناً ریکارڈ ہونا چاہیے تھا' اس طرح سے نہیں ہو سکتی تھی۔

جہاں تک قادیانیوں کا مسئلہ ہے تو اس بارے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر یقین نہیں رکھتے۔ اس بنا پر انہیں کافر قرار دیا گیا ہے۔

سو مغرب نے پاکستان میں عدم استحکام کے لیے ایک نیا گٹھ جوڑ قائم کر دیا ہے جس کا فوری اظہار اس سے ہوتا ہے کہ بشپ کی خودکشی پر ایک تند و تیز بیان پوپ جان پال کے مرکز ویٹیکن سٹی سے جاری ہونے کے بجائے امریکہ کی وزارت خارجہ

نے جاری کیا ہے۔ گویا یہ معاملہ امریکہ کی خارجہ پالیسی کی ذیل میں آتا ہے۔ اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ امریکہ اپنی خارجہ پالیسی کے لیے نت نئے "انسٹرومنٹس" ڈھونڈتا اور ان کی پرورش کرتا رہتا ہے۔ جن کے ذریعے کسی بھی ملک کو اس مقولے کے مطابق دباؤ میں لایا جا سکے۔ جو یوں ہے:

"Give The Dog Bad Name And Hang Him."

اس ضمن میں تشویش کی بات یہ ہے کہ مغربی دنیا پاکستان کے عیسائیوں کو اشتعال انگیز رویہ اختیار کرنے سے کیوں نہیں روکتی؟ ہر پاکستانی جانتا ہے کہ پاکستان کا کوئی عیسائی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی تسلیم نہیں کرتا' جبکہ پاکستان کا ہر مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی تسلیم کرتا ہے۔ اس کے باوجود آج تک کبھی کسی نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ پاکستان کے عیسائی بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تسلیم کریں۔ پاکستان میں عیسائیوں سے یہ بات منوانے کے لیے آج تک کوئی قانون نہیں بنایا گیا۔

اسی طرح سے ہر پاکستانی جانتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ' مسلمانوں کے عقیدے سے یکسر مختلف ہے۔ اس کے باوجود کبھی یہ مطالبہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی انہیں مجبور کرنے کے لیے کوئی ایسا قانون بنایا گیا کہ پاکستان کے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی عقیدہ اپنائیں جو پاکستانی مسلمانوں کا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ توہین رسالت محض ایک علمی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی بشپ' کسی عیسائی مبلغ یا کسی عیسائی عالم فاضل پر کوئی مقدمہ بنتا۔ بلکہ پانی کہیں اور بہہ رہا ہے' کیونکہ توہین رسالت کے بارے میں جو لوگ پکڑے گئے' معقول علمی معیار کے لحاظ سے وہ سب صفر تھے۔ یہیں سے اس سازش کی بو نکلتی محسوس ہوتی ہے جو پاکستانی معاشرے کے خلاف نادیدہ ہاتھ کر رہے ہیں اور بشپ کی خودکشی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

پاکستان کے دفتر خارجہ نے امریکی دفتر خارجہ کے تند و تیز بیان کو "بلا جواز اور خلاف حقیقت" قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس پر زور دیا ہے کہ جس طرح سے (امریکہ سمیت) دیگر ممالک اپنے قوانین کا احترام کرتے ہیں' پاکستانی قوانین کا بھی اسی

طرح سے احترام کرنا چاہیے۔ کسی فرد یا گروپ کے بلا سوچے سمجھے انتہائی اقدام کی ذمہ داری حکومت پاکستان پر عائد نہیں ہوگی۔ وفاقی وزیر مذہبی امور راجہ ظفرالحق نے کہا ہے کہ توہین رسالت ایک امتیازی قانون نہیں ہے اور نہ ہی اس قانون کو ختم کیا جا رہا ہے۔ اگر یہ ایکٹ نہ رہا تو پھر توہین رسالت کرنے پر عوام قانون کو اپنے ہاتھ میں لیں گے جو انتہائی خطرناک ہوگا"۔ وفاقی وزیر اطلاعات مشاہد حسین نے کہا کہ "یہ امتیازی قانون نہیں ہے اور نہ ہی کسی خاص مذہب کے خلاف ہے۔ چنانچہ اسے بدلنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اس معاملے میں کسی بیرونی دباؤ کو برداشت کیا جائے گا۔ جان جوزف نے خودکشی کر کے غلط قدم اٹھایا' کیونکہ توہین رسالت کے قانون میں اپیل کا حق ہے اور انہیں یہ اقدام کرنے کے بجائے اپیل کا حق استعمال کرنا چاہیے تھا۔

پاکستان کی اندرونی صورت حال اپنی جگہ' شدید امریکی ردعمل ظاہر کرتا ہے کہ امریکہ کی حکومت مذہبی انتہا پسندی اور امتیاز کے خلاف پابندیوں کا قانون منظور کرانے اور نافذ کرنے پر اپنی توجہ مرکوز کر دے گی۔ جس کے بعد پاکستان جیسے ممالک کے خلاف استعمال کرنے کے لیے امریکی ترکش میں ایک نئے تیر کا اضافہ ہو جائے گا۔

دریں اثناء سزا کے دس روز بعد بشپ جوزف کی خودکشی کے سلسلے میں فادر یعقوب اور بشپ جوزف کے درمیان اخراجات پر تنازعہ کی باتیں بھی سامنے آئی ہیں اور یہ بھی کہ بشپ جوزف نے رات کے وقت اپنے دو ساتھیوں کے سامنے خودکشی کیوں کی۔ ان کے یہ ساتھی بشپ جوزف کو اسپتال پہنچانے کے بجائے ان کی موت کا انتظار کیوں کرتے رہے؟ کہیں یہ پندرہ لاکھ ڈالر کا قضیہ تو نہیں ہے۔ یہ اطلاع ملی ہے کہ بیرون ملک سے ایوب مسیح کا مقدمہ لڑنے کے لیے پندرہ لاکھ ڈالر بھیجے گئے تھے اور فادر یعقوب اور جوزف بشپ کے درمیان اس رقم پر جھگڑا ہوا تھا۔

خودکشی یا قتل؟ یہ فیصلہ تو ہونے دیجئے

(اداریہ ہفت روزہ "تکبیر" کراچی)

حیرت انگیز طور پر ۷ر مئی کو صرف انگریزی معاصر روزنامہ "ڈان" کراچی میں اس کے اپنے نمائندے کے حوالے سے ساہیوال سے آمدہ یہ خبر چھپی کہ فیصل آباد کے بشپ ڈاکٹر جان جوزف نے ۶ر مئی بروز بدھ اس مقامی سیشن عدالت کے سامنے اپنے سر میں گولی مار کر خودکشی کر لی کہ جس عدالت سے ایک عیسائی مجرم کو توہین رسالتؐ کے جرم میں ۲۷ر اپریل کو سزائے موت سنائی گئی تھی۔ اخبار کی اطلاع کے مطابق مرنے والے بشپ نے یہ خودکشی ازراہ احتجاج کی تھی۔ اس خبر میں دی گئی تفصیل کے مطابق متوفی بشپ صاحب نے پہلے تو سزایاب مجرم کے لیے خصوصی دعا کرائی اور مقامی مسیحی آبادی کے ایک اجتماع سے خطاب کیا' بعد ازاں وہ جلوس کی قیادت کرتے ہوئے سیشن عدالت پہنچے اور دس بجے صبح انہوں نے سرعام سر میں گولی مار کر خود کو ہلاک کر لیا۔

یہ خبر کراچی میں روزنامہ "ڈان" ہی میں شائع ہوئی اس روز کے انگریزی معاصر دی نیوز' اردو اخبارات جنگ' جسارت اور نوائے وقت میں ایسی کسی خبر کا سراغ نہیں ملتا۔ ایک ایسے زمانے میں جب اخبارات پر کوئی پابندی نہیں' یہ خبر کراچی کے صرف ایک انگریزی روزنامے ہی میں کیوں شائع ہوئی؟ دوسرے اخبارات کو یہ خبر اشاعت کے لیے کیوں میسر نہ آئی جبکہ مبینہ طور پر یہ خودکشی ایک جلوس کی قیادت کرنے کے بعد عدالت کے سامنے دن کے دس بجے مجمع عام کے سامنے ہوئے۔ یا تو اتنے بہت سے اخبارات نے ازخود اس خبر کو سنسر کیا اور یا پھر خودکشی کا کوئی واقعہ سرعام رونما ہی نہ ہوا۔

اگر یہ خبر ان تفصیلات کے ساتھ درست ہے جو روزنامہ ڈان نے شائع کی

ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خودکشی کوئی اضطراری حرکت نہیں بلکہ منصوبہ بندی کے ساتھ ہوئی۔ ڈان کی خبر کے مطابق متوفی بشپ صاحب نے بطور خاص ڈان کو ایک خط بھی لکھا اور اس خط میں مسلمانوں سمیت پاکستان کی تمام دیگر اقلیتوں سے اپیل کی کہ وہ تعزیرات پاکستان دفعہ ۲۹۵ کی ب اور ج شقوں کو تعزیرات پاکستان سے خارج کرانے کے لیے "قربانیوں" سے بھرپور مہم چلائیں اور گویا اس اپیل کو موثر کرنے کے لیے انہوں نے "اپنی قربانی" کو ماڈل بنایا۔ ایک سوال یہ ہے کہ جب بشپ صاحب اتنی بڑی قربانی کا اہتمام کر رہے تھے تو انہوں نے اپنی اپیل صرف ایک ہی اخبار کو کیوں بھیجی' ان کا خط دوسرے اخبارات کو کیوں موصول نہ ہوا اور موصول ہوا تو دوسرے اخبارات نے ایسے کسی خط کا حوالہ کیوں نہیں دیا۔ کیا ڈان کو جو خط موصول ہوا' وہ واقعی متوفی بشپ کا تھا یا کسی نے بشپ کی کسی دوسرے انداز میں ہونے والی موت کو مختلف رنگ دینے کے لیے متوفی کی طرف سے خط لکھ کر محض ڈان کو بھیج دینے ہی پر اکتفا کیا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اتنے بڑے منصوبے کے لیے پہلے سے تیار شدہ پروگرام کے مطابق بشپ صاحب نے جب برسر اجتماع اس "قربانی" کا اہتمام فرمایا تو اس کی منظر کشی کے لیے کوئی تصویر کیوں نہ بنوائی یا کیوں نہ بنائی گئی۔ اگر پریس کو قبل از وقت اطلاع دے کر خودکشی کرنا ممکن نہیں تھا تو اجتماع میں شریک اپنے کسی معتمد سے بشپ صاحب اپنی اس "عظیم قربانی" کی تصویر تو بنوا سکتے تھے' وہ کیوں نہ بنی؟ اور پھر یہ کہ سرعام کی جانے والی اس خودکشی کی خبر ۶ر مئی کو قومی اور بین الاقوامی خبر رساں اداروں کو کیوں نہ ہوئی؟ ڈان کے استثناء کے ساتھ دوسرے اخبارات اور بڑے حساس غیر ملکی ذرائع ابلاغ کو یہ خبر اسی روز کیوں نہیں ملی۔ اس خبر کے لیے یا بعد میں شائع ہونے والی خبروں میں اس خودکشی کا آنکھوں دیکھا حال یعنی کوئی عینی گواہی کیوں سامنے نہ آئی۔ ایسا کیوں ہوا کہ صرف ایک اخبار نے یہ خبر کسی عینی شہادت کے حوالے کے بغیر چھاپی اور پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ کو سانپ سونگھے رہا؟ اس صورتحال نے یہ سوال پیدا کیا ہے کہ آیا یہ موت خودکشی کا نتیجہ ہے یا قتل کی کوئی واردات کہ جسے خودکشی کا رنگ دے کر فتنہ کھڑا کیا گیا ہے؟ اس پہلو سے خودکشی کی یہ واردات تحقیق طلب ہے اور اچھا ہوا کہ حکومت نے اس واقعے کی تحقیقات کا حکم دے دیا ہے۔

ہمیں ایک اور منطقی جواز کے ساتھ بھی یہ واردات وہ نظر نہیں آتی جو بتائی جا رہی ہے۔ خبر میں کہا گیا ہے کہ یہ "خودکشی" ایوب مسیح نامی ایک مجرم کو دی جانے والی سزائے موت پر ازراہ احتجاج کی گئی۔ کہانی بڑی موثر معلوم ہوتی ہے مگر جو شخص ایک انسانی جان کے تحفظ کے لیے احتجاج کر رہا تھا' وہ اتنا تو جانتا تھا کہ ابھی احتجاج کے اس شدید نوعیت کے مظاہرے کا وقت نہیں آیا تھا۔ کیونکہ سیشن عدالت کی سزا محض پہلا مرحلہ تھا' اس کے بعد ہائی کورٹ' پھر سپریم کورٹ میں سزائے موت کے خلاف اپیل اور ان مراحل میں اپیل مسترد ہونے کی صورت میں اور سپریم کورٹ کے فیصلے پر سپریم کورٹ ہی کی نظرثانی اور بعد ازاں صدر مملکت سے رحم کی اپیل کے چار مرحلے باقی تھے' جن میں یہ انسانی زندگی بچائی جا سکتی تھی۔ جو شخص دوسرے کی جان بچانا چاہتا ہو' اس کی نظر میں اس کی اپنی زندگی اور جان کی بھی کوئی قیمت ہے یا نہیں؟ اگر کوئی اپنی زندگی ہی کی قدر نہ جانتا ہو اور بلا سوچے سمجھے اپنی جان ضائع کرنے پر تلا ہوا ہو تو اس کی طرف سے کسی دوسری انسانی جان کی حرمت کے لیے اپنی زندگی ضائع کر دینے کا کیا اخلاقی اور منطقی جواز ہے؟ کیا واقعی اس کی ایسی موت کو ایک دوسری انسانی جان کے دفاع کی کوشش تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ کیا ایک ہوشمند آدمی کی حیثیت سے متوفی بشپ خود یہ کر سکتے تھے یا کسی دوسرے سفاک فرد نے انہیں قتل کر کے غیر منطقی خودکشی کو ان سے منسوب کر کے اپنا دفاع اور متوفی کو رسوا کیا ہو؟

خودکشی عموماً غیر مذہبی لوگ کیا کرتے ہیں' جس طرح اسلام میں خودکشی حرام ہے' اسی طرح عیسائیت میں بھی خودکشی حرام ہے۔ کیا بشپ اس عیسوی تعلیم سے بے خبر تھے؟ کیا وہ ایک انسانی جان بچانے کے لیے کیے جانے والے احتجاج میں اپنے لیے حرام موت قبول کر سکتے تھے؟ اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو کیا پھر بھی وہ ایک موقر مذہبی رہنما سمجھے جائیں گے؟ اس سوال کا جواب ایک عیسائی مذہبی پیشوا ہی نے دیا ہے۔

چیف بشپ کیسمر لیزلی نے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ بشپ جان جوزف نے خودکشی نہیں کی بلکہ انہیں قتل کیا گیا ہے۔ انہیں کسی دوسری جگہ قتل کر کے رات کے اندھیرے میں سیشن عدالت کے سامنے پھینک کر ہوائی فائرنگ کر کے لوگوں کو اکٹھا کیا گیا اور اس ڈرامے کو خودکشی کا نام دے دیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ

انجیل مقدس کے مطابق خودکشی کرنا خدا کی توہین ہے اور بشپ جان جوزف جیسا نیک اور پرہیزگار شخص ایسی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ ہمارے مذہب میں کسی حالت میں خودکشی جائز نہیں۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ بشپ جوزف نے تحفظ ناموس رسالتؐ کے قانون کے خلاف احتجاجاً خودکشی کی ہے۔ انہوں نے سوال کیا کہ متوفی بشپ نے خودکشی کا اعلان اجتماع میں کیوں نہیں کیا۔ پھر فادر یعقوب کو ہاتھ لگائے بغیر کیسے علم ہوا کہ بشپ مر چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مقامی اخبارات سمیت بی بی سی' وائس آف امریکہ' وائس آف جرمنی جیسے ادارے اس واقعے کو نہ اچھالیں اور ان لوگوں کے بیانات نہ شائع کریں' جو پاکستان میں عیسائیوں اور مسلمانوں کو لڑوانا چاہتے ہیں۔ چیف بشپ نے مطالبہ کیا کہ حکومت فادر یعقوب اور ڈرائیور کو تحقیقات مکمل ہونے تک بیرون ملک جانے کی اجازت نہ دے۔ بشپ کیسھ نے واضح طور پر کہا کہ میں سمجھتا ہوں بشپ جوزف کو قتل کیا گیا ہے۔ وہ سارا دن ساہیوال میں رہے۔ وہ دن کے وقت بھی سیشن عدالت جا سکتے تھے۔ جہاں عیسائیوں کا اجتماع تھا وہاں سے سیشن عدالت پہنچنے میں صرف دس منٹ لگتے ہیں۔ وہ اسی دوران دو گھنٹے کہاں غائب رہے۔ انہیں کسی اور جگہ قتل کر کے لاش سیشن عدالت لائی گئی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بشپ جوزف کے سر پر گولی ماری گئی مگر موقع پر اتنا خون نہیں تھا اور جب انہیں ہسپتال لایا گیا تو سارا جسم اکڑا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ان کا پوسٹ مارٹم صحیح نہیں ہوا۔ انہوں نے امریکہ پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ کو کوئی حق نہیں کہ وہ ہمارے اندرونی معاملات میں دخل دے۔ بشپ کیسھ نے دکھ کا اظہار کیا کہ عاصمہ جہانگیر جیسے انسانی حقوق کے علمبردار پاکستان میں مسلمانوں اور مسیحیوں کو آپس میں لڑانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت تحفظ ناموس رسالتؐ کے قانون کو ختم نہ کرے لیکن اس میں یہ ترمیم کر دی جائے کہ الزام توہین رسالتؐ ثابت نہ ہو تو الزام لگانے والے کو سزا دی جائے تاکہ غلط الزام تراشی کا سدباب ہو۔

ہم سمجھتے ہیں کہ بشپ کیسھ کا یہ بیان سازش کی کلید ہے اور بہت ہی متوازن اور ہوشمندانہ خیال ہے۔ امریکہ اور بیرونی ذرائع ابلاغ جنہوں نے اس بے بنیاد خبر پر فوری ردعمل کا اظہار کر کے جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کیا ہے' بہت غلط کیا ہے۔ امریکہ کا یہ مطالبہ بے معنی ہے کہ ناموس رسالتؐ کا قانون واپس لیا جائے۔ اصولی

بات یہ ہے کہ یہ کوئی متعصبانہ مذہبی قانون نہیں ہے۔ یہ محض ناموس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون نہیں یہ تمام انبیاء کے ناموس کے تحفظ کا قانون ہے۔ اگر امریکہ میں کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرے تو کیا کوئی امریکی قانون ایسا کرنے والے کو سزا نہیں دے گا۔ تعصب تو یہ ہے کہ اہل مغرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کو تو قابل تعزیر عمل نہیں سمجھتے اور شاتمان رسولؐ کو اپنے یہاں پناہ دے کر اور ان کی عزت افزائی کر کے مسلمانوں کی دل آزاری کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کی شان میں گستاخی کو قابل تعزیر سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کے قانون یا ان کے مزاج میں یہ امتیاز اور تعصب نہیں۔ ہمارا قانون ناموس رسول، محمدؐ ہوں یا عیسیٰؑ دونوں کی عزت و اکرام کا تحفظ کرتا ہے۔

دوسری اصولی بات یہ ہے کہ پاکستان ایک خودمختار آزاد ملک ہے۔ امریکہ سمیت کسی ملک کو یہ حق کہاں سے پہنچتا ہے کہ وہ ہم سے ہمارے قانون کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کرے۔ جبکہ ہمارے دستور یا قانون میں امریکہ کا نام لے کر کوئی مخالفانہ قانون نہیں جبکہ امریکہ نے محض پاکستان سے امتیازی سلوک کرتے ہوئے پریسلر قانون بنایا تھا۔ کیا امریکہ نے پاکستانی مطالبے پر فوراً پریسلر قانون منسوخ کر دیا تھا۔ اس پس منظر کے ساتھ امریکہ کو کیا حق ہے کہ ہم سے ہمارے قانون کی منسوخی کا مطالبہ کرے۔ پاکستان امریکہ کی کوئی ذیلی ریاست نہیں۔ امریکہ کے اس تحفظ ناموس رسالتؐ کی منسوخی کے مطالبے کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ امریکہ پاکستان سے توہین رسالتؐ کا حق طلب کر رہا ہے۔ ایسا نامعقول مطالبہ کون صحیح العقل مسلمان تسلیم کر سکتا ہے؟

(۲۱ر مئی ۱۹۹۸ء)

اسلامی ممالک کے خلاف امریکہ کی نئی مہم جوئی

(اداریہ روزنامہ ''اوصاف'' اسلام آباد)

امریکی کانگریس کی ایک تازہ ترین رپورٹ میں پاکستان پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ وہاں حکومتی سطح پر اقلیتوں سے ناروا سلوک کیا جاتا ہے۔ الزام میں کہا گیا ہے کہ پاکستان نے توہین رسالت سمیت ایسے ظالمانہ قانون بنا رکھے ہیں جو اقلیتوں بالخصوص عیسائیوں اور احمدیوں کے خلاف بطور ہتھیار استعمال ہوتے ہیں۔ رپورٹ میں کلنٹن انتظامیہ سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایسے تمام ممالک کے لیے جہاں اقلیتوں کو مذہبی آزادی حاصل نہیں اور انہیں تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے' اپنی امداد بند کردے۔ اس سلسلے میں امریکہ کی وزیر خارجہ میڈلن البرائٹ نے کانگریس کی ایک خصوصی کمیٹی کی عالمی سطح پر مذہبی عدم رواداری کے موضوع پر رپورٹ صحافیوں کے سامنے پیش کی' جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ عیسائی دنیا بھر میں مظلوم ترین اقلیت ہیں اور انہیں سب سے زیادہ مذہبی تعصب کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس رپورٹ میں پاکستان کو بھی ایسے ملکوں میں شامل کیا گیا ہے' جن میں عیسائی اقلیت سے امتیازی سلوک کیا جا رہا ہے۔ پاکستان کے علاوہ جن اسلامی ملکوں کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے' ان میں سعودی عرب' افغانستان' ایران' سوڈان اور انڈونیشیا شامل ہیں۔ اس رپورٹ میں سعودی عرب اور افغانستان کی طالبان حکومت پر شدید نکتہ چینی کی گئی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ امریکی محکمہ خارجہ نے اس رپورٹ پر فوری ردعمل ظاہر کرتے ہوئے ان ممالک کے ساتھ مذاکرات کے لیے ایک مذہبی افسر مقرر کیا ہے۔ یاد رہے کہ امریکی محکمہ خارجہ کی تاریخ میں اس نوعیت کی یہ پہلی تقرری ہے۔

توہین رسالت ایکٹ پر امریکہ کی برہمی کوئی نئی بات نہیں۔ اس سے پہلے بھی

وہ مختلف اوقات میں اس ایکٹ پر نکتہ چینی کرتا رہا ہے۔ وہ ہر بار شاید یہ حقیقت بھول جاتا ہے کہ توہین رسالت ایکٹ پاکستان کے قانون کا حصہ ہے اور کسی بھی ملک کو مروجہ قوانین میں تبدیلی کے لیے مجبور کرنا اس ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے ضمن میں آتا ہے۔

توہین رسالت قانون کے خاتمے کا سیدھا سادا مطلب تو یہ ہے کہ حکومت گویا تمام اقلیتوں کو اجازت دے دیتی ہے کہ وہ جب چاہیں' توہین رسالت کا ارتکاب کریں۔ کیا یہی امریکہ کا منشاء اور آرزو ہے؟

امریکی انتظامیہ اچھی طرح جانتی ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے کھیلنے کا منظم سلسلہ طویل عرصے سے نہ صرف پاکستان میں بلکہ پاکستان سے باہر بھی کھیلا جا رہا ہے۔ صرف چار دنوں کے بعد برطانیہ میں ہی ایک اور کتاب چھپ چکی ہے' جس کا نام "فاطمہ کی چادر" ہے۔ قابل احترام شخصیات کا مضحکہ اڑانے والے اس ناول کو چھاپنے سے ہر پبلشر نے انکار کر دیا۔ ۶۰۰ صفحات پر مشتمل اس ناول میں تاریخ اسلام کو بری طرح مسخ کیا گیا ہے۔ کیا مسلمانوں پر یہ ستم بھی مسلمان ڈھا رہے ہیں؟ کوئی مسلمان اگر کھلم کھلا عیسائیوں کے مذہبی شعار کا مذاق اڑائے' ان کی کتاب مقدس کی بے حرمتی کرے تو امریکی چرچ اور انتظامیہ یہ سب برداشت کرے گی؟ امریکی اور یورپی عیسائی لاکھ مذہب سے بیگانہ سہی' لیکن جب معاملہ نبی کی توہین کا ہو تو جذبات پر قابو نہیں رہتا۔

اب رہی بات کسی قانون کے ظالمانہ ہونے کی تو ایسی باتیں امریکہ جیسے ملک کو زیب نہیں دیتیں' جس نے اقوام متحدہ کی آڑ میں ظالمانہ قوانین کا ایک ایسا پر پیچ سلسلہ روا رکھا ہے' جس کا مقصد محض مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانا ہے۔ اسے اپنے ظالمانہ قوانین کے نتیجے میں مرنے والے چھ لاکھ عراقی بچے کیوں بھول جاتے ہیں' اسے صومالیہ میں ڈھائے جانے والے بدترین مظالم کا دھیان کیوں نہیں رہتا' ناگاساکی اور ہیروشیما پر بم مسلمانوں نے تو نہیں گرائے تھے۔ بات محض اتنی ہے کہ امریکہ مختلف حیلوں سے اسلامی ممالک کو دبا کر رکھنا چاہتا ہے۔ وہ ان تمام ممالک کو اپنی کالونیاں سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہاں صرف وہ قوانین عمل میں لائے جائیں جو امریکی مفادات کی ترجمانی کرتے ہوں۔

ہم اس نام نہاد سپرپاور کو یہ بتلا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ مسلمان اپنے مذہبی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت برداشت نہیں کرتے۔ رہا سوال عیسائی اقلیت کے ساتھ ظالمانہ سلوک کا تو یہ محض بہتان ہے۔ اپنا کیس مضبوط کرنے کے لیے ایک پرانا ہتھکنڈہ ہے۔ عیسائی برادری جتنی آزادی اور سکون کے ساتھ پاکستان میں رہ رہی ہے' اتنا سکھ' آرام اور مذہبی سکون شاید اسے امریکہ میں بھی میسر نہ ہو۔ یہاں کے علماء کس حد تک ان کے مذہبی جذبات کا خیال رکھتے ہیں اور انہیں کس حد تک مذہبی آزادی حاصل ہے' اس کا جواب کسی بھی مقامی عیسائی سے لیا جا سکتا ہے۔ زیادہ تر علاقوں میں عیسائی برادری مسلمانوں کے ساتھ اس انداز میں رہ رہی ہے کہ گمان ہی نہیں ہوتا کہ ان میں اکثریت کون سی ہے اور اقلیت کون سی؟

ہم حکومت سے التماس کرتے ہیں کہ وہ توہین رسالتؐ ایکٹ کے سلسلے میں امریکی حکومت کو یاد کرا دے کہ اس پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں ہو سکتا اور دو ٹوک الفاظ میں اسے یہ یاد دہانی بھی کرا دی جائے کہ پاکستان اپنے اندرونی خصوصاً مذہبی معاملات میں مداخلت کسی قیمت پر برداشت نہیں کرے گا۔ اس موقع پر اگر امریکہ کا ہاتھ نہ روکا گیا تو پھر اس کی دست درازیاں بڑھتی چلی جائیں گی۔

(۲۷ جنوری ۱۹۹۸ء)

توہین رسالت کا قانون اور انگلستان کا لاٹ پادری

(اداریہ روزنامہ ''خبریں'' لاہور)

وفاقی وزیر مذہبی امور راجہ ظفر الحق نے چرچ آف انگلینڈ کے سربراہ آرچ بشپ آف کنٹربری کو بتایا ہے کہ پاکستان میں نافذ توہین رسالتؐ کا قانون صرف غیر مسلموں کے لیے نہیں' اگر کوئی مسلمان بھی توہین رسالتؐ کا ارتکاب کرے تو اسے بھی' جرم ثابت ہونے پر' موت کی سزا دی جائے گی۔ انگلستان کے لاٹ پادری نے جمعہ کو راجہ ظفر الحق کے ساتھ ملاقات میں بھی توہین رسالتؐ کے قانون میں ترمیم اور سزا نرم کرنے کا سوال اٹھایا تھا۔ راجہ ظفر الحق نے پادری صاحب کو بتایا کہ انگلستان میں صرف حضرت عیسیٰؑ کی توہین کرنے پر سزا ہے مگر پاکستان میں اللہ کے کسی بھی پیغمبر کی توہین قابل سزا جرم ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انگلستان کے ''لاٹ پادری'' کسی خاص منصوبہ بندی کے تحت پاکستان آئے ہیں اور انہوں نے یہاں توہین رسالتؐ کے قانون میں ترمیم کا مسئلہ کھڑا کر کے پاکستان کی مسیحی برادری سے کوئی نیک سلوک نہیں کیا بلکہ انہوں نے پاکستان کے مسیحیوں اور مسلمانوں کے درمیان تفریق اور شکوک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ پاکستان میں مسیحی برادری کو جو سہولتیں' آئینی اور قانونی تحفظ حاصل ہے' اس کی مثال کسی غیر مسلم معاشرہ میں نہیں ملتی۔ خود انگلستان میں مذہبی اور عقائد کے اعتبار سے غیر مسیحی افراد کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ پادری صاحب نے اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں تقریر کرتے ہوئے خود اعتراف کیا کہ انگلستان میں مسلمانوں کے خلاف انتہائی شدید جذبات پائے جاتے ہیں مگر پاکستان میں ایسا نہیں ہے۔ جہاں تک توہین رسالتؐ کے قانون کا سوال ہے' یہ مسلمانوں کے

بنیادی عقائد کا حصہ ہے۔ اگر حکومت قانون کے تحت کسی کو توہین رسالتؐ کے جرم کی سزا نہیں دیتی تو مسلمان خود یہ سزا دینے پر مجبور ہوں گے۔ اس اعتبار سے توہین رسالتؐ کا قانون تو ایک طرح کا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اگر حکومت قانون کے تحت کسی کو توہین رسالتؐ کے جرم کی سزا نہیں دیتی تو مسلمان خود یہ سزا دینے پر مجبور ہوں گے۔ قانون کے تحت جرم ثابت ہوئے بغیر سزا نہیں دی جا سکتی۔ پھر ملزم (یا مجرم) کو اعلیٰ عدالتوں میں اپیل کا حق بھی دیا گیا ہے۔

یہ بات بڑی عجیب ہے کہ انگلستان میں قتل پر موت کی سزا نہیں ہے لیکن ملکہ کی توہین اور برطانوی بحریہ کے جہاز کو نقصان پہنچانے پر موت کی سزا دی جا سکتی ہے۔ انگلستان کے لاٹ پادری کو ملکہ کی توہین پر سزائے موت پر غالباً کوئی اعتراض نہیں۔ اور وہ توہین رسالتؐ کے قانون پر اعتراض کرنے اور اس قانون کو تبدیل کرنے کے لیے پاکستان آ گئے ہیں۔ لاٹ پادری صاحب کے پاس اس بات کا کیا جواب ہے کہ ان کے ملک میں پیغمبر اسلامؐ پر ناروا اور نازیبا حملے کرنے والے مصنفوں کو نہ صرف تحفظ فراہم کیا جاتا ہے بلکہ ان کی لغویات پر مبنی کتابوں کی بھی زبردست پذیرائی کی جاتی ہے۔ لاٹ پادری صاحب یہ سب کچھ کس قانون کے تحت جائز سمجھتے ہیں؟ کیا مسیحی مذہبی رہنماؤں کے پاس اس امر کا اخلاقی جواز موجود ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی توہین پر تو سخت سزا کے حق میں ہیں' مگر مسلمانوں کے رسولؐ خدا کی توہین پر سزا کو نرم کرنے کا درس دینے آ گئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ ایک اسلامی ملک میں اس طرح کی باتیں کر کے عیسائیت کی بھی کوئی خدمت انجام نہیں دے رہے۔

(۷ دسمبر ۱۹۹۷ء)

توہین رسالت ﷺ کا قانون.... نئی امریکی در فنطنی

(اداریہ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور)

سرکاری خبر رساں ایجنسی کی رپورٹ کے مطابق امریکہ نے پاکستان پر زور دیا ہے کہ توہین رسالت ﷺ کا قانون ختم کر دیا جائے۔ امریکی وزارت خارجہ کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "پاکستان میں غیر مسلموں کو اپنا مذہب تبدیل کرنے کی اجازت ہے لیکن مسلمانوں کو دوسرا مذہب اختیار کرنے کا حق نہیں جو امتیازی قانون ہے۔" پاکستان ایک نظریاتی اسلامی ریاست ہے جہاں کی غالب اکثریت نے اپنے آزادانہ ووٹ سے نہ صرف ملک قائم کیا بلکہ اپنے عقیدے اور نظریہ حیات کے مطابق دستور بنایا۔ ایک قوم کی حیثیت سے مسلمان اپنے عقیدے بالخصوص مقام نبوت ﷺ کے بارے میں انتہائی حساس ہیں اور امریکہ و یورپ کا مادر پدر آزاد معاشرہ یہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ کوئی قوم الہامی ہدایات کی روشنی میں اپنا مذہب تبدیل نہ کرنے کی پابندی رضاکارانہ طور پر قبول کر سکتی ہے۔ جس طرح امریکہ و مغرب کے معاشروں میں کسی شخص کو فساد پھیلانے اور معاشرے کے لئے خطرہ بننے کی اجازت نہیں اور اسے دہشت گرد قرار دے کر سزائے موت دی جاتی ہے' اس طرح مسلم معاشرے میں بھی کسی شخص کو یہ اجازت نہیں کہ وہ دین حق کو قبول کرنے کے بعد جب جی میں آئے' اسے چھوڑ کر کوئی دوسرا عقیدہ قبول کرے یا اپنی لادینیت کا اعلان کر دے۔ فساد فی الارض کی طرح اسلام کو سبوتاژ کرنے اور خدائی حکم کے خلاف اعلان بغاوت کرنے کی اجازت کم از کم مسلمان کسی کو دینے کے لئے تیار نہیں۔ امریکیوں کے لئے امن و امان کا قیام جبکہ ہمارے لئے ایمان کا تحفظ اہم ترین مسئلہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ پاکستان میں عیسائی اور قادیانی شد و مد سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر امریکی رپورٹ

کے مطابق واقعی مسلمانوں کو ارتداد سے روکنے کا قانون موثر ہے تو پھر عیسائیوں اور قادیانیوں کی تعداد میں اضافہ چہ معنی داور؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قانون کے باوجود حکومت پاکستان رواداری سے کام لیتی ہے۔

جہاں تک عیسائی یا کسی بھی اقلیت کا تعلق ہے تو آج تک عوامی سطح پر یا قانون کی نظر میں' ان سے کبھی بھی امتیازی سلوک نہیں کیا گیا۔ ہمارے مسیحی بھائی ملک کے اہم عہدوں پر فائز رہے ہیں' اب بھی فائز ہیں۔ حتیٰ کہ پاکستان کے چیف جسٹس کے عہدے پر بھی ایک عیسائی ماہر قانون فائز رہ چکے ہیں۔ عیسائیوں کے تعلیمی اور مشنری ادارے ملک کے طول و عرض میں کام کر رہے ہیں جن کی امداد امریکہ اور یورپ کے ممالک کے علاوہ چرچ بھی کرتے ہیں۔ پاکستان کی قانون ساز اسمبلیوں میں انہیں نمائندگی حاصل ہے اور کئی اقلیتی ارکان' وزارت و مشاورت کے مناصب پر بھی فائز رہ چکے ہیں۔ بھارت اور مقبوضہ کشمیر میں ہندو انتہا پسند مسلمانوں کے ساتھ جو بدترین سلوک روا رکھے ہوئے ہیں اور بھارت کی سیکولر حکومتیں بھی ان کی پشت پناہی کرتی ہیں' اس کا کوئی منفی ردعمل کبھی بھی پاکستان میں دیکھنے میں نہیں آیا۔ یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کو جو حقوق حاصل ہیں' وہ بھارت اور جمہوریت و سیکولرازم کے علمبردار کسی دوسرے ملک میں بھی شاید حاصل نہ ہوں۔ البتہ انسانی حقوق کے نام پر امریکہ اور یورپ کی حکومتیں' دانشور' تنظیمیں اور پاکستان میں ان کے ایجنٹ جس قسم کی سرگرمیوں میں مصروف ہیں' اس سے عوامی سطح پر ردعمل پیدا ہونا فطری بات ہے اور خود اقلیتی رہنما اپنے بیانات میں اس خدشے کا اظہار کرچکے ہیں کہ پاکستان میں انسانی حقوق کی بعض تنظیمیں اقلیتوں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی شعوری یا غیر شعوری کوششیں کر رہی ہیں۔

جہاں تک قادیانیوں کا تعلق ہے انہوں نے خود ہی اسلام اور مسلمانوں سے اپنا ناطہ توڑ کر امہ کے خلاف اعلان بغاوت کیا۔ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر ظفراللہ خاں نے اسلامیان برصغیر کے علاوہ اپنے محسن قائداعظمؒ کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور برملا یہ کہا کہ "آپ مجھے مسلم ریاست کا غیر مسلم وزیر خارجہ یا

غیر مسلم ملک کا مسلمان وزیر خارجہ سمجھ لیں" اسلامی ریاست اور اس کے مسلم عوام نے ایک طویل عرصہ تک انہیں یہ موقع دیا کہ وہ ایک بار پھر امہ کے اجتماعی دھارے میں شامل ہو جائیں مگر انہوں نے مسلمانوں کو کافر اور بے دین قرار دینے کا سلسلہ جاری رکھا جس کے بعد ملک کی پارلیمنٹ نے ایک روشن خیال لبرل وزیراعظم زیڈ اے بھٹو کے دور میں جمہوری اور آئینی تقاضوں کے مطابق قادیانیوں کے دونوں گروپوں کا تفصیل سے موقف سننے کے بعد انہیں اقلیت قرار دیا۔ کسی بھی پاکستانی شہری نے قادیانیوں کے بطور اقلیت حقوق کا انکار نہیں کیا مگر یہ اقلیتی گروہ آج تک اپنے آپ کو اقلیت تسلیم کرنے اور ملک کے عوام اور پارلیمنٹ کے اجتماعی فیصلے کو قبول کرنے کے لئے تیار ہی نہیں بلکہ اس فیصلے کو ختم کرانے کے لئے ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں اور امریکہ و یورپ میں انسانی حقوق کے حوالے سے پاکستان اور مسلمانوں کے خلاف فضا پیدا کر رہا ہے۔ توہین رسالت ﷺ کا قانون ہو یا اقلیتوں کے حوالے سے دوسرے قوانین' ان کا مقصد اقلیتوں اور مسلمانوں کے مابین غلط فہمیاں پیدا کرنا یا اقلیتوں کو دوسرے درجے کا شہری بنانا نہیں بلکہ بعض جنونی افراد کی انتہا پسند سرگرمیوں کی روک تھام اور ان کے خلاف مسلمانوں کے غم و غصے کو بے قابو ہو کر ہنگامہ و فساد کی شکل اختیار کرنے سے روکنا ہے تاکہ ایسے ملزمان جو کسی بھی وجہ سے اکثریت کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کا موجب بنیں' انہیں قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے نہ صرف اپنے کئے کی سزا ملے بلکہ انہیں اپنے دفاع کا حق بھی ملے۔ مذہب اور عقیدے کی اہمیت و افادیت سے لاعلم امریکی' شائد نہیں جانتے کہ توہین رسالت ﷺ کا قانون منظور ہونے کے بعد اقلیتوں کو تحفظ کا احساس ہوا ہے اور چند شرپسند عناصر کے سوا جو معاشرے میں کسی نہ کسی طور ہنگامہ و تخریب کی فضا برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ تمام اقلیتی قیادت نے سکون کا سانس لیا ہے۔

توہین رسالت ﷺ کے قانون کی بنا پر گوجرانوالہ کے دو مسیحی باشندے زندہ سلامت جرمنی پہنچائے گئے جن پر توہین رسالت کا الزام تھا۔ شانتی نگر کا واقعہ چند افراد کی ناعاقبت اندیشی کا شاخسانہ تھا جس پر نہ صرف حکومت بلکہ ملک کے عوام

نے بھی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ بھارت میں ایسا کوئی قانون نہ ہونے کی وجہ سے ہر سال درجنوں افراد ہندو مسلم فسادات کی نذر ہو جاتے ہیں۔ امریکیوں کو اس امر کا احساس ہونا چاہیے کہ یہ ایک نازک معاملہ ہے اور اسے چھیڑ کر وہ مسلمانوں کی غیرت و حمیت اور جذبہ ایمانی کا امتحان نہ لے۔ امریکیوں کو سمجھنا چاہیے کہ مسلمان ناموس رسالت ﷺ پر ہر چیز حتی کہ اپنی جان قربان کرنا بھی سعادت سمجھتے ہیں اور پاکستان میں اپنی اقدار و روایات اور عقیدہ و نظریہ سے بیگانہ چند مفاد پرست عناصر اس مسئلہ کو اچھالتے ہیں وہ نہ صرف ملک میں اقلیتوں کے لئے مسائل پیدا کر رہے ہیں بلکہ امریکہ کی سرپرستی کا تاثر دے کر پاکستان کے عوام کو امریکہ سے متنفر کر رہے ہیں جس کا خمیازہ جلد یا بدیر امریکہ کو بھگتنا پڑے گا۔ امریکہ کو ایران سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور ایسے مطالبات نہیں کرنے چاہئیں جس کی وجہ سے پاکستان میں امریکی مفادات کو زک پہنچے۔ پاکستان میں انسانی حقوق کے علمبردار امریکی تنخواہ دار گماشتوں کو بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ یہاں کے مسلم عوام مولانا ظفر علی خان کے اس شعر کو ہمیشہ اپنے عقیدے کا حصہ سمجھتے ہیں.....

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحہ ﷺ کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں ہوسکتا

لہٰذا امریکی وزارت خارجہ کی اس رپورٹ پر حکومت پاکستان کو فوری طور پر شدید احتجاج کرنا چاہیے اور امریکیوں پر واضح کر دینا چاہیے کہ وہ اپنے اداروں کو ایسی رپورٹیں تیار کرنے سے باز رکھیں جو مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث بنتی ہیں اور مسلم ممالک میں اقلیتوں کے مفاد کے بھی منافی ہیں۔

(25 جولائی 1997ء)

توہین رسالتؐ کا قانون.... غلط انداز بحث

(اداریہ روزنامہ "جنگ" لاہور)

فیصل آباد کے بشپ ڈاکٹر جان جوزف کی ساہیوال میں سرعام خودکشی کا اقدام بلاشبہ افسوسناک ہے کیونکہ ایک قابل احترام اقلیتی فرقہ کے ایک بزرگ مذہبی رہنما نے شدید جذباتیت کے عالم میں اپنے ہاتھوں اپنی جان لے ڈالی ہے اور ایسی ہلاکت ہر کسی کے لیے بجاطور پر باعث تاسف ہے مگر یہ بات ناقابل فہم بھی ہے کہ ساہیوال کی ایک عدالت سے توہین رسالتؐ کے ایک ملزم کو سزائے موت کا فیصلہ سنائے جانے پر فیصل آباد کے بشپ نے اس درجہ جذباتی اقدام کیوں کیا۔ اس عدالتی فیصلے پر بشپ موصوف کا ردعمل فوری جذباتیت کا مظہر ہے' حالانکہ انہیں اس سارے معاملے کا قانون و انصاف کے نقطۂ نظر سے بغور جائزہ لینا چاہیے تھا۔ یوں بھی ابھی سزائے موت کے فیصلے پر عملدرآمد نہیں ہوا تھا اور سزایاب ملزم کے خلاف اعلیٰ عدالت میں اپیل دائر کرنے کا حق موجود تھا۔ اس طرح سزا کا فیصلہ بہرحال قانون' حقائق اور انصاف کی بنیاد پر ہی ہوتا مگر اس نوبت کے آنے سے قبل ہی فیصل آباد کے اس بشپ نے ساہیوال جا کر وہاں کے سیشن جج کے فیصلے کے خلاف خودکشی جیسا انتہائی اقدام کر ڈالا جس کا کوئی جواز قابل فہم نہیں۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ معاملہ یہیں پر نہیں رکا بلکہ امریکہ اور بعض مذہبی ذرائع ابلاغ نے بھی اس اقدام خودکشی کی آڑ میں یہ سراسر غلط تاثر پھیلانے کی کوشش کی' جیسے پاکستان میں مسیحی اقلیت کے خلاف کوئی منافرت آمیز فضا موجود ہے جبکہ یہ تاثر خلاف حقیقت ہی نہیں بلکہ شرارت اور سازش پر مبنی نظر آتا ہے۔ امر

واقعہ یہ ہے کہ پاکستان میں مسیحی فرقے کے ساتھ تو بطور خاص مثالی رواداری کی فضا موجود ہے۔ کسی پاکستانی مسلمان نے آج تک کسی عیسائی بھائی کو عقیدے کی بنیاد پر کسی معمولی سے امتیازی سلوک کا ہدف بھی نہیں بنایا' نہ ہی کوئی مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کسی گستاخی کا سوچ بھی سکتا ہے۔ عیسائی مشنری اداروں کو ملک بھر میں اس حد تک اپنے دین کی تبلیغ کرنے کی آزادی حاصل ہے کہ وہ قیام پاکستان کے وقت سے لاکھوں پاکستانیوں کو حلقہ بگوش عیسائیت کر چکے ہیں اور ملک بھر میں سینکڑوں کی تعداد میں مختلف مسیحی مشنوں کے چھوٹے بڑے تعلیمی ادارے اس شان سے چل رہے ہیں کہ ان میں طلبہ کی اکثریت مسلمان طلبہ کی ہوتی ہے۔

امر واقعہ یہی ہے کہ عیسائیوں اور عیسائیت کے بارے میں پاکستان بھر میں سرے سے منافرت کی کوئی فضا موجود ہی نہیں بلکہ ارباب حکومت سے لے کر عام آدمی تک اپنے عیسائی بھائیوں کی تالیف قلب کو بطور خاص ملحوظ رکھتے ہیں۔ ان حالات میں امریکہ یا غیر ملکی اور ملکی مسیحی رہنماؤں کو بشپ ڈاکٹر جان جوزف کی خودکشی کے واقعہ پر کسی جذباتی یا تند و تیز ردعمل کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ امریکہ نے تو حکومت پاکستان سے توہین رسالتؐ کا قانون ختم کرنے کا مطالبہ کر دیا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ توہین رسالتؐ کے قانون کی مخالفت کرنے والے کسی بھی حلقے نے اس قانون کی روح کا بغور جائزہ ہی نہیں لیا۔ اگر وہ ایسا کرتے تو خود ہر مہذب معاشرے میں ایسے قانون کے نفاذ کی ضرورت محسوس کرتے کیونکہ یہ قانون تمام انبیاء کی توہین کی روک تھام کے لیے ہے اور پاکستان میں اس قانون کے تحت بھی کسی کو سزا نہیں دی گئی جو بجائے خود اس امر کا ثبوت ہے کہ یہاں قانون و عدل کے اداروں کا مقصد کسی کو محض عقیدے کے اختلاف کی بناء پر تعزیر و تعذیب کا نشانہ بنانا ہرگز نہیں' جبکہ امریکی احتجاج میں یہ تاثر شامل ہے کہ "ہمارے قانون توہین رسالتؐ سے مذہبی تعصب پیدا ہوتا ہے اور محض عقیدے کے پرامن اظہار پر کسی کو سزائے موت دینا قابل مذمت ہے"۔ اس کے برعکس عقیدے کی مکمل آزادی پاکستان کے آئین میں واضح طور پر دی گئی ہے اور قانون توہین رسالتؐ بھی آئین کے ذرہ بھر منافی نہیں۔ اسی طرح اس قانون کا یہ مقصد تو سرے سے نہیں کہ کسی کو محض عقیدے کے اظہار پر سزائے موت دی جائے۔ اگر ایسا ہوتا تو کوئی عیسائی مشن ملک بھر میں

کھلے بندوں عیسائیت کے عقائد کی تبلیغ ہی نہ کر سکتا۔ قانون توہین رسالتؐ میں سزائے موت صرف توہین رسالتؐ کے لیے مقرر ہے اور یہ بجائے خود ایک ارفع مقصد ہے اور فرقہ وارانہ منافرت کی روک تھام کی ایک موثر کوشش ہے۔ تاہم اس کے باوجود اگر کسی بھی اقلیت یا ادارے کو اس قانون پر عملدرآمد کے طریق کار پر کوئی جائز اعتراض ہے تو اسے باہم مذاکرات سے بہ آسانی دور کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے خود ان کالموں میں ہمیشہ اسی امر پر زور دیا ہے کہ اس قانون کا نفاذ اور اطلاق حد درجہ محتاط کرنا چاہیے تاکہ یہ شکایت کسی کو بھی پیدا نہ ہونے پائے کہ اس قانون کو غلط یا ذاتی و انتقامی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ ہماری اعلیٰ عدالتیں بھی ہر قانون کے نفاذ اور اطلاق کے سلسلے میں اس امر کو سختی سے ملحوظ رکھتی ہیں کہ وہ غیرمنصفانہ طور پر نہ ہونے پائے۔

امریکہ کو یہ امر بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ایک آزاد ملک کی حیثیت سے پاکستان کو ملک و قوم کے وسیع تر مفاد میں قانون سازی کا آزادانہ حق حاصل ہے اور کسی غیرملک کو محض لاعلمی کے باعث ہمارے اس حق میں مداخلت کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ امریکہ' دنیا کے مسیحی اداروں یا اندرون ملک انسانی حقوق کی کسی تنظیم کو بھی اس قانون کی مخالفت' لاعلمی پر مبنی تصورات کے حوالے سے ہرگز نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی پادری صاحب کے اقدام خودکشی پر ایسا ردعمل ظاہر کرنا چاہیے جو خود مذہبی منافرت کا باعث بن سکتا ہو۔ بدقسمتی سے ہمارے بعض مسیحی بھائیوں نے اس واقعہ پر نہ صرف بے جواز جذباتی ردعمل کا اظہار کیا ہے بلکہ ایک اطلاع کے مطابق ایک مقام پر خود کلمہ طیبہ کی توہین کا ارتکاب کیا ہے۔ اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ بعض ملک دشمن حلقے اس معاملے کو جان بوجھ کر اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں اور احتجاج کے نام پر شرپسندی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود ہم تمام مسلمان بھائیوں سے یہی اپیل کریں گے کہ وہ اشتعال انگیزی کے اثرات ہرگز قبول نہ کریں اور ملک دشمنوں کی سازش کو ناکام بنا دیں۔ یہ عناصر یہی چاہتے ہیں کہ جس طرح بدقسمتی سے مسلمانوں کے اپنے فرقوں کے درمیان تشدد کا رجحان موجود ہے' اسی طرح مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان بھی کسی کھلے تصادم کی نوبت آ جائے۔ تاہم تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے' اس لیے ہم جہاں عام

مسلمانوں کو یہ تلقین کر رہے ہیں کہ وہ کسی حال میں بھی اشتعال میں نہ آئیں' وہاں ہم اپنے عیسائی بھائیوں پر بھی زور دیں گے کہ وہ اس افسوسناک واقعہ سے غلط نتائج اخذ نہ کریں اور ملک کے اندر اقلیتوں کے لیے جو پرامن ماحول چلا آ رہا ہے' اسے اپنی کسی جذباتیت کے مظاہرے سے ہرگز خراب نہ ہونے دیں۔ ہمارے اپنے انسانی حقوق کے اداروں کو بھی انسانی حقوق کی پاسداری کے لیے ہر جائز بات کہنی اور کرنی چاہیے مگر غلط پراپیگنڈے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اگر وہ قانون توہین رسالتؐ میں انسانی حقوق کے حوالے سے کسی اصلاح کے خواہاں ہیں تو اپنی ٹھوس' قابل قبول اور قابل عمل تجاویز پیش کریں تاکہ رائے عامہ کے سبھی نمائندہ ادارے ان کے جواز یا عدم جواز پر اپنی اپنی رائے کا اظہار کر سکیں اور اس طرح گر اصلاح ہی مقصود ہے تو مذاکرات کے ذریعے کوئی احسن صورت نکالی جا سکے۔

(۱۰ر مئی ۱۹۹۸ء)

کفار کی دوستی

یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ و قد کفروا بما جاء کم من الحق یخرجون الرسول و ایا کم ان تومنوا باللہ ربکم ان کنتم خرجتم جھادا فی سبیلی و ابتغاء مرضاتی تسرون الیھم بالمودۃ و انا اعلم بما اخفیتم و ما اعلنتم و من یفعلہ منکم فقد ضل سواء السبیل○ ان یثقفو کم یکونوا لکم اعداء و یبسطوا الیکم ایدیھم و السنتھم بالسوء و ودوا لو تکفرون○

"اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم انہیں دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس سچے دین سے ہی منکر ہیں جو (اللہ نے) تم پر اتارا ہے۔ انہوں (کفار) نے تمہارے رسولؐ کو اور تمہیں اس لیے (وطن سے) نکالا ہے کہ تم اللہ کو مانتے ہو جو سب کا رب ہے۔ تم میری راہ میں ان سے لڑنے کے لیے نکلے ہو اور میری رضامندی کے طلب گار ہو (لیکن) تم انہیں چوری چھپے دوستی کے پیغام بھیجتے ہو۔ (کیا تم نہیں جانتے کہ) تم درپردہ یا ظاہری طور پر جو کچھ بھی کرتے ہو' وہ مجھے معلوم ہے۔ تم میں سے جو کوئی بھی یہ حرکت کرے' وہ یقیناً اللہ کے بتائے ہوئے سیدھے راستے سے بھٹکا ہوا ہوگا۔ اگر یہ (کافر) تم پر غالب آ جائیں تو تمہارے دشمن ہو جائیں اور تمہیں ہاتھوں سے ایذا دیں اور زبان سے دلازاری کریں۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم انہی کی طرح کافر ہو جاؤ"۔

(الممتحنہ' ۱' ۲)

پہلے تو ان آیات کا شان نزول ملاحظہ ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

مکہ والوں سے صلح کا معاہدہ کیا تھا لیکن یہ معاہدہ صرف دو سال قائم رہا کیونکہ اہل مکہ یعنی قریش نے معاہدے کی خلاف ورزیاں شروع کر دی تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے کہ کفار معاہدہ توڑ دیں تو ان کا معاہدہ انہی کی طرف پھینک دو اور ان سے لڑو' خاموشی سے مکہ پر حملہ کرنے کے لیے لشکر تیار کرنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ نے حکم دیا کہ مدینہ کی کوئی خبر مکہ نہ جائے تاکہ قریش کو خبر تک نہ ہو کہ ان پر حملہ آ رہا ہے ورنہ وہ بھی اپنے دفاع کے لیے جنگی تیاریاں شروع کر دیں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتایا کہ مدینہ سے ایک عورت اہل قریش کے لیے ایک خط لے کر جا رہی ہے اور یہ عورت مکہ کے رستے پر فلاں جگہ ملے گی۔ آنحضورؐ نے اسی وقت حضرت علیؓ سے کہا کہ وہ جائیں اور اس عورت سے یہ خط لے لیں۔ حضرت علیؓ دو تین صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ وہ عورت مکہ کو جاتی ہوئی مل گئی۔ اس سے وہ خط طلب کیا گیا جو مکہ لے جا رہی تھی۔ اس نے خط سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ بڑی لیت و لعل کے بعد اس نے خط دے دیا۔

خط پڑھنے سے معلوم ہوا کہ یہ حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے کفار مکہ کو لکھا ہے اور اس میں انہیں اطلاع دی ہے کہ مدینہ کے مسلمان مکہ پر بڑا ہی زبردست حملہ کرنے کے لیے لشکر تیار کر چکے ہیں' تم بھی تیار ہو جاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطبؓ کو بلا کر خط دکھایا اور کہا کہ یہ اپنی قوم سے غداری ہے...... حاطبؓ نے اپنی صفائی یوں پیش کی کہ نہ میں نے کفر اختیار کیا ہے نہ میں اسلام سے پھرا ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ میرے اہل و عیال مکہ میں ہیں اور وہاں ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ میں نے اہل مکہ پر احسان کرنا چاہا تھا کہ انہیں قبل از وقت خبردار کر دوں اور وہ اس کے عوض میرے اہل و عیال کی خیریت اور سلامتی کا خیال رکھیں۔ اور کوئی انہیں پریشان نہ کرے۔

حاطبؓ نے یہ بھی کہا کہ میں نے سوچا تھا کہ اس طرح میرے اہل و عیال محفوظ رہیں گے اور اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ اللہ نے آپ کے ساتھ فتح و نصرت کے جو وعدے کیے ہیں' وہ تو پورے ہو کر ہی رہیں گے' میرا ایک خط اللہ

کے وعدوں کی تکمیل کو نہیں روک سکتا۔

حاطبؓ کی یہ بات بے بنیاد نہیں تھی۔ اس نے خط میں لکھا تھا۔۔۔۔ "اے اہل قریش! خدا کی قسم' اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر تن تنہا بھی حملہ کر دیں تو اللہ آپؐ کی ہی مدد کرے گا اور اللہ نے آپؐ کے ساتھ جو وعدے کیے ہیں' وہ ہر حال میں پورے ہو کر رہیں گے"۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حاطبؓ کی نیت غداری کی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ حاطبؓ کا بڑا گہرا تعلق غزوۂ بدر کے ساتھ تھا۔ اس غزوہ میں لڑنے کی وجہ سے حاطبؓ مہاجر ہوا اور مکہ جا ہی نہ سکا۔ اس کے اہل و عیال ادھر مکہ میں ہی رہ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔۔ "اسے بھلائی کے سوا کچھ نہ کہو"۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطبؓ کو معاف کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے بڑا ہی سخت حکم دیا جو مندرجہ بالا آیات میں واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ اسلام کی سربلندی کی خاطر کفار کو شکست دینے کے لیے اپنے رشتہ داروں اور اپنی اولاد کو بھی اگر نظر انداز کرنا پڑے تو کر دو۔ سورۂ الممتحنہ کی اگلی آیت(۳) پر غور کریں:

> "تمہارے خاندان والے (رشتہ دار) اور تمہارے اولاد روز قیامت کام نہیں آئیں گے (روز حساب تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے) فیصلہ تو اللہ کرے گا۔ تم جو کرتے ہو اللہ دیکھ رہا ہے"۔

خلفائے راشدین کے سنہرے دور کے بعد بھی اگر مسلمان ان ہی تین آیات کو مشعل راہ بنائے رکھتے تو آج امت کا شیرازہ یوں نہ بکھرتا جیسے ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانے بکھر جاتے ہیں۔ آج مسلمان جس دور سے گزر رہے ہیں' یہ قرآن اور احادیث سے انحراف کی سزا کا دور ہے۔ مسلمان' مسلمانوں کے دشمن ہوگئے ہیں۔ دور پیچھے نہ ہو جائیں' صرف موجودہ صدی پر نظر ڈالیں تو روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ ہم کفار کو دوست بنانے کی سزا بھگت رہے ہیں۔ تمام مسلم ممالک بظاہر آزاد ہیں لیکن عملاً کفار کے غلام ہیں۔ مسلم ممالک کے حکمران اہل صلیب کے صرف غلام نہیں

بلکہ زر خرید غلام ہیں۔

آج کوئی ایک بھی مسلمان ملک ایسا نہیں جو اپنے دفاع کے معاملے میں صلیبی ممالک کا محتاج نہ ہو۔ محتاجی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ صرف اسلحہ' ایمونیشن اور دیگر جنگی ساز و سامان کے لیے صلیبی ممالک کے محتاج ہیں بلکہ کسی مسلمان ملک پر کوئی ملک فوج کشی کرے تو یہ مسلمان ملک اس صلیبی ملک سے جسے اس نے اپنا دیوتا اور ان داتا بنا رکھا ہے' پوچھتا ہے کہ وہ اپنے دفاع میں لڑے یا اقوام متحدہ میں شور و غوغا کرے۔

جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء میں امریکہ نے جسے پاکستان اپنا دوست اور مونس و غمخوار سمجھتا تھا' پاکستان کی فوجی امداد روک دی اور پاکستان کو بھیجا جانے والا اسلحہ اور ایمونیشن نہ صرف یہ کہ روک لیا بلکہ اسلام اور پاکستان کے بدترین دشمن بھارت کو دے دیا تھا۔ جب دیکھا کہ بھارت پاکستان کو تہ تیغ نہیں کر سکا اور الٹا خود شکست سے دو چار ہو رہا ہے تو امریکہ اور روس نے مل کر فائر بندی کرا لی اور پاکستان کو دھوکہ دے کر تاشقند میں پاکستان اور بھارت کے مابین صلح اور باہمی امن کا معاہدہ کرا یا۔ اسے ''اعلان تاشقند'' کہا گیا' جس نے پاکستان کی فتح کو شکست میں بدل دیا۔

بھارت نے اپنا وہ مقصد جو ستمبر ۱۹۶۵ء میں پورا نہیں کر سکتا تھا' ۱۹۷۱ء میں پورا کر لیا...... پاکستان آدھا کر دیا...... پاکستان کو جو شکست ہوئی' اس کا شمار تاریخ اسلام کی ان بدترین شکستوں میں ہوتا ہے' جو مسلمانوں کو ہوئیں۔

روس اور اسرائیل نے بھارت کو کھلم کھلا جنگی مدد دی اور امریکہ نے در پردہ بھارت کے ہاتھ مضبوط کیے اور پاکستان کو اس قسم کے دھوکے دیے کہ وہ پاکستان کی مدد کے لیے اپنا بحری بیڑہ خلیج بنگال میں بھیج رہا ہے جو کبھی بھی نہ آیا۔

روس' امریکہ' اسرائیل' بھارت اور دیگر صلیبی ممالک کو کوسنا محض بے معنی ہے۔ یہ وہی کفار ہیں جن کے متعلق قرآن اور احادیث میں بڑے واضح اور سخت احکام آئے ہیں کہ ان پر بھروسہ نہ کرو اور انہیں دوست نہ بناؤ۔ پاکستان کو اپنے حکمرانوں کے اسی گناہ کی سزا مل رہی ہے کہ انہوں نے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کی اور یہ خلاف ورزی بے خوف و خطر جاری ہے۔ پاکستان کے لیڈر ابھی تک امریکہ کو اپنا دوست اور بہی خواہ بنائے ہوئے ہیں

اور ساری دنیا دیکھ رہی ہے کہ امریکہ نے پاکستان کو اقتصادی' سیاسی' اخلاقی' صنعتی' عسکری اور ہر لحاظ سے تباہ و برباد کر دیا ہے۔

مندرجہ بالا مثالیں آج کے دور کی ہیں۔ یہ اس لیے پیش کی گئی ہیں کہ آج کا مسلمان جان لے کہ کفار کو دوست بنانا کتنا بڑا گناہ ہے اور اس گناہ کی سزا کیا ہے...... اگر ہم چودہ صدیوں کی مثالیں قلمبند کرنے لگیں تو دفتر سیاہ ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں پر بھروسہ کیا اور یہودیوں نے اپنی فطری عیاری سے کام لیا۔ غزوۂ خیبر میں یہودیوں کو شکست ہوئی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح اور امن کا معاہدہ کیا۔

ایک یہودی سلام بن مشکم اور اس کی بیوی زینب بنت حارث نے رسول کریمؐ سے عقیدت کا اظہار کر کے آپؐ کو اپنے گھر دعوت طعام دی۔ آنحضورؐ اس خیال سے کہ ان کا دل برا نہ ہو' ان کے ہاں چلے گئے۔ آپؐ ایک صحابی بشیرؓ بن براء کو ساتھ لے گئے۔ یہودن زینب بنت حارث نے بکری کا گوشت بھونا اور اس میں زہر ملا دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوٹی منہ میں ڈالی اور اگل دی۔ آپؐ کو پتہ چل گیا کہ اس گوشت میں زہر ملا ہوا ہے۔ مگر بشیر بن براء ایک بوٹی کھا چکے تھے۔ آنحضورؐ بچ گئے لیکن بشیرؓ بن براء جانبر نہ ہو سکے۔

غزوۂ خندق کے وقت یہودیوں کا قبیلہ بنو قریظہ مدینہ میں آباد تھا۔ جناب نبی کریمؐ نے ان یہودیوں کو اپنی امان میں رکھا اور انہیں دوست بنا کر ان پر بھروسہ کیا مگر ان یہودیوں نے اس وقت مسلمانوں کی پیٹھ پر ضرب کاری لگانے کی کوشش کی جب مکہ کے کفار نے مدینہ کو محاصرے میں لے رکھا تھا اور خندق نے انہیں روکا ہوا تھا۔

آخر کفار ناکام ہو کر پسپا ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان تمام یہودیوں کو سزائے موت دے دی گئی۔ مسلمانوں نے جس پیار سے انہیں اپنے ساتھ رکھا تھا' اس کے پیش نظر مسلمانوں کو بجا طور پر توقع تھی کہ بنو قریظہ لڑائی میں ان کا ساتھ دیں گے مگر انہوں نے مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپ کر کفار کی فتح کو ممکن بنانے کی کوشش کی...... دیکھیے قرآن کس طرح ان کی فطرت بد سے مسلمانوں کو خبردار کرتا ہے:

یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود و النصری اولیاء بعضھم اولیاء بعض و من یتولھم منکم فانہ منھم ان اللہ لا یھدی القوم الظلمین○

"اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ (تمہارے نہیں بلکہ) آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی انہیں دوست بنائے گا' وہ ان ہی میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا"۔

(المائدہ' ۵۱)

اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ ان کفار کا مقصد کیا ہے۔ غور کیجئے:

و لن ترضی عنک الیھود و لا النصری حتی تتبع ملتھم قل ان ھدی اللہ ھو الھدی و لئن اتبعت اھواءھم بعد الذی جاء ک من العلم مالک من اللہ من ولی و لا نصیر○

"اور یہود و نصاریٰ اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے مذہب کے پیروکار نہیں بن جاتے۔ کہہ دو کہ سیدھا اور صاف راستہ تو وہ ہے جو اللہ نے دکھایا ہے اور (اے اہل اسلام!) اگر اس علم کے بعد بھی جو تم تک پہنچا دیا گیا ہے' تم ان (یہود و نصاریٰ) کی خواہشات اور مذموم (عزائم) کی پیروی کرو گے تو تمہیں کوئی ایسا دوست اور ایسا مددگار نہیں ملے گا' جو تمہیں اللہ کی گرفت سے بچا سکے"۔

(البقرہ' ۱۲۰)

اللہ کے اس حکم کے حوالے سے کہ جو کفار کو دوست بنائے گا' وہ ان ہی میں سے ہوگا' ایک حدیث پیش ہے:

"عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انسان کو اسی کا ساتھ نصیب ہوگا جس سے اس نے محبت کی"۔

مطلب واضح ہے۔ وہ روز حساب ان ہی روسیاہ کفار کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

ایک اور حدیث:

"عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' محبت' نرم گفتگو اور شفقت کے اظہار میں تمہارا ان (کفار) کی طرف جھکاؤ نہ ہو"۔

غور اس پر کریں کہ کفار کو دوست نہ بنانے کے متعلق اللہ اور رسولؐ کے احکام کس قدر سخت ہیں۔ یہ اس لیے نہیں کہ کفار نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اس لیے کہ یہ اسلام کے بدترین دشمن ہیں۔ یہ مسلمانوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں تو بھی ان کے دلوں میں اسلام دشمنی ہوتی ہے اور وہ اس دوستی کو اسلام کی بیخ کنی میں اور مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنے میں استعمال کرتے ہیں۔

ان الکافرین کانو لکم عدوا مبینا ○

"بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں"۔ (النساء' ۱۰۱)

والذین کفروا اولیاءھم الطاغوت

"کفار کی دوستی شیاطین کے ساتھ ہوتی ہے"۔ (البقرہ' ۲۵۷)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان احکام کو یہاں تک سخت بتایا:

یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا اباء کم و اخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان و من یتولھم منکم فاولئک ھم الظلمون ○

"اے ایمان والو! اگر تمہارے ماں باپ اور بہن بھائی بھی ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کریں تو ان سے بھی تعلق نہ رکھو جو ان سے تعلق رکھیں گے' وہ گناہگار ہیں"۔

(التوبہ' ۲۳)

اللہ کا ایک اور فرمان:

لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ و لو کانوا اباءھم ○

"تم ان لوگوں کو جو اللہ پر اور روز قیامت پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ ہی کیوں نہ ہوں"۔

(المجادلہ' ۲۲)

صرف یہ نہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کفار کے ساتھ دوستانہ تعلقات سے منع کیا ہے بلکہ یہ حکم بھی دیا ہے:

یاایھا النبی جاھدا الکفار و المنفقین واغلظ علیھم و ماوھم جھنم و بئس المصیر○

"اے نبی! کفار اور منافقین دونوں کے خلاف جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بدترین جگہ ہے"۔

(التوبہ' ۷۳)

آج امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبوں حالی دیکھ لیں۔ اتحاد تو پارہ پارہ ہو ہی چکا ہے۔ یہود و نصاریٰ نے ہر اسلامی ملک کو مالی امداد اور قرضے دے دے کر اپنی زنجیروں میں جکڑ لیا ہے اور انہیں اسی ذلت و رسوائی میں پھینک دیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی خبردار کر دیا تھا۔

سود خور یہودیوں نے مسلمانوں کو ذلت' بے غیرتی اور بے حسی کے اس مقام تک پہنچا دیا ہے جہاں یہودی' اہل صلیب اور دیگر تمام غیر مسلم اقوام نے اسلام کو دہشت گرد' بنیاد پرست اور انتہا پسند مذہب اور مسلمانوں کو دہشت گردی' بنیاد پرستی اور انتہا پسندی کا مجرم قرار دے دیا ہے۔ کفار جہاد کو دہشت گردی کہہ کر مسلمانوں کو دھڑا دھڑ گرفتار کر رہے ہیں۔ جہاں کہیں دھماکہ ہوتا ہے' وہاں چند ایک مسلمانوں کو گرفتار کر کے انہیں لمبی لمبی قید کی سزائیں دی جاتی ہیں۔

عرب کی جس مقدس سرزمین پر قرآن نازل ہوا تھا اور جس متبرک خطے کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کا نور عطا فرمایا تھا' اس سرزمین اور اس خطے کے بادشاہ آج یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنے آقا تسلیم کیے ہوئے ہیں۔ قبلہ اول پر یہودی قابض ہیں اور مسلمان حکمران اس قبضے کو برحق تسلیم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ کرۂ ارض پر مسلمانوں کا اہل صلیب اور دیگر کفار کے ہاتھوں کشت و خون ہو رہا ہے اور مسلمانوں کو ہی دہشت گردی کا ملزم ٹھہرایا جا رہا ہے۔

کیوں؟...... صرف اس لیے کہ مسلمان اللہ کے اس فرمان کو نظر انداز کر بیٹھے ہیں:

یاایها الذین امنوا لا تتخذوا بطانہ من دونکم لا یالونکم خبالا ودوا ماعنتم قد بدت البغضاء من افواھھم و ما تخفی صدورھم اکبر قد بینا لکم الایت ان کنتم تعقلون

"اے ایمان والو! غیر مسلموں کو اپنا ہمراز نہ بناؤ (کیونکہ) وہ تمہاری بربادی میں کوئی کسر نہیں رہنے دیتے۔ تمہیں جس قدر تکلیف پہنچتی ہے' وہ اتنا ہی خوش ہوتے ہیں۔ (اسلام کی) دشمنی ان کی زبان پر آ جاتی ہے (لیکن) ان کے دلوں میں جو دشمنی چھپی ہوئی ہے' وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے تمہیں پتے کی بات بتا دی ہے' اگر تم میں عقل ہے (تو اس بات کو سمجھو)۔

(آل عمران' ۱۱۸)

امت واحدہ کی بدنصیبی کہ اس کے قائدین نے اللہ کے اس عظیم فرمان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اپنے راز دین کے ان دشمنوں کو دے دیے بلکہ اپنی کمزوریاں بھی ان کے آگے بے نقاب کر دیں اور اپنی عقل بھی ان کے حوالے کر دی۔

ہمراز بنانے کا مطلب ہوتا ہے کسی دوست کو اپنے دکھ درد سنانا۔ عموماً توقع یہ رکھی جاتی ہے کہ دوست ہمدردی کا اظہار کرے اور امداد بھی دے۔ کفار سے ہمدردی اور امداد کی توقع کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے حکمرانوں اور دیگر ایمان فروش لیڈروں نے اپنے دلوں میں یہ خوف بٹھا لیا ہے کہ صلیبی اقوام مالدار بھی ہیں اور بہت بڑی جنگی طاقتیں بھی ہیں۔ اس خوف نے انہیں ان کا مطیع کر دیا اور اس طرح پوری کی پوری ملت اسلامیہ یہود و نصاریٰ کی محتاج ہوگئی۔ حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح الفاظ میں فرما دیا تھا:

الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا و قالوا حسبنا اللہ و نعم الوکیل

"جب ان (مسلمانوں) سے لوگوں نے کہا کہ کفار نے تمہارے مقابلے میں لشکر جمع کر لیا ہے اس لیے ان سے ڈرو' اس اطلاع سے ان (مسلمانوں) کا ایمان (ڈر سے کمزور ہونے کی بجائے) اور پختہ ہوگیا اور

انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین سازگار ہے"۔

(آل عمران' ۱۷۳)

سورہ آل عمران مدنی ہے' مندرجہ بالا آیت کا پس منظر یہ ہے کہ مکہ کے اہل قریش کے سردار ابوسفیان نے قبول اسلام سے بہت پہلے مدینہ میں مسلمانوں پر اپنی دہشت طاری کرنے کے لیے مدینہ کو جانے والے ایک آدمی کو کچھ رقم بطور انعام یا اجرت دے کر کہا کہ وہ مدینہ میں یہ افواہ پھیلا دے کہ مکہ کے لوگوں نے مسلمانوں کو کچلنے کے لیے اتنا بڑا لشکر اکٹھا کر لیا ہے کہ مسلمانوں کے لیے مدینہ میں دبکے رہنا بہتر ہے۔

اس شخص نے مدینہ میں جا کر یہ افواہ پھیلا دی اور ایسے دہشت ناک انداز سے پھیلائی کہ مسلمانوں کا مرعوب ہو جانا یقینی نظر آنے لگا لیکن مسلمانوں میں مرد مومن کے وہ تمام اوصاف موجود تھے جو قرآن میں آئے ہیں۔ مثلاً اللہ پر بھروسہ' اپنے عزم اور ایمان کی پختگی۔ نصب العین کی صداقت' اللہ کی راہ میں جان و مال قربان کر دینے کا جذبہ اور بے خوفی...... مسلمان مرعوب نہ ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور اس کی ذات باری بہترین سازگار ہے۔ انہوں نے بدر کے میدان میں کفار کو بہت بری شکست دی اور ہمیشہ کے لیے ثابت کر گئے:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

پھر دیکھیے باری تعالیٰ اسی سورۃ کی اگلی آیت میں کفار کے پروپیگنڈے کی حقیقت کن الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

انما ذلکم الشیطن یخوف اولیاء ہ فلا تخافوھم و خافون ان کنتم مومنین○

"یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں (کفار) سے تمہیں ڈراتا ہے۔ ان سے مت ڈرو صرف مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو"۔

(آل عمران' ۱۷۵)

اللہ کا یہ فرمان صرف مدینہ کے مسلمانوں کے لیے نہیں تھا بلکہ یہ رسول اللہ کی امت کے لیے رہتی دنیا تک ہے۔ مگر مسلمان اس فرمان الٰہی کو فراموش کر بیٹھے

اور دین کے بدترین دشمنوں کی ہمدردیاں اور مالی اعانت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو ان کے سامنے کمزور اور مسکین ظاہر کرنے لگے۔ پھر فطرت کا یہ اصول سامنے آیا:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

کفار کے ساتھ دوستی کوئی عام سی لغزش یا معمولی سی غلطی نہیں بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ کا ایک فرمان ملاحظہ ہو:

یاایہا الذین امنوا لا تتخذوا الکفرین اولیاء من دون المومنین اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطانا مبینا○

"اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ کیوں اپنے اوپر اللہ کا صریح الزام لیتے ہو"۔

(النساء' ۱۴۴)

قرآن حکیم کی کسی بھی آیت کی افادیت اور اہمیت دوسری آیات کی نسبت کم یا زیادہ نہیں۔ آیات کی درجہ بندی کی ہی نہیں جا سکتی۔ لیکن آج کرۂ ارض پر کفار نے جس طرح مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے' اس کے پیش نظر اللہ کا یہ فرمان خصوصی اہمیت کا حامل ہے:

انما ینھکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین و اخرجوکم من دیارکم و ظاھروا علی اخراجکم ان تولواھم و من یتولھم فاولئک ھم الظلمون○

"اللہ تمہیں انہی لوگوں (کافروں) کے ساتھ دوستی سے منع کرتا ہے جنہوں نے تمہارے خلاف دین کے معاملے میں لڑائیاں لڑیں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا (یہی نہیں بلکہ) تمہیں جلا وطن کرنے میں دوسروں کی مدد کی جو مسلمان ایسے لوگوں سے دوستی کریں گے' وہ گناہگار ہیں"۔

(الممتحنہ' ۹)

آج کے دور میں ساری دنیا میں پناہ گزین ایک مسئلہ بن گئے ہیں۔ بہت سے

چھوٹے چھوٹے ملکوں میں خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ لوگ پناہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ مثلاً ویت نام کے لاکھوں پناہ گزین دوسرے ملکوں میں چلے گئے ہیں۔ افریقہ کے مختلف ممالک کے بھی لاکھوں پناہ گزین ہو کر مارے مارے پھر رہے ہیں۔ یہ فہرست خاصی طویل ہے۔

حال ہی میں ایک سروے ہوا ہے جس میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ ساری دنیا میں وطن سے بے وطن ہونے والے پناہ گزینوں میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ فلسطین' کشمیر' بوسنیا' **چیچنیا**' برما' آسام' تھائی لینڈ' فلپائن' سری لنکا' الجزائر' افغانستان اور چند اور ملکوں کے مسلمان باشندوں کو قتل عام' لوٹ مار' اغواء' آبرو ریزی اور آتش زنی کے ذریعے کروڑوں کی تعداد میں اپنے اپنے وطن سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں بھارت سے ہجرت کو بھی اس تعداد میں شامل کر لیں۔ پھر مندرجہ بالا آیت پڑھیں۔

پھر اس کا سدباب کیا ہو؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس سوال کا جواب بھی دے دیا ہے:

فلا تطع الکفرین و جاھدھم بہ جھادا کبیرا○

"کفار کی باتوں میں نہ آو' ان کے خلاف جہاد کبیرا کرو"۔

(الفرقان' ۵۲)

کفار نے جہاد کو "اسلامی دہشت گردی" قرار دے دیا ہے۔ یہ مشاہدہ کس قدر افسوسناک اور شرمناک ہے کہ بعض اسلامی ممالک کے حکمران جہاد کے معاملے میں کفار کے ہمنوا بن گئے ہیں۔

مسلمان اپنا وہ مقام اور وہ عظمت جو اللہ نے عطا کی تھی' فراموش کر بیٹھے ہیں' اپنا یہ مقام اللہ کے اس فرمان میں دیکھئے:

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تومنون باللہ

"تم بہترین امت ہو جسے بنی نوع انسان کی بہبود کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم ان باتوں کا حکم دیتے ہو جو اللہ کو پسند ہیں اور منع کرتے ہو ان باتوں سے جو اللہ کو ناپسند ہیں اور خود اللہ پر ایمان (اور یقین) رکھتے ہو"۔

(آل عمران' ۱۱۰)

تمام امتوں میں سے اس بہترین امت نے اپنا یہ مقام کس طرح کھو دیا؟ یہ امت اللہ کی عطا کردہ عظمت سے محروم کیوں ہوئی؟ اس نے اپنا حلیہ کیوں بگاڑ لیا؟ صرف اس لیے کہ اس نے کفار کو اپنا دوست اور بہی خواہ بنا لیا۔

کفار نے اس بہترین امت کو جہاں کئی اور طریقوں سے تباہ و برباد کیا' وہاں نہایت پرکشش طریقوں اور ذرائع سے مسلمانوں کے ذہنوں پر بھی غالب آ گئے۔ اس لذت چکاچوند میں مسلمان ایسے اندھے ہوئے کہ یہود و نصاریٰ کی زبان اپنا لی اور اپنے تہذیب و تمدن سے بیزار ہو کر یہود و نصاریٰ کے کلچر کو سینے سے لگا لیا۔ ایسی اندھی تقلید کی کہ مسلمان اس بے حیا او فریب کار کلچر سے مسحور ہو کے رہ گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ صدیاں پہلے فرما دیا تھا:

"ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یقیناً تم لوگ اپنے پہلے لوگوں کے طور طریقوں کی بالشت بہ بالشت اور گز بہ گز پیروی کرو گے یہاں تک کہ وہ اگر گوہ کے بل میں داخل ہوں گے تو تم اس میں بھی ان کی پیروی کرو گے..... ہم نے عرض کیا' یارسول اللہ' کیا ہم یہود و نصاریٰ کی پیروی کریں گے؟ آنحضورؐ نے فرمایا' تو اور کس کی؟"

(بخاری)

کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر' کاہن' مجنون' مسحور اور نہ جانے اور کیا کچھ کہا۔ ان کا یہ پروپیگنڈہ اشتعال انگیز صورت اختیار کر گیا تھا۔ اللہ کی ہدایت نازل ہوئی:

و اصبر علی ما یقولون و اهجرهم هجرا جمیلا

"...... اور (کافر) تمہارے متعلق کیسی ہی ناگوار باتیں کرتے ہیں' ان پر صبر (اور تحمل) کرو' وضع داری سے ان سے الگ رہو"۔

(مزمل' ۱۰)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے کفار کو اس قدر پلید اور نجس قرار دیا ہے کہ مکہ معظمہ میں ان کا داخلہ بند کرنے کا حکم دیا ہے۔ مکہ معظمہ فتح ہوا تو قبول اسلام کا

سلسلہ تیز ہوگیا۔ لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم کے مطابق مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو مکہ معظمہ سے نکال دیا۔ ۹ ہجری میں یہ حکم جاری ہوا تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ کی وصیت کے مطابق یہ حکم حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں عملاً نافذ کر دیا گیا تھا۔

اس حکم کا مسلمانوں کی تجارت پر بہت برا اثر پڑا۔ کافر' تاجر جو سامان باہر سے لاتے تھے' وہ اب مکہ میں نہیں آ سکتا تھا۔ اس سے مسلمانوں کو تجارت میں خسارہ ہونے لگا اور وہ پریشان ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بذریعہ وحی تسلی دی کہ تمام گھاٹے پورے کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر ہوا یہ کہ تمام تر عرب مسلمان ہوگیا۔ دوسرے ملکوں سے مسلمان خود تجارتی مال لانے لگے۔ بارشیں غیر معمولی طور پر اتنی زیادہ ہوئیں کہ اناج کی افراط ہوگئی۔ ادھر فتوحات کا سلسلہ تیز ہوگیا۔ مال غنیمت اتنا زیادہ آنے لگا کہ سنبھالا نہیں جاتا تھا۔ جزیہ کی رقمیں بھی آنے لگیں۔

اس سے یہ حقیقت بھی بے نقاب ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور اللہ اپنے نیک بندوں کو گھاٹے میں نہیں رہنے دیا کرتا۔ اللہ کا حکم دیکھئے:

یاایھا الذین امنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا و ان خفتم عیلۃ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ ان شاء اللہ علیم حکیم○

"اے ایمان والو! مشرک (کفار) پلید ہیں' انہیں اس برس کے بعد مسجد الحرام کے قریب بھی نہ آنے دینا۔ اگر (ان کے ساتھ تجارت بند ہو جانے سے) تمہیں مفلسی کا اندیشہ ہو تو اللہ اپنے فضل و کرم سے تمہیں غنی بنا دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے"۔

(التوبہ' ۲۸)

قرآن کے اس فرمان کے بعد کچھ اور کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ آج امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبوں حالی اور ذلت کی وجہ اس کے سوا اور کیا

ہو سکتی ہے کہ عالم اسلام کے حکمرانوں نے اللہ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرنے کی بجائے کفار کو ان داتا بنا لیا اور کفار نے انہیں سودی قرضوں کی ابلیسی زنجیروں میں جکڑ کر اپنا زر خرید غلام بنا لیا ہے۔ کفار انہیں اپنے مفادات کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

آج بھی مسلمان قرآن اور احادیث کے نور کو اپنی روح میں داخل کر لیں تو یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل بن سکتا ہے۔